دیوان اوّل

جناب امیر مینائیؒ مرحوم

قیمت

مجلد۔ چار روپے آٹھ آنے

ناشر

مکتبۂ کلیاں لکھنؤ

ٹیلیفون........۵۲۷۵

ناشر۔ شمیم انہونوی

پرنٹر۔ شاہی پریس لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر مینائی

حضرت امیر مینائی اردو زبان کے اکابر شعراء میں تھے اور اپنی نسبی اور علمی حیثیت سے بھی ممتاز تھے۔ امیر مینائی اپنے زمانہ میں لکھنؤ کے شعراء میں سب سے زیادہ مشہور و مقبول تھے۔ ان کی یہ شہرت ان کے علم و فضل، ان کے اخلاق و زہد، ان کی کثیر تصنیفات اور بلند پایہ شاعری کی بدولت تھی۔ آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ ان کی بہت قدر کرتے تھے لیکن جب اودھ کی حکومت کا ستارہ گہنایا اور گہوارۂ علم و ادب انگریزوں کے ہاتھوں برباد ہوگیا تو نواب یوسف علی خاں والئ رامپور نے حضرت امیر مینائی کو اپنے پاس بلالیا اور بہت ہی عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال اور اعلیٰ حضرت نظام دکن نے بھی ان کو شاہانہ عنایتوں سے نوازا۔

حضرت امیر مینائی کا پورا نام امیر احمد تھا۔ امیر تخلص تھا اور چونکہ آپ حضرت شاہ میناؒ کے خاندان سے تھے جن کا مزار مبارک لکھنؤ میں سرچشمۂ فیض عام ہے اس لئے مینائی کہلائے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام مولوی کرم محمد تھا۔ حضرت امیر مینائی ۲۱ شعبان المعظم کو دوشنبہ کے دن ساڑھے دس بجے لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ یہ شاہ نصیرالدین حیدر کا زمانہ تھا۔ درسی کتابیں مفتی سعد اللہ اور علمائے فرنگی محل سے پڑھیں۔ امیر مینائیؒ بڑے منکسرالمزاج عابد، زاہد اور صوفی منش انسان تھے۔ طب، جفر اور نجوم وغیرہ سے بھی واقف تھے۔ وہ نہایت ذکی طباع، محنتی، جفاکش اور وضعدار تھے۔ حضرت مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے اور بہت جلد قابلیت میں استاد سے آگے نکل گئے۔

امیر بہت پُرگو شاعر تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں نثر میں بھی لکھی ہیں۔ ایک دیوان غدر میں تلف ہوگیا تھا پھر ۱۸۹۵ء میں آتشزدگی سے اکثر تصانیف جل کر خاک ہوگئیں۔ ان کے دو دیوان

"مراۃ الغیب" اور "صنم خانۂ عشق" عاشقانہ رنگ میں ہیں۔ "محامد خاتم النبیین"
نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔

آج کل لکھنؤ کے شعرائے متقدمین اور متاخرین عموماً اور ناسخ و آتش اور اسیر و تسلیم
خصوصاً موردِ عتاب بنے ملامت ہو رہے ہیں ایسی حالت میں امیر مینائی کے کلام کی اشاعت کرنا اور
ان کے کلام پر از سرِ نو تنقید کرنا بڑی جرأت کی بات ہے مگر ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی
شاعری ہی ہے اور اپنی شاعری ہی کی بدولت وہ مشہور زمانہ ہوئے اس لئے ضروری ہے کہ ان کی
شاعری کو نقادوں کے ہاتھ پہنچایا جائے۔

امیر مینائی کو جس صنف شاعری پر بھی قدرت حاصل تھی۔ وہ کبھی [illegible]
کبھی جرأت تھے، کبھی ناسخ و آتش۔ شستگیٔ الفاظ، متانتِ خیال، صفائیٔ بندش، [illegible]
اور تشبیہات، دلنشیں استعارات و محاورات، اخلاق و اصول کی باتیں، تصوف، سوز و گداز، شوخی
درد، معاملہ بندی و ادا بندی وغیرہ کی شاعرانہ لطافتوں سے ان کا کلام مالا مال ہے۔ قافیہ تنگ ہو یا کشادہ
مضمون جیسا چاہتا تھا وہ اپنی جودتِ طبع کے زور سے ویسا ہی مضمون اسے عطا کر دیتے تھے اور شعر میں
کوئی نہ کوئی لفظ ایسا رکھ دیتے تھے کہ بلاغت کا دریا بہنے اور فصاحت کا سمندر موجیں مارنے لگتا تھا۔

امیر کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شاعر پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنے آپ کو اپنے علم و فضل
کے زور سے شاعر بنا لیا تھا۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ جو شخص فطرتاً شاعرانہ طبیعت لے کر
نہیں آیا وہ خود کو ایسا قادر الکلام شاعر بنا ہی نہیں سکتا اور کچھ واقعات شاہد ہیں کہ امیر مینائی
نے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا ؎

ابر آتا ہے ہر بار برستا نہیں پانی — اس غم سے مرے آنسوؤں کی ہے یہ روانی

یہ شعر اس وقت کا ہے جبکہ امیر نو برس کے طفلِ مکتب تھے۔ اس لئے دعوے کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے
کہ وہ قدرتاً شاعر پیدا ہوئے۔ ازل سے انھیں دیگر خصوصیات کے ساتھ یہ تحفہ بھی ملا اور اسی چیز
نے ان کو شہرت کے بلند بام پر پہنچایا۔

امیر پر ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ ان کے یہاں آمد نہیں ہے آورد ہے اور اس کی وجہ یہ
بیان کی جاتی ہے کہ امیر کے یہاں عشقِ مجازی کا ثبوت نہیں ملتا اور اس کے بغیر وارداتِ محبت
کی صحیح تصویر کشی اور جذبات نگاری ممکن نہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وارداتِ محبت کی
صحیح تصویر کشی اور جذبات نگاری کی قوت خداداد ہوتی ہے۔ اس کا انحصار شاعرانہ قوت پر
ہوتا ہے اور جس کو خدا کی طرف سے یہ قوت ودیعت ہو جائے اس کے لئے یہ بات دشوار نہیں ہو سکتی۔

یہ اور بات ہے کہ ہم کو اپنی نااہلی کی بدولت محال معلوم ہو دوسرے یہ کہ ہم کو یا آپ کو امیرؔ کے عشق مجازی کا ثبوت نہ ملنا اس کے عدم یا وجود کی قطعی دلیل نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو سے

ظرف عالی ہے امیرؔ احمد مینائی کا

اور خود امیرؔ کہتے ہیں سے

ان شوخ حسینوں پہ جو مائل نہیں ہوتا کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہیں ہوتا

اور اس قسم کے لاتعداد اشعار ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حسن و عشق کی واردات اور کارفرمائیوں سے بخوبی واقف تھے۔

امیرؔ پر یہ الزام بھی صحیح نہیں ہے کہ ان کی شاعری صرف ناسخؔ وغیرہ کے رنگ کی ہے۔ تشبیہات و استعارات اور رعایت لفظی وغیرہ کے سوا اس میں جدت خیال و سوز و گداز کا نام نہیں اور یہ کہ ناسخؔ وغیرہ نے اپنے زمانے میں انھوں نے ناسخؔ کا رنگ مقبول دیکھ کر ان کی تقلید کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک تشبیہات و استعارات، مضامین و تخیل اور انداز بیان وغیرہ کا تعلق ہے امیرؔ نے بہت سی جدتیں کی ہیں اور فرسودہ مضامین میں نئی جان ڈالی ہے۔ تصوف، درد و تاثیر وغیرہ سے بھی ان کا کلام خالی نہیں ہے۔ البتہ ان جواہر پاروں کو نظر غور سے دیکھنے اور تلاش کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

امیرؔ نے غزلوں کے ساتھ ہی ساتھ نعتیں بھی کہی ہیں اور نعتوں کا پورا دیوان "محامد خاتم النبیین" کے نام سے موجود ہے۔ گو نعتوں میں امیرؔ نے شاعری سے بہت کم کام لیا ہے پھر بھی اس میں نازک خیالی اور شاعرانہ لطافت کے اعلیٰ نمونے جابجا نظر آتے ہیں۔ امیرؔ کی نعتیں ان کے زمانے میں بیحد مقبول تھیں اور محافل میلاد اور سماع کی مجلسوں میں لوگ ان سے پوری طرح لطف اندوز ہوتے تھے۔ ان کی نعتوں کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جھونکا جو کوئی آئے مدینے کی ہوا کا ٹھنڈا ہو کلیجہ ترے مشتاق لقا کا

بیماریوں میں الفت محبوب خدا کا اس درد میں ملتا ہے مزا مجکو دوا کا

یا خدا جسم میں جبتک کہ مری جان رہے تجھ پہ صدقے ترے محبوب پہ قربان رہے

قامت سرور کونین کے کشتوں میں اٹھوں یا خدا ہاتھ مرے حشر کا میدان رہے

دونوں عالم کے بکھیڑوں سے چھڑا دے یا رب — اپنے محبوب کو اک بار دکھا دے یا رب
زندگی ہند میں حسرت سے ہوئی ہے آخر — اب تو وہ روضۂ پرنور دکھا دے یا رب

خلق کے سرور شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم — مرسل داور خاص پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم
نور مجسم، نیر اعظم، سرور عالم، مونس آدم — نوح کے ہمدم خضر کے رہبر صلی اللہ علیہ وسلم
فخر جہاں ہیں، عرش مکاں ہیں، شاہ شہاں ہیں، سیف زباں ہیں — سب پہ عیاں ہیں آپ کے جوہر صلی اللہ علیہ وسلم
قبلۂ عالم، کعبۂ اعظم، سب سے مقدم راز کے محرم — جان مجسم روح مصور، صلی اللہ علیہ وسلم
دولت بے جا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تونگر — مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم
رہبر موسیٰ، ہادی عیسیٰ، تارک دنیا، مالک عقبیٰ — ہاتھ کا تکیہ خاک کا بستر صلی اللہ علیہ وسلم
سرو خراماں، چہرہ گلستاں، جبہہ تاباں، مہر درخشاں — سنبل پیچاں، زلف معنبر صلی اللہ علیہ وسلم
مہر سے مملو ریشہ ریشہ نعت امیر اپنا ہے پیشہ — ورد ہمیشہ رہتا ہے لب پہ صلی اللہ علیہ وسلم

امیر مینائی کی عاشقانہ غزل رنگ برنگے پھولوں کا ایک گلدستہ اور قیمتی جواہر کا ایک خزینہ ہے مثلاً "گلستاں کا" "بیاباں کا" اس زمین میں ایک گریباں ہی کے قافیے کو لیجئے تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ امیر نے کیسے کیسے گل کھلائے ہیں اور اشعار کتنے متفرق رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

نہیں سودا فقط یوسف کو اسکے دور داماں کا — گدا اور بھی ہے کوچہ چاک گریباں کا
مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا — مجھی سے پھر گلہ الٹا مرے چاک گریباں کا
نہ ہوگا بند جبتک نقد جاں باقی ہے قالب میں — سخی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا
نظر آیا وہ چہرہ ہوتے ہوتے رہ گئی وحشت — اٹھائی اسنے چلمن رہ گیا پردہ گریباں کا
کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا — دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا
تردد کیا ہو تم کو یہ تردد ٹانکوں میں اچھا ہے — عدو کا زخم دل کیا چاک ہو میرے گریباں کا

غرضکہ امیر مینائی مرحوم اپنی قوت شاعری کی بدولت ہر رنگ میں بہتر سے بہتر شعر نکال سکتے تھے انکے دواوین پڑھیئے تو ایسے گلدستے معلوم ہوں گے جنمیں گلستان ارم کے ہر چمن کے پھول آپکو نظر آئینگے رنگ کے اعتبار سے بھی اور بو کے لحاظ سے بھی یعنی دلی سے لیکر اپنے معاصرین کے عہد تک جس قسم کی شاعری عہد بعہد مقبول رہی ہے یا جس نوعیت کے اساتذہ مشہور و معروف ہوئے ہیں امیر مینائی نے ہر دور کے ممتاز شاعر کے پہلو بہ پہلو پرواز کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعرانہ قوت و صلاحیت کا اس سے بہتر کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ آپ بھی ایسے استاد زماں کا کلام ملاحظہ فرمائیں گے تو یقیناً انکی استادی کے قائل ہو جائیں گے۔

شمیم انہونوی (ایم اے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصیدہ در مدح جناب مستطاب جلال رکاب انجم خدم نواب محمد کلب علیخان بہادر دام ملکہم و اقبالہم مشتمل مناظرہ دانش و وہم

تخت کاغذ پہ ہوا صدر نشیں شاہِ قلم
دائرے طبل کی صورت ہیں الف شکلِ علم

ہیں جو یہ عرصۂ کاغذ پہ حروف و حرکات
یہی لشکر ہے یہی فوج یہی خیل و حشم

ہے فصاحت جو مصاحب تو بلاغت ہے ندیم
وزرا مرتبہ و دبدبہ و جاہ و حشم

منتخب ہیں جو مضامین تو معانی ہیں لطیف
ہیں وہی گنج و خزاین وہی دینار و درم

اہلِ دفتر نے جو کی کھول کے بستوں کی نشست
گردنِ منشیِ گردوں ہوئی تسلیم کو خم

کبھی منصب کبھی تقسیم میں دیں جاگیریں
شقے لکھے گئے ہونے لگے فرمان رقم

وقتِ دربار ہوا جمع ہوئے مجرائی
عقل فہم و خرد و ہوش و تدابیر و حکم

سامنے آنے لگے خیر طلب بہرِ سلام
مرد ہا تھا جو ادب کا وہ پکارا پیہم

روبرو خسروِ ذی جاہ فلک فر کے نگاہ
تا ابد سلطنتِ پشت و پناہِ عالم

ہوئی مجرے سے بخوبی جو فراغت حاصل
مسندِ حکم ہوئی مطلعِ انوارِ قدم

روبرو دستخط خاص کو لایا کاغذ　　حکمت الدولہ جو تھا منشی یاقوت رقم
عرضیاں گذریں خلائق کے برائے مطلب　　لب ہوئے لعل فشاں کھل گئے ابواب کرم
بعد اخبار کے پرچوں کی جو نوبت آئی　　نئے مضمون کا اک پرچہ ہوا پیش اسد کا
کہ ملازم ہیں جو سرکار کے دانش و دہم　　در دولت پہ ہے ہنگامہ لڑے ہیں باہم
بحث اک بات کی دونوں میں پڑی ہے ایسی　　کہ بہم گتھ گئے ہیں صورت خط توام
حکم عالی یہ ہوا جلد کرو حاضر بزم　　دیکھیں کیا کہتے ہیں خود دونوں باہم ہونگے حکم
حاضر بزم ہوئے وہ تو ہوا یہ ایما　　کیوں لڑے کیا سبب جنگ ہے آگاہ ہوں ہم
عرض دانش نے یہ کی روزابد تک قائم　　یہ حکومت یہ ایالت یہ شہامت یہ حشم
بندۂ خاص نے دیکھے ہیں ہزاروں السال　　حکمرانان زمانہ رؤسائے عالم
ایک عالم ہے خلاب سجادہ زدمن زکی　　صاحب علم و ہنر معدن اخلاق و کرم
نام ہے کلب علی تہاں بہادر جم جاہ　　جسکے خدام ہیں ہم مرتبۂ قیصر و جم
علم میں حلم میں جود و کرم و ہمت میں　　ہے وہ یکتائے زمانہ بسر اقدس کی قسم
جسمیں ہو بات ہو کیونکر اسے کوئی کہے　　بیش انصاف گزیں حق کا چھپانا ہے ستم
حیف کہنے کو ذرا دہم نے باور نہ کیا　　بلکہ بار بارہ انکار میں منکر نے قدم
کہ کمالات کا حصر ایک میں ہے ناممکن　　کارخانہ ہے خدا کا نہیں خالی عالم
ایسے کیسے نہیں گذرے ہیں جہاں میں نامی　　خواجگان عربستان و سنادید عجم
سارے عالم میں ہے سحبان کی فصاحت مشہور　　سارے آفاق میں کسریٰ کی عدالت کا علم
کسکو معلوم فلاطوں کی نہیں ہے حکمت　　حکم نادر ہے عیاں جلوہ نما عشرت جم
چار سو ہمت حاتم کا ہے آوازہ بلند　　شش جہت پر ہے عیاں سب سے جری تھا رستم
تو جو کہتا ہے کہ ان سب سے ہے بڑھکر کوئی　　زعم باطل ہے فقط مانتے ہیں کب اسے ہم
میں یہ کہتا ہوں میں دعوی میں ہوں سنئے صادق　　ہیں دلائل جو ہوں گوش شنوا گوش اصم

کچھ یہ سنتا نہیں انکار یہ باندھے ہے کمر — گفتگو کے طرفین آپ معیّن ہو کے باہم
ہو گیا حکم کہ ہاں محکمۂ بحث ہو گرم — ایک اک بات کا ہو فیصلہ لا ہو کہ نعم
دہم بولا کہ مجھے عدل میں پہلے ہے کلام — نام کسریٰ کا ہے انصاف و عدالت میں علم
فی البدیہہ اسے دانش نے دیا تب یہ جواب — چاہ بے آب بھی پاتا ہے کہیں رتبۂ یم
میرے ممدوح کا وہ عدل جو تھا عدلِ رسول — عدلِ کسریٰ میں ضلالت کے طریقے منضم
کفر و اسلام کے آئین میں ہے جو ظاہر تفریق — چشم بینا میں کبھی ایک نہیں نور و ظلم
چپ ہوا دہم کہا خیر یہ مانا میں نے — کون حاتم سے زیادہ ہے یم جود و کرم
ہنس کے دانش نے کہا یہ بھی نہیں تھا تو — بادشہ تھا نہ کسی ملک کا حاکم حاتم
وہ بھی دیتا تھا خلائق کو جو دیتا تھا خدا — اسمیں جتنے ہوں میسر سے دینار و درم
بیش ازیں نیست کہ دعوت میں کیا کرتا تھا ذبح — گوسفند و بز و میش و شتر و اسپ و غنم
میرے ممدوح کی کشور نہ خزاین کی ہے حد — سب وہ حصہ ہے خلائق کا زہے جود و کرم
اتنے سائل تھے قبیلے میں نہیں ملتے کہاں — جمع اُسکی در دولت پہ ہے سارا عالم
روز پاتے ہیں زر و گنج ہزاروں سائل — ہر تہیدست ہے اب مالک دینار و درم
کرتے ہیں صاحب زر ہو کے غنی زر بخشی — یہ وہ حاتم ہے کہ ہیں اس کے گدا تک حاتم
بات معقول تھی کچھ دہم کو آیا نہ جواب — نطق ہو بند تو منہ کھول سکے کیا ابکم
بعد کچھ دیر کے بولا کہ رہا اب یہ کلام — کہ شجاعت میں یہ افضل ہے کہ افضل رستم
کس جوان مرد نے مانا نہیں لوہا اسکا — قائل جرأت رستم ہے عرب تا عجم
سنکے اس بات کو دانش کو ہوا کچھ جو سکوت — میں بھی موجود تھا بولا کہ خموشی ہے ستم
شاہنامہ نہیں کیا تیری نظر سے گذرا — آپ کہتا ہے یہ فردوسی اعجاز رقم
سیستاں میں تھا فقط ایک وہ گمنام سائل — شاہنامہ جو کہا میں نے بنایا رستم
میرے ممدوح کی جرأت تھی بھلا اسمیں کہاں — رعب سے اُس کے صفیں ہوتی ہیں درہم برہم

اب جو ہیں اسلحۂ جنگ یہ آگے تھے کہاں — نہ یہ توپیں نہ یہ گولے تھے نہ یہ سیل نہ بم

اسپہ بڑ جائے صف فوج عدو میں بھاگڑ — سر میدان جو ٹھکارے صفت شیر اجم

اسمیں بھی بند ہوا وہم تو لی اور ہی راہ — رزم سے پھر کے دھرا بزم میں ناچار قدم

کی یہ تقریر کہ اچھا نہ سہی ذکر نبرد — کیسے آراستہ کی بزم طرب صورت جم

جام جمشید کی پوشیدہ نہیں کیفیت — جس سے تھا پیش نظر آئینہ حال عالم

سنکے دانش نے کہا خوب کہاں تجھکو تمیز — مست و مدہوش کو کیا ذائقۂ ناز و نعم

فرض کردم کہ مہیا ہوں سب اسباب نشاط — مطرب و ساقی و نقل و مے و اصوات و نغم

آپ ہی ہیں جو نہو اسکو ہو حاصل کیا خاک — لذت سامعہ و ذائقہ و قوت شم

اگلے لوگوں میں کہاں تھی یہ تراش اور خراش — یہ نفاست یہ نزاکت یہ لطافت یہ شیم

پیرہن رشک چمن بوقلموں رنگ برنگ — زیوروں میں وہ چمک نور کا جن میں عالم

خوبصورت وہ حسیں ماہ جبیں پیش نظر — خم بخم زلف رسا آئینے زانو و شکم

کبک وطاؤس کی رفتار تو چیتے کی کمر — آنکھیں وہ شوخ کہ آہوئے غزالان حرم

رقص وہ جس سے سراسیمہ ہو طاؤس فلک — کان زہرہ بھی پکڑلے وہ مزامیر و نغم

جام جم سے اگر آئینہ تھا احوال جہاں — راز کونین سے آگاہ یہاں دل ہر دم

طرح میں وضع میں ترصیع میں ایجاد نہیں — متاثر ہیں سراسر قدما سے اقدم

نہ چلی وہم کی اس میں بھی تو بولا مجبور — خیر قائل ہوں پرا ے خارق انوار و ظلم

حکم نادر کا فلاطون کی ہے حکمت باقی — فرق ان کا بھی سند ان کون سوا کون ہے کم

کہا دانش نے کہ یہ بات بھی دشوار نہیں — لائق مدح ہے ممدوح وہ ہیں قابل ذم

وجہ ترجیح کی نادر سے تو یہ حکم ہی ہے — وہ ہمہ ظلم و ستم تھا یہ ہمہ عدل و کرم

آنکھیں کسکی نہیں نادر نے نکالیں بیجرم — سرمۂ روشنی چشم ہے یاں خاک قدم

کسکی گردن پہ نہ نادر کی چلی تیغ جفا — گردنیں سیکڑوں احسان سے اسکے ہوئیں خم

اور حکمت میں فلاطوں کا ہو کیا ذکر کہ وہ
بیٹھ کر خم میں ہوا راہی اقلیم عدم

یہ وہ دریا کہ خم چرخ جہاں ایک حباب
پھیل کر قطرہ نہ دریا سے کبھی ہو اعظم

طرفہ حکمت کی تہی سے بھی وہ قائل نہوا
دل صفا سے ہے یہاں مطلع انوار قدم

کفر و ایمان میں بڑا فرق ہے لازم ہے تمیز
وہ اگر ہیمۂ دوزخ تو یہ ہے سرد لدم

جب سنے ایسے براہین یہ ہوا وہم کا حال
خم کیا سر کو لیے دوڑ کے دانش کے قدم

چشم الطاف سے دانش نے بھی کی اس پہ نظر
پھر تفہیم کہا سن کہ تو ہے نایاب شیم

یہ تو کہتے تیرے سوالات کا اے وہم جواب
وصف ممدوح جو ہیں اور وہ اب کہتے ہیں ہم

علم میں حلم میں الطاف میں دانائی میں
ایک ہی فرد ہے یکتا ہے وہ فخر عالم

ہر سحر مشغلہ فریاد رسی و دادرسی
میہمان سیکڑوں ہر شام سر خوان کرم

جتنے جس شہر سے آتے ہیں مسافر مہمان
کیمیا کرتی ہے اون کو نظر فیض شیم

اس جگہ چاہیئے موزوں ہوں کئی مطلع صاف
گھر میں میتوں کے لگیں آئینے قد آدم

مطلع

وقت رفتار ہے زر ریز عجب فیض قدم
نقش پا راہ میں بنجاتے ہیں دینار و درم

در دولت کی وہ عظمت ہے کہ جس سے ہر دم
لو لگائے ہوئے ہے لام ہو یا داد قسم

تنگدل وہ ہے عدو نام جو اس کا ہو رقم
ساحت لوح یہ سمجھے کہ ہو میدان قلم

چشمۂ فیض سے اوس کے جو شجر ہو سیراب
عوض برگ ہر اک شاخ سے پیدا ہوں درم

دل میں وہ سخت دلوں کے بھی جگہ کرتا ہے
سنگ پر جیسے ہمیشہ کے پڑے نقش قدم

ہے تواضع کا نتیجہ کہ ہے سب پہ غالب
کسر نفس اسکو نہ کس طرح کرے فتح سے ضم

عفو ایسا کہ خطاکار سے بھی ہے اغماض
صاف پی جائے جو کھائے کوئی جھوٹی بھی قسم

زائر در جو رہ شوق میں ہوتے ہیں رواں
حسرت آنکھوں کو یہ ہوتی ہے ہوئے ہم نہ قدم

بشتیٔ دولت والا نے یہ پامال کیا
کہیں ڈھونڈے نہیں ملتا ہے نشان سر خم

مرکز کاف کی شمشیر سے کٹتا سر میم — درمیاں میں جو نہ ہوتا قدم رائے کرم
وہ مسیحا ہو تو پھر خلق کا مرنا کیسا — کیا عجب روک کے بیٹھے جو قضا راہ عدم
صور سے کہدے تو وہ بھول بھلیاں بجا — کہ بھٹکتا ہی پھرے اسمیں سرافیل کا دم
فیض سے اسکے وہ کرتے ہیں دوشالے تقسیم — کملیوں کو بھی نہ ملتے تھے جنھیں موئے غنم
قہر رب کہتے ہیں جسکو وہ عتاب اسکا ہے — آنکھ دکھلائے جسے اسکا ہو دم عین عدم
صرصر قہر چلے اس کی تو ہستی کیسی — چار ارکان ہوں نگونسار گریں ہفت خیم
سود خورہ ہے عدو کیوں نہ زمیں پر لوٹے — عدم ہضم غذا ہے سبب درد شکم
عہد میں اسکے یہ بدخواہ کو ملتی ہے سزا — کہ ستم ہے حق معشوق میں عاشق پہ ستم
اثر اللہ ہوا یہی خود ہو گرفتار جنون — پڑھ کے لیلیٰ جو کرے سورۂ جن قیس پہ دم
بت پرستی کا مٹا عہد میں اسکے یہ رواج — قایل حد ہوئے اطفال بھی کھیلے جو صنم
اسکا پابند شریعت ہے وہ مقبول خدا — اس قدر کی ہے شریعت کہ بنا مستحکم
کہ کسی راہ کے چلنے میں کسی رہرو کا — سرحد شرع سے باہر نہیں پڑتا ہے قدم
آپ عابد ہے وہ کرتا ہے نصیحت سب کو — غافلو راہ عبادت میں نہو سست قدم
تم سے ہوتی ہیں شب روز نمازیں جو قضا — دیکھو ماتم میں انھیں کے ہیں سیہ پوش حرم
اٹھ گئے کفر کے آئین ہوئی رونق دیں — بند دروازۂ بتخانہ ہے وا باب حرم
ہوتے آذر بھی تو پابند شریعت ہوتے — سجدہ گاہیں وہ بناتے جو بگڑتے بھی صنم
تن پہ کیا اسلحۂ جنگ نے پایا ہے فروغ — خود ہے مشعل طور زرہ رخت حرم
ہے سپر پشت مبارک پہ کہ حمزہ کی سپر — ذوالفقار اسد اللہ کہ شمشیر دودم
حملہ در فوج عدو پردہ اگر ہو دم جنگ — باندھ کر چست کمر کھینچ کے شمشیر دودم
کھیت کشتوں کا نہ تیار بھی ہونے پائے — ہو چکی تیغ و قضا میں بہ رضا بیع سلم
تھا سیہ رو جو عدو اسکو کیا خون میں تر — کیا تماشا ہے کہ اسود کو بنایا ارقم

نثر میں نظم میں سب طرح کی رنگینی ہے ہے ورق ہاتھ میں گلزار تو طاؤس قلم

کیوں نہ عالی سخن اُسکا ہو کہ ہو استعداد بیت محکم ہے وہ جس کی کہ بنا ہے محکم

یہ حکومت یہ ریاست یہ ایالت یہ شکوہ واہ کیا نظم ہے جس کا ہے ثناخواں عالم

تاج کہتا ہے کہ ہے تاج سکندر کیا مال تخت کہتا ہے نہیں تخت سلیماں سے میں کم

تاجداروں پہ میں چھایا ہوا ہوں جو چتر سبز تخت و لے سے ہوں سرسبز یہ ہے قول علم

اسپ کا قصد کہ میں عرش کا پایہ چھو لوں فیل کا عزم سرچرخ پہ رکھ دوں میں اقدم

تیغ کہتی ہے کہ مجھ سے دل مریخ ہے آب نیزہ کہتا ہے کہ مجھ سے ہے بہرام کو خم

مدح ممدوح بہت تجھ سے ہے دشوار امیر آتشیں ہے یہ وہ سخت تو ہے موم ہے قلم

روک لے روک لے رہوار طبیعت کی عناں کر دعا حق سے کہ اے خالق انوار و ظلم

نور اقبال رہے اسکی جبیں سے ساطع

ظلمت بخت سیہ حصۂ اعدای دژم

ایضاً قصیدۂ مدحیہ

تا کجا کو تہی اے دست ہوس کر جھوٹ پردۂ شرم رخ شاہد معنی سے اُلٹ

جیتنا ہو جو سواران سخن سے میداں پھینکنا چاہیئے رہوار قلم کو سرپٹ

یہی گو ہے یہی میدان یہی معنی یہی لفظ اپنی اپنی ہے دم معرکہ پر ڈانٹ ڈپٹ

پی چکے گو کہ مے صاف سخن کو مے نوش رہ گئی ساغر و مینا و سبو میں تلچھٹ

خم ہیں میخانے میں ایسے بھی کہ کوئی نہیں پر کھول منہ بھر کے صراحی کو پئے جا غٹ غٹ

دو قصیدے جو سے مصحفی و انشا کے واقعی سکہ رائج ہیں و لیکن سلپٹ

سخت پتھر سے جو تھے قافیہ نامانوس کچھ بھی کاٹا نہ گئی تیغ زباں انکی اچٹ

ذائقہ ہے تو فقط گرمی و بیباکی کا پر فصاحت سے یہ کہتے ہیں کہ چل دور ہو ہٹ

ہمت فکر نے باندھی جو کمر بہر جواب اول اول تو طبیعت کو ہوئی گھبراہٹ

آخر آخر یہ ہوئی نظم کی قوت پیدا — کرلیا تازہ مضامین کا علاقہ کورٹ
تو سنو گوش توجہ سے ذرا نظم فصیح — وہ ہے صاف نہیں نام کو جس میں تلچھٹ

مطلع

شب دوشنبہ جو لی خواب میں میں نے کروٹ — آئی اک حور لقا پاس الٹ کر گھونگھٹ
کچھ عجب فتنہ کہ اس کی جو نظر جائے پلٹ — ساتھ ہی چرخ پھرے لے یہ زمانہ کروٹ
شعلہ رخسار جفاکار قیامت آفت — شوخ عیار غضب قہر چھبیلا و نٹ کھٹ
رحم دکھلائے جو منھ دور سے پھر جائے نگاہ — شرم آجائے تو آنکھیں کہیں چل دور ہو سٹ
گر پڑی سی جان یہ زیور کے چمک سے بجلی — کھینچ لے دل کو وہ پوشاک میں خوشبو کی لپٹ
وہ نگاہیں غضب آلود وہ مژگاں کی صفیں — لشکر صبر جنھیں دیکھ کے کھائے گھونگھٹ
لیکے انجم کا جو لشکر اتر آئے مریخ — کھینچکر تیغ ادا جیت لے میدان جھپٹ
پختہ کار اسکو جو دیکھیں طمع خام کریں — ثمر بیش رس حسن میں وہ گدرا ہٹ
طرفہ چہرے کی لطافت وہ سنہری رنگت — دست افشار طلا سے بھی سوا نرماہٹ
آپ ہی چھیڑ کرے آپ ہی پھر حد سے بڑھے — توسن ناز کو پوئی سے وہ پھینکے سرپٹ
مستی حسن سے گردن میں کبھی ڈالدے ہاتھ — بے چھوے گاہ بچا لو کسطرح جائے سمٹ
پتلیاں آنکھوں کی در پردہ اشاروں سے کہیں — ناچنے ہی کو جو نکلے تو کہاں کا گھونگھٹ
مانگ لے مانگ دکھا کر کبھی عشاق کے دل — باندھ لے گاہ گلا کھول کے وہ زلف کی لٹ
رخ و گیسو پہ مرے ایسے مسلمان ہندو — مقبرے ہو گئے تعمیر پھرے سب مرگھٹ
فتنۂ حشر کو دیکھے تو کہے زلف سے آنکھ — لا جھپٹے میں اسے دیر نہ کر دوڑ جھپٹ
طاق کا کل وہ پھینکتی ہیں کہ سر کی کوئی چوٹ — روک لے مڑ کے تو وہ جھٹک کے لگائے پلٹ
ہاتھ چھو جائے جو گیسو کو تو کھلے کیونکر پیچ — جس طرح کاٹ کے کالا کوئی جاتا ہے لپٹ
دیکھ کر ابروئے پیوستہ یہ ہوتا تھا گمان — پہلوان دو ہیں کہ کشتی میں ہیں کچھ غٹ بٹ

جلوہ گر مردم چشم و صفِ مژگاں سے صاف
حور بیٹھی ہے در خلد پہ کھولے ہوئے پٹ

پھیر کر آنکھ کہے آنکھیں ہیں نرگس کی پھٹی
دہن تنگ نہ دے منھ کہ ہے غنچہ منھ پھٹ

چوری چوری چمنِ رخ میں جو آجائے نگاہ
زلف مشکیں کی رسن باندھ لے مشکیں جھٹ پٹ

وصف لکھے لب شیریں کا جو کوئی کاتب
صفحہ سے صفحہ غدود بت کے سبب جائے چمٹ

بڑھ کے گلبرگ سے بھی وہ کف رنگیں نازک
غنچے لیں انگلیوں کی کیوں نہ بلائیں چٹ چٹ

آرزو مہر کو مشرق سے نکلکر ہر صبح
کہیں جوشن کی طرح جاؤں میں بازو سے لپٹ

استخواں تن میں نہیں لیک یہ ہوتا تھا گماں
گل مخمل کی طرح تن میں غضب نرماہٹ

کسطرح ہو نہ گلا کیف مئے حسن سے مست
پی ہے شیشے میں صراحی کی صراحی غٹ غٹ

سینۂ آئینہ شفاف شکم چشمۂ حسن
موج دریائے لطافت شکم صاف کی پٹ

شور خلخال سنائے جو رواں ہو دو گام
مردے اٹھ بیٹھیں تہ خاک یہ ہو گھبراہٹ

غرض اس شکل کی معشوقہ کیا جسکا بیاں
نظر آئی تو عجب جی کو ہوئی للچاہٹ

شوق دل نے یہ کہا مست ہے یہ سرو بھی
عشق پیچے کی طرح جائیے مستی میں لپٹ

ہاتھ دامن پہ پڑا تھا کہ وہ پیچھے سرکی
سر قدم تک بھی نہ پہنچا کہ گئی دور وہ ہٹ

چوٹ سی دل پہ لگی ہاتھ گیا جیب خالی
تازیانے سے نہیں کم وہ پڑی تیغ جو پٹ

سنکے ظاہر میں کہا واہ ری ٹھنڈی گرمی
آپ ہی لطف و کرم آپ ہی یہ جھنجھلاہٹ

چپ رہی پہلے کہا تو یہ کہا دیر کے بعد
تھی ملاقات کہاں کی کہ یہ تیزی جھٹ پٹ

ہوش میں آؤ ذرا خیر ہے کیسا ہے مزاج
خفقان سے تو طبیعت میں نہیں گھبراہٹ

میں وہ ہوں جسکی ہوس میں ہیں ہزاروں تا ہی
سیکڑوں مر گئے تھی جن کو مرے نام کی رٹ

زہرہ بالائے فلک کشتۂ شمشیر نگاہ
حلق مریخ کو پھانسے ہے مری زلف کی لٹ

مرغ دل سیکڑوں شہباز نظر کے ہیں شکار
خال وہ زاغ سیہ ہے کہ کلیجے کیے چٹ

ذوق وصلت میں ہوئے گور کنارے کتنے
شوق دیدار میں کتنوں کی گئی آنکھ الٹ

ہند تک روم سے جتنے کہ ہیں شہزادے — صبح تا شام ہے اُنکا مرے در پر جمگھٹ
پانوں کتنوں کے گھسے مثل سبو سر پھوڑے — بادۂ وصل کی پائی نہ کسی نے تلچھٹ
ناطقہ خانۂ دولت ہے مرا نام صفت — میں مکیں ہوں تو مکان جائے زسیم سے پٹ
ملہم غیب نے بھیجا تو میں آئی ترے پاس — ہو گراں تجھکو جو آنا ابھی جاؤں میں پلٹ
وصف تو کرتا ہے جسکا میں اسکی ہوں صفت — دیکھ اعضا کو ذرا پردۂ غفلت کو اُلٹ
روئے انور سے اُسی کے مرے آنکھوں میں ہے نور — خلق اُسکا مرے گیسو میں ہے خوشبو کی لپٹ
صف مژگان سے عیاں تیغ پر زور کی شکل — عزم اسکا مری شاہین نگہ کی ہے جھپٹ
اُس کی جو راستیِ طبع وہی قد میرا — دامن فیض کا ٹکڑا مری زلف کی لٹ
مصحفِ رخ کو جو دیکھو تو نمایاں وہی شان — کعبۂ دل کو جو دیکھو تو اُسی کی چوکھٹ
کون وہ کلب علی خان بہادر جمجاہ — دیتے ہیں جسکو ملک عالم بالا کی رپٹ
حاکم خلق نے تحسین کی خوشبو کی لپٹ — کر لیا سارے گلستان کا علاقہ کدرٹ
کیا شگفتہ ہے بہار چمن نزہت طبع — سامنے جسکے گل و لالہ ہیں کوڑا کرکٹ
بزم میں زمزمۂ حسن ہے یا نغمۂ عشق — انھیں لوگوں کا رہا کرتا ہے اکثر جمگھٹ
شمع و پروانہ سے ہر شب وہ سنا کرتا ہے — لن ترانی کا ترانہ ارنی کی تر رٹ
طرفہ محفل کہ پے رقص یہاں آتا ہے — سر پہ طاؤس چمن رکھکے کنہیا کا مکٹ
واہ کیا قصر حکومت ہے رفیع اور وسیع — جسکے دروازے کے ہیں جرأت و ہمت دو پٹ
فیض مقدم سے تو انگر فقرا ہوتے ہیں — بخت خفتہ کو جگاتی ہے قدم کی آہٹ
شیخ سید مغل افغان ہیں فراہم ہر صبح — کعبہ ان چار مصلوں سے ہے اسکی چوکھٹ
جزر و مد اپنا دکھائے جو کبھی قلزم لطف — بڑھ کے کوثر چہ زمزم ہو اگر جائے سمٹ
درم بخشش اُسے درکار ہیں جیسے دل ہو کی — کہو نیسان سے بحرین کا لکھ دے پرمٹ
کس قدر نام ہے شیریں جو زباں پر آجائے — منھ میں بیمار کے باقی نہ رہے کڑواہٹ

رزم میں ملتا ہے بندوق کا توتا ہی نام — بزم میں طوطی مینا کو اسی کی ہے رٹ

اسی معجون سے طبیعت نے بشاشت پائی — دل کی اس حرز بیانی سے گئی گھبراہٹ

عدل وہ ہے کہ زمانے میں نہیں آئے گو فساد — ہو تہتک جو لچکتیوں میں کبھی ہو کھٹ پٹ

در دولت ہے عجب فیض کی چوپڑ کہ جہاں — کبھی پڑتا نہیں پانسا کسی تقدیر کا پٹ

آگے ہمت کے ہے یہ دولت دنیا کیا مال — لعل و گوہر کو سمجھتا ہے وہ کوڑا کرکٹ

دی عجب پنجہ و بازو میں خدا نے طاقت — امتحاں چاہے اگر کوئی تو دے کوہ الٹ

کھو رستم سے کہ کیا جان کے منھ چڑھتا ہے — یہ ڈھٹائی یہ دلیری یہ کلیجا جیوٹ

نگہ قہر کرے سنگدلوں کو چورنگ — یہ وہ شمشیر نہیں جائے جو پتھر پہ اچٹ

کب عدو کو ہے چہ پستیٔ قسمت سے نجات — آنکھیں دولاب ہیں اسکا ہے جگر سے رہٹ

برق جا کر جو جلاتی ہے عدو کے خرمن — بولتا ہے وہیں اُس تیغ سے عدو آ کے رپٹ

زشت کیا دشمن کافر کہ ہے اسکی جگہ — زیست میں خانۂ زنداں پس مردن مرگھٹ

اس جگہ سے میں کروں ہو کے مخاطب تعریف — چاہیئے شاہد معنی کہ بدل دوں کروٹ

غائبانہ ہے اگر نصف خطابی بھی ہو نصف — ایک دروازے کی خاطر ہیں مثل دو پٹ

ہیں ترے باب حکومت کے دو عالم دو پٹ مطلع ملکے یہ چار کڑی ایک بنی ہے چوکھٹ

تب بنی اس سے ترے خاک قدم کی اکسیر — چرخ نے ماہ کو شق کر کے کیا جب سمیٹ

کیا ترے قہر کا وادی ہے تماشے کی جگہ — پیچ کھاتے ہیں بگولے کہ کلا کرتے ہیں نٹ

ہر کہاری ہے ہوا دار کی صورت میں پری — تخت جم لے کے یہ پریوں کا چلا ہے جمگھٹ

زیر فرماں رہے ہر دم جو کہے تو وہ کرے — زال دنیا کو مناسب نہیں اب تریاہٹ

حق تو یہ ہے کہ ترے قبضۂ قدرت کے سوا — مال جو غیر کے قبضے میں ہے وہ ہے تلپٹ

جس کا تو دوست ہوا اسنے خزانہ پایا — خط لکھا جسکو اسی شخص کی ہنڈی گئی پٹ

حکم تنگی دہن تنگ سے جائے جو نکل — سارا آفاق ہو ذرہ یہ زمیں جائے سمٹ

وسعتِ طبع جو وسعت کا سنائے فرماں | ہو ہر اک قطرے میں دریا سے سوا پھیلاوٹ

عاجزوں کو جو ملی عدل سے تیرے قوت | شیر کو دُرّے لگائے شکم گاؤ کی بٹ

سکۂ شمس و قمر میں جو کہیں نقش نہیں | کر دیا کیا تری چٹکی نے مسل کر سلپٹ

تار ہے اسپہ ترے روئے منور کا چراغ | سنکے چوبِ شجرِ طور سے آئی ڈیوٹ

سب رئیسوں سے ریاست ہو تری بالاتر | معتبر جیسے ہو اخبار میں اخبار گزٹ

حسن وہ جائے اگر تاق میں کھنچکر تصویر | جتنی پریاں ہیں وہ لیں تیری بلائیں چٹ پٹ

چین آتا نہیں جبتک کہ عروس دولت | دیکھ لیتی نہیں یہ چہرہ اٹھا کر گھونگھٹ

کیوں نہ مشتاق زمانہ ہو کہ ہے حسن شباب | کیا مزہ دیتا ہے میوے میں جو ہو گدراہٹ

تجھکو ساقی سے مئے صاف ملی روز ازل | آ گئے خسرو و جمشید تو پائی تلچھٹ

تھام رکھیں نہ اگر تیری اعانت کے ستوں | ہو ابھی حسن فلک گر کے زمیں پر چوپٹ

ہیں پیا پھلکنی میں چھپے یہ ترے ارض و سما | سر کی چوٹ انسے نہ رکتی ہے نہ انسے پالٹ

خلق سے کیوں نہ معطر ہو زمانہ کا دماغ | مشک نافے سے سوا اسمیں ہے خوشبو کی لپٹ

علم وہ جسکو دقائق ہیں کتب کے آسان | کوئی مشکل نہیں ایسی کہ وہ جاتی نہیں کٹ

ہے یہاں تذکرۂ معنیٔ تفسیر و حدیث | اہل منطق سے کہو لائے کہاں کا جھنجھٹ

تجھ سے ہمسر ترا دشمن ہو خدا کی قدرت | زاغ بلبل سے مقابل ہو ہما سے کھوسٹ

فیل گردوں کرے دونوں کو مسل کر پامال | سیار سینگی اسے دے لاکے جو گیدڑ ریا کھٹ

کیا تری تیغ کی تعریف میں ہو تیز زبان | خوف ہنگام سخن ہے کہ کہیں جائے نہ کٹ

آبداری میں وہ جوہر نظر آتے ہیں یوں | جسطرح ٹھہر رہے جام میں مے کے تلچھٹ

پر یہ مضمون نہیں خوب یہ تشبیہ ہے ٹھیک | برج آبی میں ستاروں نے کیا ہے جمگھٹ

کھنچ گئی معرکۂ جنگ میں جب میاں سے وہ | رہ گئیں پیاسو نگلی ہوئیں تیغ سمجھ کر پنگھٹ

ایکدم میں صف اعدا کو کیا دو ٹکڑے | سیکڑوں بار چلی پر نہ پڑی یہ کبھی پٹ

حسن تن کے لئے ہو چال قیامت اسکی ایک ٹھوکر میں ہو یہ قلعۂ نہ در چوپٹ
پاٹ کر لاشوں سے میدان کو لیتی ہو دام ملک الموت سے کہتی ہو کہ بول آ کے رپٹ
جسکو تاکے وہ کبھی جان نہ چھوڑے اسکی ہو سپر چشمۂ حیوان تو بھی دور ہو ہٹ
وصف رہوار سبک رو کا کرے کیا کوئی چال دُلدُل کی تو ہو رخش کی صورت جیوٹ
شب مہتاب سے کم سمجھ یہ نہیں اندھیاری بلکہ زیبا ہو اگر کہیے دو دلہن کا گھونگھٹ
دامن شاہد کنعاں ہو ہر اک دامن زین سر یہ کلغی کہ کنہیا کا ہے یہ مور مکٹ
شرق سے غرب میں پھر غرب سے آئے سوئے شرق دم میں سو بار جو راکب اسے پھینکے سرپٹ
دقت رفتار کبھی رہرو خفتہ کی طرح ہو نہ راکب کو خبر راہ سفر جائے کٹ
درق گنجفہ ساں ساتھ پھریں لیل و نہار گشت کے وقت کرے یہ جو الٹ اور پلٹ
ایک ہی ٹاپ میں ہو جائیں دو عالم برہم ملکے چودہ طبق ارض و سما ہوں غٹ پٹ
فیل خرطوم میں لے کر جو زمیں کو پھینکے آندھی آ جائے یہ جائے فلک گرد میں اٹ
دم رفتار اسے خضر بھی دیکھیں تو کہیں دست صرصر سے گیا پردۂ ظلمات سمٹ
زور ساز در ہو کچھ پانوں میں اسکے جوٹے عرش آئے ابھی زنجیر کے ہمراہ گھسٹ
کمر کوہ سے کیوں کر ہو تحمل اس کا پانوں رکھدے یہ اگر گاؤ زمیں لے کروٹ
ہو کشادہ دہن اس کا کہ در باغ ارم دونوں دنداں ہیں کہ موتی کے ہیں گویا دو پٹ
اس جسامت پہ کہ ہو صورت اندیشہ جسیم چشم سوزن سے نکلجائے اگر جائے سمٹ
لیلۃ القدر رکھا اب نام قصیدے کا امیر کہہ یہ خامہ سے کہ مصروف دعا ہو جھٹ پٹ
ملک و دولت کی ترقی ہو الٰہی سر رو ز سجدہ گہ سارے زمانے کی رہے یہ چوکھٹ
حل ہوں ممدوح کے ہاتھ سے مہمات جہاں در دولت پہ رہے اہل غرض کا جمگھٹ

نفس چند جو باقی ہوں مرے زیست کے بھی
انھیں قدموں کے تلے جائیں ترے لطف سے کٹ

قصیدۂ دیگر

فصلِ گل آئی ہوا گلزار جنت بوستاں
بڑھ گئے رضواں سے ہے ان روزوں دماغِ باغباں

ہر طرف گلہائے رنگا رنگ گلشن میں کھلے
جیسے صبحِ عید یکجا ہوں حسینانِ جہاں

خم نہیں شاخیں درختوں کی ہوا سے خاک پر
کر رہے ہیں سجدۂ شکرِ خدائے انس و جاں

قم باذن اللہ کہتی آئی گلشن میں بہار
جی اٹھے جو ہو گئے تھے مردہ دل وقتِ خزاں

جھوم کر آیا ہے ابرِ کوہساری باغ میں
رقص میں ہیں ہر روش طاؤس ہو کر شادماں

لالہ کہتا ہے کہاں موسیٰ ہیں آ کر دیکھ لیں
صاف جلوہ ہے چراغِ طور کا مجھ سے عیاں

جھومنا مستوں کی صورت ہے درختوں کا بجا
نکہتِ گل میں بھی ہے کیفِ شرابِ ارغواں

لالۂ احمر نے یاقوتی کی ڈبیا کی درست
نرگسِ شہلا نے رکھی مے فروشی کی دکاں

داربست تاک میں خوشے نظر آنے لگے
جس طرح جھرمٹ ستاروں کا فرازِ آسماں

سیمِ غنچہ کیوں نہ بے حد ہو زرِ گل بے شمار
رکھتی ہے اکسیر کی بوٹی بہارِ بوستاں

ہر روش پر بیٹھی ہے بزاز بن کر خرمی
جس طرف دیکھو کھلی ہے سبز مخمل کی دکاں

فیضِ شبنم نے دئے اشجار کو آبی لباس
بر میں ہے مردم گیا کے جامۂ آبِ رواں

نو عروسانِ چمن کو ہے جواہر کا جو شوق
نیچے فیروزہ آیا ہے چمن میں آسماں

یوں ہے جنبش میں ہوا سے ہر نہالِ سایہ دار
ہو خراماں جس طرح کوئی حسینِ دلستاں

ہے مبارک فال کوئی ہونے والی ہے خوشی
ہر چراغِ لالہ جوشِ رنگ سے ہے گلفشاں

جان پھولوں میں پڑی زندہ ہوئی خاکِ چمن
ہے دمِ جاں بخشِ عیسیٰ یا نسیمِ بوستاں

قمریوں کا قول ہے ہم ہیں طیورِ باغِ خلد
سرو کہتا ہے کہ میں ہوں طوبیٰ باغِ جناں

صحنِ گلشن میں نزاکت نے جمایا ہے یہ رنگ
مرغِ بو کا آشیاں ہے شاخِ گلبن پہ کہاں

ہے بلندی و درازی اسقدر ہر شاخ میں / ہے محیط مشرق و مغرب بہ رنگ کہکشان
پائے گر سورج بھی کے سایہ میں تھوڑی جگہ / بھول جائے ہر جنبش مثل قطب آسمان
چودھویں کا چاند ہے جو چاندنی کا پھول ہے / چادر مہتاب ہے فرش فضائے بوستان
سیر کو جو آئے اُسکا ناف آہو ہو مشام / گیسوئے مشکین سنبل لپکہ ہے عنبر فشان
دیدۂ بیدار نرگس کا تو کیا مذکور ہے / خواب میں کرتا ہے سبزہ سیر گلزار جنان
ہے تبسم غنچۂ گل کا کہ تیغ آب دار / نوک کی لیتے ہیں کانٹے یا چبھوتے ہیں سنان
جسطرف دیکھو زر گل باغ میں انبار ہے / شکل فوارہ اُگلتی ہے زمیں گنج نہان
غنچہ و سوسن سے کیا ہو شکر احسان بہار / دہ زبان بیدہن ہے یہ دہان بیزبان
اسقدر جوش طراوت ہے عجب کیا ہے اگر / یاسمیں پیدا کریں گر کر زمیں میں استخوان
قطرۂ خون کی عوض نکلیں گل یاقوت و لعل / نشتر فصاد اگر کھولے رگ سنگ گران
ہے عجب فیض ہوا پیکان کے غنچے کھل گئے / تر ہے چوب خشک ناوک بار ور شاخ کمان
مصر کا بازار کہئے باغ کے بازار کو / گل ہے یوسف گرد اسکے بلبلوں کا کاروان
مومن و کافر سے کہدو آئیں سب گلزار میں / عمر کرتے ہیں عبث دیر و حرم میں رائگان
جسکی کرتے ہیں پرستش جسکی کرتے ہیں طلب / اُن مکانوں میں ہے پوشیدہ یہاں ہے سو عیان
آئینہ خانہ ہے گلشن آئینہ ہے برگ برگ / جلوہ گر ہے ہر طرف رنگ بہار بے خزان
گرچہ صحن باغ میں ہر سال آتی ہے بہار / اور آتا ہے نظر رنگ زمین و آسمان
ہے سبب اسکا کہ ان روزوں ہوا مسند نشین / سرو گلزار ریاست صاحب بخت جوان
شمع جود و سخاوت معدن لطف و کرم / ماہ اوج چرخ قدرت مہر اوج کن فکان
انتخاب صنع حق عالی نسب والا حسب / روح جسم انس و جان فخر زمین و آسمان
نام نامی وہ کہ ہے سب کے نگین دل پہ نقش / نامور کلب علی خان بہادر نوجوان
اُسکے وصف پاک کا دل نے ارادہ جب کیا / بے تکلف آگیا مطلع یہ بالائے زبان

مطلع ثانی

شش جہت میں ہو جو یہ خورشید یکتائے جہان ۔ گرد پھر پھر کر فدا ہوتے ہیں ساتوں آسمان

جبذا وہ چشم ہو جس کو قدمبوسی نصیب ۔ حبذا وہ سر جو ہو صرف سجود آستان

اے خوشا وہ سرزمین جائیں جدھر اسکے قدم ۔ اے خوشا کشور پھرے جسکی طرف اسکی عنان

مرحبا اسکو جو صبح و شام ہے اسکا مطیع ۔ آفریں اسکو جو روز و شب ہو اسکا مدح خوان

ہی وہی دل جسمیں ہو اسکی محبت کا مقام ۔ ہو وہی سینہ ہو جسمیں اسکی الفت کا مکان

رستمی میں رشک رستم زور میں افراسیاب ۔ ہمت عالی میں حاتم عدل میں نوشیروان

طفل مکتب ہے ارسطو وہ جہاں دے درس علم ۔ رد برد اسکے فلاطون عامی کج مج زبان

شان دارائی کرے نظارہ دارا سے کہو ۔ شوکت و اقبال کو دیکھے سکندر ہے کہان

فی الحقیقت ختم ہے اس پر رعایا پروری ۔ واقعی ایسا شریفوں کا کہاں ہے قدردان

دستگیری کی ضعیفوں کی قوی بازو ہوئے ۔ حق یہ ہے محنت نہیں جاتی کیسکی رائیگان

شہرۂ بخشش سے خلقت ہے در دولت پہ جمع ۔ جیسے مسجد میں مصلی آتے ہیں سن کر اذان

آئے اسکے سامنے مقصود کو پہنچے وہ پیر ۔ ڈھونڈتے تھے موسم طفلی سے جو بخت جوان

قلب روشن ہے وہ آئینہ کہ جسمیں مثل عکس ۔ صاف آتے ہیں نظر اشکال اسرار نہان

شہر گلشن بتکدہ بتخانہ مسجد خانقاہ ۔ سب ہیں خالی در پہ اسکے جمع ہے سارا جہان

دامن لطف و کرم جبتک نہ تھا اسکا دراز ۔ تھا سفینہ آرزو ے خلق کا بے بادبان

خاک کو اسکی نگاہ مہر کر دیتی ہے زر ۔ جیسے نخل تازہ اعجاز نبی سے استخوان

عہد نصفت عہد میں سرکش نظر آتے نہیں ۔ خوف کے مارے ہے آتش سنگ و آہن میں نہان

جسطرف چاہے اسے پھیرے اسے ہے اختیار ۔ ابلق ایام کی ہے دست قدرت میں عنان

زور بازو نے توانا سے کیا وہ ہو گئی ۔ پہلوانوں سے نہ کھنچ سکتی تھی جو مطلق کمان

ہمت عالی سے ہیں دلہائے عالم مطمئن ۔ ہے عصائے پیر حرز طفل شمشیر جوان

ذکر خط کیا خط پیشانی کو پڑھ لیں کم سواد ۔ پھر کحل چشم لے جائیں جو خاک آستان

کیا ہے شمع روئے روشن کی تجلی میں کلام | جب زمانہ بھی نہ شمع طور کا ہو ہم زبان
بزم عالی روضۂ جنت سے ہرگز کم نہیں | ہے نصیب خلق گلگشت بہار بے خزان
ہو چلے جس چیز کی خواہش ملے اس بزم میں | ڈھونڈھے گر عاشق تو یاں معشوق کا پائے دہان
حکم ہے عالی دماغی کا شبستان میں بھی | نکہت گل بن کے نکلے شمع محفل کا دھوان
ہے رواج شرع ایسا عہد نصفت عہد میں | پوست کھینچا جائے ہے کھینچے اگر پیر مغان
بتکدے تھے جس جگہ اس جا بنی ہیں مسجدیں | جس جگہ ناقوس بجتے تھے وہیں ہے اب اذان
قلزم ہستی سے ایسی رسم ایذا اٹھ گئی | خار ہیں جزو تن ماہی بجائے استخوان
صرف گر اسکے تصدق میں نہ ہو ہنگام صبح | پھر گل خورشید میں ہے کون شاخ زعفران
دیدۂ انصاف سے دیکھو تو باغ دہر میں | ہے بہار اسکی عنایت قہر ہے اسکا خزان
اور اک مطلع سناؤں جسکا مضموں ہے صحیح | کوئی سمجھے یا نہ سمجھے ہے یقیں کیسا گمان

مطلع ثالث

تیری مرضی کے موافق کیوں نہ ہو دور جہان | تابع حکم معلے ہیں زمین و آسمان
آستان تیرا ہے اے عالی مکان آستان | بہر سجدہ جس جگہ جھکتا ہے فرق فرقدان
کاتب قدرت نے تب تیرا خط ہستی لکھا | دے لئے انجم کے نقطے جب لئے امتحان
کلک قدرت نے کوئی کھینچی نہیں ایسی شبیہہ | گوکہ تصویریں ہزاروں ہیں یا مرقع ہے جہان
آنکھیں نرگس سرو قد رخسار گل غنچہ دہن | یہ وہ گلشن ہے کہ خود جس کا خدا ہے باغبان
دیدۂ حق بیں ملے ہیں تجھ کو گوش حق نیوش | دل ہے دریا ظرف عالی طبع صافی نکتہ دان
وصف رخ روشن بیانوں سے بھی ہو سکتا نہیں | شمع کی صورت فقط کہنے کو رکھتے ہیں زبان
دونوں رخساروں کی لکھیں ہم جو کاغذ پر صفت | ایک صفحہ گلستاں ہو دوسرا ہو بوستان
ابرو و مژگاں کے آگے سرکشی کس کی چلے | جھک گئی ہے تیغ پر خم تیرے شکل کمان
دونوں آنکھیں دیکھ لیں جسنے سعادت کی حصول | مشتری و زہرہ کا گویا نظر آیا قران

چاہتا ہے غنچہ توصیفِ دہن پر کیا کہے — نطق ہو سکتا نہیں جب پھول جاتی ہے زبان
کیا قد و رخسار سے تیرے مقابل ہو سکیں — گل گریزاں مثلِ بو ہر سرو ہے سرو روان
ساعدِ سیمیں کو کوئی شمع سے دے کیا مثال — یہ سراپا مغز ہے وہ سراپا استخوان
ہر دمہ کو ہے قدم بوسی کا ایسا اشتیاق — سر جھکاتے ہیں زمیں پر پاؤں پڑتا ہے جہاں
حسن میں تجھ سے سوا وہ ماہِ کنعاں کو نہیں — کھول کر بیٹھے ہیں جو ایمان فروشی کی دکان
تیرے آگے کر سکے کوئی حسین کیونکر کلام — خالِ لب اسکا ہے خجلت کے سبب مہرِ دہان
کیا ہوا گر تو زمیں پر ہے فلک پر آفتاب — وہ سبک پلہ ہے تیری حسن صورت کا گران
کسقدر دریا تری دریا دلی کا ہے وسیع — مثلِ نیلوفر نظر آتا ہے جس میں آسمان
کون عالم میں جمالِ پاک پر عاشق نہیں — مال و زر منعم فدا کرتے ہیں مفلس نقدِ جان
حکم محکم وہ کہ جس سے ملک ہے رونق پذیر — باغ کو آراستہ کرتا ہے جیسے باغبان
رزق تو نے اس قدر سب اہلِ عالم کو دیا — اٹھ گئیں ساری نزاعیں تھیں جو باہم ہر زمان
تھی جو بہرِ رزق خونریزی کسی جا وہ نہیں — آسیا کرتی نہیں اب دہر میں کارِ سنان
ہو گئے منعم جلاتے ہیں وہ اب مجمر میں عود — تھا غنیمت جن غریبوں کو زمستاں میں دھوان
کوئی عالی منزلت تجھ سا زمانے میں نہیں — چرخِ ہفتم ہے ترا ایوان زحل ہے پاسبان
ہے عجب تیری مسیحائی کی مسجد جانفزا — صبح اٹھ کر مرغ بسم اللہ دیتا ہے اذان
خلق پر تو مہربان ہے خلق تیری خیر خواہ — تجھ میں خلق اللہ میں گویا خدا ہے درمیان
جو ترا دشمن ہے کرتا ہے عداوت بے خرد — مثلِ شیطان ہے وہ مردودِ خدائے انس و جان
کچھ نہیں تعزیر کی حاجت کہ والے گیر و دار — پیس ڈالیگی اسے خود آسیائے آسمان
شامتِ اعمال سے جلتا ہے نارِ قہر میں — تیرہ بختی اسکی ہے اس کو جہنم کا دھوان
کون ہے تجھ سا دلاور مردِ میدانِ روزِ جنگ — روحِ رستم مانگتی ہے آج تک جس سے امان
تیغ تیرے ہاتھ میں وہ برقِ آتشبار ہے — جسکا لوہا مانتے ہیں سب شجاعانِ جہان

چشمِ عزرائیل سے جوہر نہیں کچھ اسمیں کم ، ہے طمانچہ موت کا بیتاب یہ تیغِ خونچکان

دشمنوں کے سر گراتی ہے تری شمشیر یوں ، نخل سے جھڑتے ہیں پتے جیسے ہنگامِ خزان

رعشہ ہے مریخ کے تن میں رخِ خورشید زرد ، رنگ دہشت سے بدلتا ہے وہ ترکِ آسمان

حشر برپا جنگ میں جبدم کرے آوازِ تیغ ، صورِ اسرافیل اور آکر ملائے ہاں میں ہاں

کسطرح دم میں سر و گردن کا جھگڑا چک نہ جائے ، جب قدم اس تیغ کا مثلِ حکم ہو درمیان

تیر چھوٹا شست سے جب موت کا آیا پیام ، ہے درِ ملکِ عدم گویا کہ کھنچنے میں کمان

جانِ دشمن خاک نیزے کی سنان سے بچ رہے ، ہے دمِ ہیجا زبانِ اژدرِ آتش فشان

تیزیِ اسپِ سبک رو آئے کیونکر عقل میں ، تنگ ہے ہنگامِ جولان عرصۂ کون و مکان

ہاتھ راکب کا جو ہل جائے یہ ہو صرفِ قدم ، تازیانے سے نہیں کم اسکو تحریکِ عنان

تا ہدف پہنچے کمان سے چھوٹکر جبتک کہ تیر ، طے کرے یہ رخش مسکول شش جہت ہفت آسمان

تا کجا طولِ سخن اب ہے مناسب اختصار ، کس سے ہو سکتا ہے اوصافِ معلّیٰ کا بیان

جب تلک روشن رہیں افلاک پر خورشید و ماہ ، جب تلک گردش کرے روئے زمین پر آسمان

جب تلک ہو سنگ سے پیدائشِ یاقوت و لعل ، جب تلک شاخوں سے غنچے گل ہوں غنچوں سے عیان

مثلِ گل احباب تیرے اس چمن میں سرخرو

روئے دشمن زرد یارب صورتِ بادِ خزان

قصیدۂ مدحیہ مشتمل بر مناظرۂ شانہ و آئینہ

مژدہ اے اہلِ تماشا کہ ہے ہنگامِ نظر ، بزمِ عشرت میں ہوئے جمع حسین رشکِ قمر

صرفِ آرائش زینت ہیں حسینانِ جہان ، بدلے جاتے ہیں لباس اور مرصع زیور

بدھیاں پھولونکی ہیں زیبِ قبائے مہوش ، دست و پا میں ہے حنا سرمہ ہے منظورِ نظر

کرتیاں ہیں شکمِ صاف پر اونچی اونچی ، بند انگیا کے کسے زلفِ رسا تا بہ کمر

اسقدر مست مےِ حسن کہ سر سے سرِ دوش ، آ رہا ڈھل کے دوپٹہ نہیں اتنی بھی خبر

شانہ ہوتا ہے طلب آئینہ آتا ہے حضور — بٹتے ہیں گیسو و رخ کرتے ہیں جوبن پہ نظر
شانۂ و آئینہ ہیں لیکہ مصاحب دونوں — ایک سے ایک نے باندھی ہے رقابت پہ کمر
آئینہ شانے سے کہتا ہے کہ سر چڑھ نہ بہت — منہ کی کھائے نہ کہیں چاک نہ تیرا ہو جگر
دیکھ مجھکو کہ جگہ گو کہ ہے زانو پہ مری — حیرت حسن سے ہے رہے کیطرح ہوں ششدر
مرتبہ جو ہے مرا تجھکو وہ حاصل ہے کہاں — صاف طینت ہوں صفائی کا ہے مجھ میں جوہر
کونسی بزم میں ہوتی نہیں حاجت میری — خانہ بر دوش ہوں پڑ لیں امیرنکے ہے گھر
آبداری کا مرے سامنے دعویٰ جو کرے — رو برو صاحب انصاف کے جھوٹا ہو گہر
یمن ہے اہل جہاں کو مرا نظارہ رخ — دیکھتے ہیں مجھے جب دیکھتے ہیں ماہ صفر
صافی قلب سے پایہ ہے یہ رتبہ میں نے — چاندی سونے کا دیا ہے مجھے اللہ نے گھر
اب نات مجھکو نہیں ہے کسی جہاں سے عزیز — دشمن و دوست کے منہ پہ ہے کشادہ مرا در
نہیں رکھتا ہوں لگی حال بد و نیک میں کچھ — صاف کہدیتا ہوں آتا ہے جو کچھ پیش نظر
مجھ سے بھی عقدۂ نیرنگ جہان کھلتا ہے — جم کو دیتا ہے اگر جام زمانے کی خبر
بزم عالم میں فقط وجہ سے میرے ابتک — نام روشن ہے چراغ لحد اسکندر
مجلس خاص نبی میں تھی رسائی میری — ابتدا سے مرے طالع کا ہے روشن اختر
وہ صفائی مجھے حاصل ہے کہ ہر دل ہو عزیز — جتنے اصحاب تھے رکھتے تھے مجھے پیش نظر
ہاتھ سے دامن دولت نہ کسی دم چھوٹا — اہل دولت ہی کے زانو پہ ہوئی عمر بسر
اہل تنجیم کی آنکھوں میں بھی ہے قدر مری — ہوں کبھی مشتری و زہرہ کبھی شمس و قمر
بولتا ہے مری تائید سے طوطی اس کا — ورنہ طوطی میں کہاں ہے کوئی سرخاب کا پر
خاکساری ہے ان اوصاف پہ مجھ میں ایسی — غازۂ چہرہ نہیں اور بجز خاکستر
ایک تو ہے کہ نہیں تجھ میں ذرا نام کو نور — زحل آسا ترے طالع کا سیہ ہے اختر
پارۂ چوب جگر چاک دنی بے قیمت — چار پیسے کو جسے مول نہ لیں اہل ہنر

بال بیکا ہو حسینوں کا تو توڑیں ترے دانت
دانت دینے لگیں ایذا تو شکستہ بہتر

قاعدہ بزم ادب کا تجھے بھولے جو کوئی
پیش جائے نہ تری ایک کریں زیر و زبر

پنجۂ شل سے نکلتا نہیں ہرگز کوئی کام
خشک ہو شاخ تو اس سے نہیں امید ثمر

بال یوں منھ میں ترے لوٹ کے رہجاتا ہے
جسطرح شانۂ ضحاک میں تھا سانپ کا گھر

کرکری تیزی دندان سے ہوئی اور تری
جس میں دندانے پڑیں تیغ ہے وہ بے جوہر

کشمکش نے تری کانٹوں میں گھسیٹا ہے تجھے
پہلوؤں میں ہیں ترے خار ادھر اور ادھر

سو زبانیں ہیں ترے منھ میں تو حاصل کیا ہے
گنگ کیطرح سے خاموش ہے تو آٹھ پہر

اس لیاقت پہ یہ دعویٰ تجھے کیا مال ہو تو
کہ چڑھے لالہ رخان سمن اندام کے سر

کچھ بھی غیرت ہو تو پانی میں کہیں ڈوب مرے
ایسی ذلت سے تو ہے خاک میں ملنا بہتر

صاف صاف آئینے نے پڑھکے کیا جب یہ کلام
غیر کے عیب سب اظہار کیئے اپنے ہنر

کھپ گیا شانہ ملامت کا نشانہ ہوکر
موے تن راست ہوئے تیر کیصورت یکسر

ہمہ تن ہو کے زبان کہنے لگا یو سر دست
منھ بنا چاہیئے عاقل کو تعلی سے حذر

رتبہ میرا تجھے معلوم نہیں سن مجھ سے
منحصر ہے صفت عقدہ کشائی مجھ پر

ہے حسینوں میں رسائی تری گاہے گاہے
کوچۂ زلف میں میری ہے جگہ آٹھ پہر

واملان خندۂ شادی سے عیاں ہیں مرے دانت
اپنی تقدیر کو روتا ہے تری آنکھ ہے تر

میری ہی شکل سے مقبول دل عالم ہے
پنجہ مرجان کا ہو یا پنجۂ خورشید سحر

کہتے ہیں پنجۂ مژگان کو جو شانہ شاعر
اسکو آنکھوں پہ جگہ دیتے ہیں ارباب نظر

ہے جو لبریز عسل شانۂ زنبور عسل
اس غدودیت کا سبب نام کا میرے ہے اثر

کی ہے تشدید نے پیدا جو شباہت میری
لفظ اللہ میں شامل ہے وہ کر خوب نظر

شانۂ عاج کبھی شانۂ شمشاد کبھی
شانہ میں دیکھتے ہیں فال تو پاتے ہیں ظفر

صاحب ریش نہ جبتک کہ کرے شانہ کشی
ہو نہ حاصل شرف پیروی پیغمبر

اُسمیں بھی لفظ ہی شانے کا زہی عز و شرف ‏— جل شانہ ہی جو توصیف خدائے اکبر

تو نمانے تو نمانے مجھے کیا پروا ہے ‏— عیب بیں جو ہی اُسے کب نظر آتا ہے ہنر

سوچ تو دلمیں ذرا عیب ہیں تجھ میں کتنے ‏— سادۂ و شوخ و دریدہ دہن و بدگوہر

سو جھتا خاک نہیں کور دلی سے تجھکو ‏— سخت جان تیرہ درون اصل ہی تیری پتھر

رو سیہ اور ترا حال ہی غیبت میں کچھ اور ‏— صاف عالم کی دو رنگی کا ہی تجھ میں بھی اثر

چشمۂ آب تو ظاہر میں ہی باطن میں سراب ‏— دھو کے پیاسوں کو دیا کرتا ہی تو شام و سحر

خود نمائی کے سوا تجھ میں نہیں کچھ بھی صفت ‏— سادہ لوحی کے سوا تجھ میں نہیں کوئی ہنر

صاف ایسا ہی سن الامس کہ شب کور ہی تو ‏— شب تیرہ میں تجھے کچھ نہیں آتا ہے نظر

نہ چھپے پر نہ چھپے شکل جو ہو ذہن نشین ‏— نہ مٹے پر نہ مٹے بال پڑے دل میں اگر

قصہ کوتاہ زیادہ ہوئی دونوں میں جو بحث ‏— تھے جوان دونوں کے حامی انہیں پہنچی یہ خبر

آئینے کا تو رخ صاف طرفدار ہوا ‏— باندھ لی زلف نے شانے کی حمایت پہ کمر

لشکر روز تو زیر علم خسرو رخ ‏— فوج شب بادشہ گیسوئے پرچین کی سپر

اک طرف ماہ ہوا ایک طرف پرتو مہر ‏— اک طرف شام ہوئی ایک طرف نور سحر

سپہ سنبل و شبو طرف زلف سیاہ ‏— لشکر لالہ و گل جانب رد لمی انور

پیر گردوں نے کہا طرفہ قیامت آئی ‏— اب کوئی آن میں ہوتا ہی جہاں زیر و زبر

بیچ میں پڑ کے کہا خوب نہیں ہی یہ فساد ‏— صلح اس جنگ سے ہر ایک طرح ہی بہتر

حق میں دونو کے یہ اولی ہی کہ پاس انکے چلو ‏— صاحب حکم جو ہی مہر عدالت گستر

کون وہ کلب علی خان بہادر نامی ‏— منبع جود و سخا زیب دہ علم و ہنر

نقش پا تاج شرف بہر سر چرخ بلند ‏— خاک پا سرمۂ بینائی چشم اختر

فکر کی اسپ معلی میں جو مہمیز دل نے ‏— آگیا مطلع ثانی بھی زبان کے اوپر

مطلع

حکم اس کا جو کرے پیش حفاظت کی سپر
عود آتش میں سلامت رہے پانی میں شکر

جس چمن میں نہ ہوا اسکی حفاظت کی چلے
شاخ ارہ ہو درختوں کیلئے برگ تبر

پرتو مہر سے اس کے ہو زمیں چشمۂ مہر
شعلۂ قہر سے اسکے ہو فلک خاکستر

چرخ کہتے ہیں جسے ہے درِ دولت کی زمیں
عرش کہتے ہیں جسے لوگ وہ ہے کرسی زر

کاہ فربہ اثر لطف سے ہو صورت کوہ
قہر سے کوہ پر کاہ کی صورت لاغر

دست ہمت نے یہ تقسیم کیا مال جہاں
لعل کہسار میں باقی ہے نہ دریا میں گہر

پانوٗں جنگاہ میں رکھتے ہی عدو کی ہو شکست
سرو قد روز وغا ہے علم فتح و ظفر

ایک لشکر ہو مقابل تو نہ وہ منہ موڑے
دل جو سہراب کا رکھتا ہے تو رستم کا جگر

صاحب علم جو ہیں مدرسۂ عالم میں
سب وہ مشتق ہیں فقط ذات معلی مصدر

وہ کرے مہر تو فرمان قضا ہو جاری
دستخط اسکے ہیں طغرائے منشور ظفر

ذرۂ صحرائے عنایت کا ہے ربع مسکون
قطرہ دریائے لطافت کا ہے چرخ اخضر

صاحب تخت جو رکھتا ہے جدائی اس سے
مثل طاؤس جدا سر سے ہے اُسکے افسر

ابھی کرنے لگیں دیندار پرستش اسکی
بت جو سنگ در عالی سے تراشے آذر

بخشش عام کی توصیف ہے دریا دریا
ہمت خاص کا آوازہ ہے کشور کشور

فیض کہتے ہیں اسے جسنے جو مانگا پایا
گل دئے اُسنے زمیں کو تو فلک کو اختر

سیکڑوں وصف ہیں کس کسکا بیاں کوئی کرے
ایک شمہ نہو کاتب جو لکھے سو دفتر

روئے روشن نے جہاں سایۂ عالی ڈالا
جرم خورشید جہانتاب ہوا حلقۂ در

لوگ کہتے ہیں کہ ہے مہر کے پہلو میں ہلال
تیغ ہوتی ہے کسی روز اگر زیب کمر

دست ہمت مرے ممدوح کے ہیں دو چشمے
اسکو کہتے ہیں جو تسنیم تو اُس کو کوثر

واہ جان بخش ہے کیا مجلس عالی کی ہوا
طرف صحن گلستاں ہوا گر اُس کا گذر

گوش گل میں ابھی ہو جائے سماعت پیدا — دیدۂ نرگس شہلا کو ہو یارائے نظر

وہی حق بیں ہے جسے اس رخ روشن کی ہے دید — وہ ہے حافظ ہے جسے مصحف رخ ہے از بر

پھیکدے جو کوئی اس دُرِ دنداں بے مثال — لعل آسا رخ گوہر ہو خوشی سے احمر

سایہ قد میں ہے آرام سے سب خلق خدا — ہے علمدار کے ہمراہ یہ سارا لشکر

اس کی بخشش کی ہوا ہو جو ہوا میں شامل — تابش برق کی جا ابر سے ہو بارش زر

شست سے تیر جو چھوٹے تو ہوں نسرین شکار — سر مریخ جدا ہو جو وہ کھینچے خنجر

اُسکی ہستی سے ہوئی خلق میں پیدائش خلق — کہ چمکتا ہے کہیں رنگ عرض بے جوہر

ملک دانش میں ہو کیا جہل کے یاجوج کا دخل — قوت عقل سے کھینچی ہے سد اسکندر

تیغ ایما سے ہوا بند ہر اک تیغ کا دم — تیر فرماں سے ہوئے قطع ہر اک تیر کے پر

ہو شرر مورد آفت جو جلائے بیبنہ — شمع روشن جو بجھائے ہو مغاک صرصر

حال اجرام یہ ہے روئے منور کے حضور — جیسے ذرات زمیں عاشق مہر انور

بادۂ لطف سے وہ جان دوبارہ پائے — عمر سے کش کا جو لبریز ہوا ہے ساغر

تیغ وہ تیغ کہ کہتے ہیں جسے برق اجل — قتل کفارہ کا جس میں ہے ازل سے جوہر

جنگ میں کرتی ہے یہ تیغ سپر دو ٹکڑے — جس طرح چرخ پہ انگشت پیمبر سے قمر

ہو جو اونچی تو کرے شیر فلک کو چورنگ — ہو جو نیچی تو کرے گاو زمیں دو پیکر

اسطرح جنگ میں سر تن سے گراتی ہے یہ تیغ — نخل سے گرتے ہیں جسطرح کہ آندھی میں ثمر

دو ہی چالوں میں کیا چار عناصر کو مطیع — چار حملوں میں مسخر ہوئے ساتوں کشور

تیز وہ صورت خورشید ہے توسن کہ جسے — باختر سے ہے طریق دو قدم تا خاور

دامن ازیت تہیں اوڑتے ہیں ہوا دم سیر — کسی طائر نے یہ پرواز کو کھولے شہپر

تیز تر ماہی دریا سے میان دریا — گرم رو مرغ ہوا سے بھی ہوا کے اندر

آب نرمی میں تو گرمی میں وہ آتش سے سوا — خاک سے اصل مگر تیز ہوا سے بڑھ کر

گردش دیدۂ راکب اُسے چلنے میں عنان | تازیانہ دمِ رفتار اسے تارِ نظر
بس امیرؔ آگے نہ بڑھ روک عنانِ خامہ | عذرِ تقصیر ہے لازم دمِ اظہارِ ہنر
پانوں اس راہ میں قاصر ہیں سرِ عجز نگوں | مدحِ ممدوح حقیقت میں نہیں حدِ بشر
ہاتھ اٹھا پھر دعا جلد کہ ہے وقتِ دعا | وا فرشتوں نے کیے دیرسے ابوابِ اثر
جب تلک لالہ و گل سے ہو گلستاں کی بہار | جب تلک چرخ پہ ہو جلوۂ خورشید و قمر

نخلِ امید میں یارب گلِ مقصد پھولیں
مہرِ اقبال فروزندہ رہے تا محشر

قصیدہ مشتمل بر تقریظ الطرزِ تازہ وروشِ دلپذیر

ہوا جو شاہدِ مہ آسماں پہ جلوہ فروش | عزیز ہالہ پھر اگرد کھول کر آغوش
سوادِ شب میں نظر آئے اسطرح انجم | اٹے ہوں گرد میں جسطرح طفلِ بازی کوش
وہ چاندنی کہ ہوا قلزمِ ضیا مواج | بسانِ رعشہ اندام رہند سا غر نوش
نہ شورِ مردم بازار تھا نہ بانگِ درا | کہیں کہیں جو رہا بھی تو پاسبانکا خروش
جوان و پیر و صغیر اپنے اپنے بستر پر | برنگ صورتِ دیبا پڑے ہوئے خاموش
گلوے ناطقہ میں مرسلہ سکوت کا طوق | عذارِ سامعہ پنہاں زیرِ پردۂ گوش
نماز پڑھ کے عشاء کی جو میں نے خواب کیا | تو پچھلی رات کو دیکھا کہ کوئی مثلِ سروش
جگا رہا ہے مجھے کہہ رہا ہے مجھ سے یہ بات | شتاب اٹھکے روانہ ہو کھول دیدۂ ہوش
ہوئی ہے آج مرتب وہ بزمِ اہلِ کمال | کہ جسمیں جمع ہیں سب تیز طبع دریا جوش
حکیم و شاعر و نثار و عالم و فاضل | صفیں درست ہیں بیٹھے ہوئے ہیں دوش بدوش
طلب ہے تیری بھی جلدی سے دیکھ سن چلکر | زہے رسائی تقدیر حشم و طالع و گوش
یہ مژدہ سنکے میں خوش خوش اٹھا روانہ ہوا | قبا عمامہ عبا کرکے زینتِ سر و دوش
ہوا جو داخلِ محفل عجب سماں دیکھا | درِ مکان تھا کہ کھولے ہوئے تھی جو آغوش

عجیب فرش عجب روشنی عجب شب ماہ — ہر ایک جھاڑ سے فوارہائے نور کا جوش
بزرگ ایک بعز و وقار صدر نشین — ملک خصال فرشتہ جمال و خرقہ پوش
خدا شناس خدا رس اِدھر اُدھر کچھ لوگ — زبان پہ ذکر خدا دل میں معرفت کا جوش
جو لوگ سامنے بیٹھے تھے سب وہ صاحب علم — وحید عصر فرید زمانہ صاحب ہوش
یہ رنگ دیکھ کے ایسا ہوا میں رعب سے زرد — کہ سمجھے سب کوئی وارد ہے زعفرانی پوش
سلام کرکے ہوا میں شریک صف لیکن — ہوئے حواس سراسیمہ صورت مدہوش
کمال مجھ کو پریشان و مضطرب پاکر — کہا یہ مجھ سے مرے ہمنشین نے گوش بگوش
کہ ہے یہ صدر نشین پیر مرشد عالم — زمین ہے تاج سر آسمان تہ پاپوش
فراخ حوصلہ عبد الرشید مولانا — تمام اہل معارف ہیں جسکے حلقہ بگوش
یہ راست چپ جو ہیں بیٹھے ہوئے ملک صورت — مرید خاص ہیں اسکے شراب عرفان نوش
یہ رو برو جو ہے صف انمیں سب ہیں اہل کمال — لیو دیکھ ذرا ان میں کھول دیدہ ہوش
یہ ہیں ظہوری و طغرا و عرفی و فیضی — یہ ہیں نظامی و جامی جو بیٹھے ہیں مدہوش
یہ شیخ سعدی ہے جس نے کہ چشم روشن کو — کیا ہے نظم گلستان کی بیت میں چشم پوش
منیر و بیدل و آزاد و صائب و شوکت — غنی کلیم سوا ان کے اور بھی ذی ہوش
طلب ہوئے ہیں جو یہ لوگ اسکی وجہ یہ ہے — زر سخن کسی کامل کا ہوگا زیور گوش
مرید ایک ہے اس مقتدا کا خاص الخاص — وہ مست بادۂ عرفان یہ پیر بادہ فروش
مہینہ تاجور شہر مصطفےٰ آباد — مطیع شرع نبی متقی عبادت کوش
جناب کلب علی خان بہادر ذیجاہ — جو اسکے اسکی ہے حق میں تو گوش عذر نیوش
سحاب فیض غبار قدم ہے ہاتھ تو کیا — جو کوس فوج ظفر موج ہے وہ رعد فروش
صدائے ضرب شمشیر وہ کہ سنکے جسے — کھڑے ہوں کان ہزبر دن کے صورت خرگوش
بلند مرتبہ ایسا کہ جس کے مطبخ میں — طبق زمین کا ہے خوان آسمان سرپوش

چمن میں ہر گل تر اُسکے فیض سے خندان — فلک پہ ماہ ہے ہالے سے اسکے حلقہ بگوش

وہ نثر خدمت مرشد میں اس نے بھیجی ہے — کہ نیش اہل حسد کو ہے منصفوں کو ہے نوش

نہیں ہے دیر پڑھی جائیگی کوئی دم میں — بنیں گے کان جواہر زدم سماعت گوش

سنا یہ حال تو تصویر دار بیٹھا میں — لگا کے تکیۂ دیوار مطمئن خاموش

جوان فصیح بیان ایک ناگہاں آیا — لئے ہوئے کئے اجزا ورق ورق گلپوش

ملا جو اذن تو کھولی زبان سحر بیان — پڑھی وہ نثر مقفے کہ سب کے اڑ گئے ہوش

نکل کے طفل مضامین زبان قاری سے — در آئے دیدۂ حساد میں ربع یا پوش

زبان کا قصد کہ جائے فلک پہ شور ثنا — پکارتا تھا یہ سینے میں دل بجوش بجوش

کہا کسی نے خوشی میں کسی سے لانا ہاتھ — جو سر سے سر تو لڑے جھومنے میں دوش سے دوش

اوچھالے دست زبان نے یہ اسکے وصف کے پھول — زمین تو کیا قفس آسمان ہوا گل پوش

اُچھل پڑے گل مضمون تو یہ فرد کسی — اٹھایا یہ لطف کہ جامی بھی گر پڑے مدہوش

کہیں وہ نثر نظامی کے نظم سے بہتر — بیان کے نور نے کی شمع انوری خاموش

بھرے ہوئے تھے ہوا میں جو لوگ تخت بیٹھے — یہ رشک سے ہوئے لاغر کہ گھٹ گیا تن و توش

وہ فربہی نہ رہی سن کے وہ سخن سرسبز — دوا درم کی ہے جیسے گیاہ مرزنجوش

خفا پسند ظہوری خطا مفر طغرا — وحید فرد غلط شوکت انکسار فروش

کہاں جلال جلالا و شان برخوردار — زبان گنگ تھی جو پائے گوش عذر نیوش

قتیل کس میں کہ کھینچے وہ اپنی تیغ زبان — کہ ہے سخن کے قلمرو میں ایک دست فروش

جو نثر ختم ہوئی خوش ہوا وہ صدر نشین — ثناء مدح میں گویا کئے لب خاموش

ہوا خوشی میں جو دریائے مرحمت مواج — شنگائی کشتی خلعت جو تھی جواہر پوش

جو پارچے کوئی پوچھے تو ایک سو اڑتیس — کہیں قبول کے اعداد جنکو صاحب ہوش

زیادہ اس پہ کیا تحفہ دعا سر دست — زیادہ حامل خط کو کہ جائے مثل سروش

جو نثر کا ہی مصنف اُسے کرے تفویض | کہ دولت ابدی پائے وہ نیاز فروش
اُٹھا جو نامہ رسان بزم ہوگئی برخاست | یہ واقعہ ہو امیر اپنے شوق کا سرجوش
خدائے پاک رسولِ کریم کا صدقہ | صحابہ جسکے ہیں روح القدس سے دوش بدوش
جہاں ہمیشہ رہے اُسکی ذات سے روشن | چراغ دولت علیا کبھی نہ ہو خاموش

رہوں رکاب سعادت میں میں بھی فارغ بال
مدام سر بکف دست دعا شیہ بر دوش

قصیدہ مشتمل مضامین تعزیت

سیاہ اشک کی آنکھوں نے کی ہی تیاری | کہو کہ نیزۂ مژگان کرے علمداری
ہجوم غم کا ہوا نیند ہوگئی پامال | وہ آئی آنکھوں میں طالع میں تھی جو بیداری
نگاہ دل میں ہی یوں صورت جہان سیاہ | کسی مریض پہ جس طرح رات ہو بھاری
زمانہ آپ کو شاید حسین سمجھتا ہے | کہ جانتا ہو سبب فخر کا دل آزاری
پڑیں جو داغ کسی دل میں بوستان سمجھے | کہے کہ نہر روان ہو جو اشک ہوں جاری
عدم کو جاتے ہیں ہستی سے قافلے کیا کیا | یہ شاہراہ شب و روز رہتی ہے جاری
ہر اک سوار ہے پا در رکاب عالم میں | سمند عمر میں کتنی ہے تیز رفتاری
جو دن کو مرتے ہیں ہر شام اُنکے ماتم میں | پہن کے آتی ہے شب جامۂ عزاداری
اجل سے روح رہے تن میں کسطرح محفوظ | نہیں ہے خانۂ آہن یہ چار دیواری
بجا ہو گرم کچہری جو ایسی موت کی ہے | کیا ہے منشی تقدیر نے قلم جاری
امید زال جہان سے عبث ہو الفت کی | یہ جانتا جاتی ہے شیوۂ جگرخواری
اٹھا ہو آب دم تیغ مرگ کا طوفان | جو ایک ڈوب چکا دوسرے کی ہی باری
ادھر تو تیر اُدھر تن پہ تیغ پڑتی ہے | کہاں کہاں کی بھلا ہو سکے خبرداری
ادھر مکان بنا اُس طرف مزار کھدا | ادھر لباس اُدھر ہے کفن کی تیاری

سحر ہوئی ہے کھلا ہے سرا کا دروازہ — مسافروں سے کہو کوچ کی ہے تیاری

وہ خوش خرام ہوئے خاک جنکے ماتم میں — زمیں پہ سر کو ٹپکتے ہیں کبک کہساری

وہ برق وش ہوئے آزار کش چاہ عدم — کہ جن کی خاک پہ روتا ہے ابر آزاری

لحد میں اُنپہ پڑا بوجھ سیکڑوں من کا — کسی کی جن سے نہ ہوتی تھی ناز برداری

زمیں نے ایک جہاں دام مکر میں کھینچا — لحد نہیں یہ ہے زنبیل بہر عیاری

کہاں وہ تاج فریدونی تھی جو آرایش — کہاں وہ تخت سلیماں کی تھی جو تیاری

کہاں وہ عشق زلیخا کہاں وہ شاہی مصر — کہاں وہ حضرت یوسف کی گرم بازاری

کہو کہ آئیں نہ اس کے فریب میں عاقل — کہ باغ سبز دکھاتا ہے چرخ زنگاری

یہی حقیقت دنیا ہے تو ہے کیا دنیا — کسی سے کی نہ کرے گی کبھی وفاداری

ہوئی تھی جنکے لئے خلقت زمین و زماں — وہی جہاں سے گئے پیش حضرت باری

مسافر اسمیں روانہ ہیں آنکھ بند کئے — عدم کی راہ میں دیکھو ہے کتنی ہمواری

اگرچہ پڑتے ہیں دنیا میں حادثے دن رات — نشست گور ہے آخر اٹھا کے بیماری

مگر ہوائے خزاں آجکل ہے ایسی گرم — کہ صحن باغ ہوا جامۂ عزاداری

فسردہ ہو گئے دونوں گل ریاض جہاں — بہار عمر کی اک دم میں مٹ گئی ساری

یہ ایک سال میں دو حادثے پڑے ایسے — کہ اشک دیدۂ شمس و قمر ہوئے جاری

جہاں میں کون ہے جسکو ہوا نہ یہ ماتم — ہر ایک دل پہ پڑا زخم تیغ غم کاری

جگر پہ حضرت آقائے نامدار کا تھا — کہا یہ داغ اُٹھا کر جو مرضی باری

جناب کلب علی خان بہادر ذیجاہ — کہ جس سے امن میں ہے خلقت خدا ساری

لکھوں بطرز مخاطب یہاں کوئی مطلع — سنے جو اُس کو تو نیساں کرم سے گہرباری

مطلع

یہ تیرے عہد میں رائج ہوئی سبکباری — کہ بت سے کر نہیں سکتا ہے شیخ دل بھاری

مٹا ہے نام یہ علت کا دور میں تیرے　　سزا ملے جو کہیں ابر کو بھی آزاری
ترا خیال جو مجنون کو دے نہ قوت دل　　نہ ہو سکے کبھی لیلےٰ کی ناز برداری
رواج صدق کو مدت گذر گئی اتنی　　کہ چرخ بھول گیا شیوہ ہائے عیاری
کیا یہ دفع ضرر کو کہ تا نکو چھوئے زخم　　نہ ہو سکا گذر بوئے مشک تاتاری
نگاہ لطف نے قوت یہ دی ہے صحت کو　　چھپی ہے دیدۂ نرگس میں جا کے بیماری
وہ رعب تیرا ہے جو یہ چھایا رہے قیامت تک　　دہان صور سے نکلے صدا بدشواری
وہ عدل ہے کہ کھینچے دار موئے مژگان پہ　　کرے جو نرگس محبوب مردم آزاری
بدن میں بھی یہ اثر ہے حسن نیکی کا　　بکیں گناہ تو توبہ کرے خریداری
عدو نے لذتِ دنیا میں مفت کھوئی حیات　　مگس کو شہد ہوا باعث گرفتاری
جو وقتِ نزع کبھی پانی ترا عدو مانگے　　زبان پہ اس کے ہو پانی کی بوند چنگاری
پہنچ کے دیدۂ دشمن میں درد کہتا ہے　　(ق) یہاں ہے مجھ کو سزاوار مردم آزاری
خوشی یہ اس کو ہے ہولی کے کھیلنے میں فقط　　لہو ہے رنگ تو ناسور چشم پچکاری
جو سرکشوں کی سزائیں یہ ہیں عجب کیا ہے　　کہ سرو بید سے لے عاریت نگونساری
نہیں یہ غار زمین سے ہو کی ہے سرتابی　　پڑے ہیں زخم ترے تیغ قہر کے کاری
رہے شدید یونہیں مجرموں پہ گر تہدید　　یقین ہے چھوڑ دے ابلیس زشت کرداری
کسی دیار میں ہوسکتہ رہ جو حکم ترا　　جگہ سے ہل نہ سکے پھر جو رسم ہو جاری
دہن ہو خانۂ زندان زبان شاعر کو　　سخن جو رنگ کو بگڑے سمجھ کے بیکاری
حباب ڈالیں ابھی پائے موج پر چھالے　　مضر جو اس کی ہو ساحل کو تیز رفتاری
یہ باغ دہر میں پژمردگی ہوئی پامال　　خزاں بہار تک آئی تو بن کے زنہاری
بجا ہے مدح جو عارض کی ہوئی ہر بار　　کہ سات طرح سے قرآں کو پڑھتے ہیں قاری
لکھے صفت کوئی شاعر جو طبع رنگین کی　　تو بیت بیت میں پھر خود بخود ہو گلکاری

ہوائے فیض سے تیرے ہو گلستان گلخن | بنے وہ کرمک شب تاب اڑے جو چنگاری
علو مرتبہ ایسا تجھے خدا نے دیا | کہ فخر ہے شہ تاتار کو کفش برداری
وہ خلق نکہت خوش جس سے عاریت لیکر | صبا نے باغ میں رکھی دکان عطاری
لباس خاص گنہگار کی خطا پوشی | طعام خاص ہے خلق خدا کی غمخواری
پڑے جو عکس تری شان عیب پوشی کا | دکھائے جوہر آئینہ شان ستاری
گہر فشان ہو خلائق پہ بسکہ دست کرم | برس رہا ہے عجب ابر رحمت باری
جو دام عشق میں تیرے ہیں ہو گئے ہیں تمنا | یہ قید حضرت یوسف کی ہو گرفتاری
ہوا ہو بسکہ زمانہ تمام سرکار | عدم میں خانہ نشین ہو گئی ہے بیکاری
نہیں ہو باغ میں ہر شاخ پہ شگوفہ گل | نکل نکل کے ہوئے ہیں یہ جمع درباری
امیر مدحت ممدوح ہو سکے کیوں کر | نہیں ہیں ہوش بجا فکر کی ہے بیماری
ترا یہ حال ہو اب تو کہ آسمان تجھ سے | کرے جو عیش کا وعدہ تو سہو ہو طاری
نگہ عبث ہے دعا کر کہ ہو یہ وقت دعا | اٹھا کے ہاتھ بدرگاہ حضرت باری
رہے یہ دولت و اقبال حشر تک قائم | ہر اک مہم میں پیمبر کریں مددگاری

لیتہ رکا ذکر ہے کیا بلکہ جن مسخر ہوں
مطیع حکم مغلے ہوں خاکی و ناری

قصیدہ در مدح جناب مستطاب معلی القاب آیہ رحمت ولی نعمت دام اقبالہ

عالم خواب میں پہنچا میں عجب باغ میں کل | شجر طور کو جس باغ کی کہئیے کوپل
خواب میں سبزۂ خوابیدہ جو دانکا دیکھے | خواب ہو طالع خوابیدہ کا خواب مخمل
سامنے اس کے کسی اور چمن کا کیا ذکر | گلشن خلد بھی مجھکو نظر آیا جنگل
اک شگوفہ تھا اسی باغ کا باغ عشرت | ایک غنچہ اسی گلزار کا گلنار امل
ساغر عشرت کونین دہیں کے دو پھول | میوۂ مقصد دارین دہیں کے دو پھل

واہ رے نشوِ گل و لالہ اگر عکس پڑے — خونِ لعل آئے رگِ کوہِ بدخشاں سے نکل
سخت حیراں ہوں کہ دیوار کو دوں عکس سے مثال — کہوں آئینہ تو آئینہ میں اتنا نہیں دل
دستِ مژگاں سے سنبھالے تھیں نگہ کو آنکھیں — پھر بھی دیوار پہ جب چڑھتی تھی جاتی تھی پھسل
لالہ آتا تھا نظر یوں پسِ دیوارِ چمن — جس طرح شیشۂ محل میں کوئی روشن مشعل
خطِ گلزار سے ہر گل پہ یہ مصرع تحریر — نقشِ ثانی ہے یہ فردوس ہے نقشِ اوّل
طوبیٰ و سدرہ کی شاخیں پئے تسلیم ہیں خم — عرش تک فرش سے ہے بادِ بہاری کا عمل
ہے یہ تاثیرِ نمو ہاتھ جو مجرم کے کٹیں — صورتِ دستِ چنار آئیں نئے سر سے نکل
قوتِ نامیہ کا تھا یہ تعلّی سے کلام — طارمِ پست ہے اس باغ میں چرخِ اوّل
سبزہ کا کہکشاں غنچۂ پروین کیسا — خوشۂ تاک رگِ تاک سے آیا ہے نکل
اور شاخوں کا تو کیا ذکر یہ ہے فیضِ نمو — نکلے گر بات میں بھی شاخ تو پھوٹے کونپل
خواب میں دیکھے اگر ترکِ فلک یاں کی بہار — شب ہی کو گلشنِ انجم کو کرے مستاصل
کچھ بھی دکھلائے اگر بادِ بہاری نیرنگ — گل ہو گلدان میں انگارے درونِ منقل
ٹکڑے بدلی کے نہ تھے ہند کے ساون کیلئے — بھر کے آیا تھا وہاں چھاگلوں میں گنگا جل
نوجوانانِ چمن دھوپ سے کیا کمھلاتے — چتر کھولے ہوئے پھرتے تھے ہوا پر بادل
ہر روش سبزے پہ داں عکسِ گل و لالہ نہ تھا — سیج تھی پھولوں کی بالائے بساطِ مخمل
مور تھے رقص میں مصروف بہ رنگِ بطِ مے — جھومتے پھرتے تھے مستوں کی طرح سے بادل
سینے تانے ہوئے پھرتے تھے چمن میں طاؤس — اس تمنا میں کہ لگ جائے گلے سے بادل
لڑکھڑاتا تھا جو مستی میں کہیں پائے نسیم — غنچہ کہتا تھا چٹک کر کہ خبردار سنبھل
چمنِ دل میں جو عارف کے چلے واں کی نسیم — گلِ صد برگ بنے غنچۂ اسرارِ ازل
سوئے بتخانہ جو پہنچی تھی ہوائے جاں بخش — کلمۂ توحید کا پڑھنے لگے عزا و ہبل
کیا عجب دانۂ اسپند ہو جل کر پھر سبز — کہ دھواں اٹھتے ہی بنتا ہے ہوا پر بادل

طرفۃ العین میں وہ روشنی آپہنچی قریب — تجلی ہوتی کو بھی لے آتی تو لے آتا بہ پھل
قوت نامیہ کے جوش سے آئینے میں — کیا عجب سبزۂ زنگار سے گل آئے نکل
تخم تخم اُس کا شجر بن کے نیا پھل دیتا — ٹوٹ جاتا جو کہیں گر کے زمیں پہ کوئی پھل
پانی دیتا صفتِ دامنِ تر وقت فشار — تھا یہ تر سایۂ دیوار چمن کا کمبل
گرد گلزار کے ہوتا تھا تصدق خورشید — چاہتا تھا کہ کرے لالے سے دستار بدل
نقش پا تھا صفت جام لبالب مے سے — رنگ پھولوں سے ٹپکتا تھا کہ آیا تھا اُبل
گل نسرین پہ تھا یوں عکس شعاع خورشید — جیسے سونے کو کریں ساغر الماس میں حل
غنچۂ لب کا تو کیا ذکر ہے گل ہے کھلتا — عقدۂ گیسوئے خوباں جو وہاں ہوتا حل
ایک دم بلبل سرمست جو ہوتی تھی خموش — جام منقار سے آتی تھی پے نغمہ ابل
دل سے کلفت کو مٹایا یہ صفائے گل نے — زنگ آئینے کا جس طرح مٹا دے صیقل
آگیا گل کی صفائی کا جو بلبل کو خیال — سر بھی بیٹھے سے نہ نکلا کہ گیا پانوں پھسل
آبدار ایسی تھیں نہریں کہ مقابل ہو اگر — آب میں چشمۂ خورشید کے آجائے خلل
نکہتِ گل سے ہر اک موج جواب رگ گل — پہ تو گل سے حباب لب جو رنگ محل
شہد کی نہر رواں مثل جناں ہوتی تھی — پھول پہ بیٹھ کے اُڑتی تھی جو زنبور عسل
ہو گیا لوٹ میں سامان یہ آیا جو نظر — پانوں کس طرح سنبھلتا کہ گیا دل ہی پھسل
اُڑ گئے ہوش مرے حیرت نظارۂ باغ — آگیا غش مجھے بیہوش گرا سر کے بل
متحیر تھا کہ یارب ہے یہ کیسا گلزار — غنچہ ہے تنگ دہن کس سے معما ہو یہ حل
گوش گل میں ہے ہوائے طرب انگیز بھری — کون سنتا ہے جو پوچھوں میں کہ کیا ہے یہ محل
قمریوں کو نہیں کوکو سے مجال گفتار — بلبلوں کو نہیں نغموں سے کسی شاخ پہ کل
تھا اسی فکر سے دریائے تحیر میں غرق — کہہ رہا تھا کہ زہے صنعت صناع ازل
ناگہاں طرف چمن میں نظر آیا اک نور — آنکھ نے دل سے کہا دیکھ کے اُسکو کہ سنبھل

طرفۃ العین میں وہ روشنی آ پہنچی قریب | کھل گیا دیکھتے ہی اسکو مرے دلکا کنول
دیکھتا کیا ہوں کہ ہے بیچ میں اک حورلقا | کچھ حسین گرد ہیں آگے ہے فروزاں مشعل
گل کھلا فیض طراوت سے ہوا کے تازہ | پھول سوسن کا بنا اٹھتی ہے دود مشعل
حور وہ حور جسے دیکھے تو فردوس سے حور | مضطرب نعرہ زناں خاک بسر آئے نکل
فرق سے تابقدم پیکر انداز و ادا | غمزہ و ناز سے ڈالے دل عاشق کو مسل
گرمی حسن سے رخسار بھبھو کا ایسا | شمع کیطرح جسے دیکھکے دلجائے پگھل
چال وہ چال کہ بھونچال ہو جس سے زلزال | چرخ پر مثل زمیں جس سے پڑے اک ہلچل
ہو زمانہ تہ و بالا جو وہ ہو تند خرام | ہے یقیں جائے زمیں پانو کے نیچے سے نکل
جیسا گلوں کے ہیں دو حکم تھے وقت رفتار | زندے مرجائیں پڑیں مردہ صد سالہ اچھل
چوکڑی آہوئے مشکیں کو ختن میں بھولے | بال کھولے جو چلے یا وہ دکھائے چھل بل
قطرے بہتے تھے پسینے کے رخ گلگوں پر | جوش کھا گرمی حسن آئی ہے چہرے پہ ابل
لب نازک پہ حیائی تھی بلا کی مستی | اور آنکھوں میں لگایا تھا غضب کا کاجل
ہائے رے ناز لچکتی تھی نزاکت سے کمر | کچھ جو کاندھے سے دوپٹے کا ڈھلا تھا آنچل
پتلیوں کا جو اُن آنکھوں کی تماشا دیکھا | دل ناداں مرے پہلو میں گیا اور مچل
تیر پہ تیر پڑے دل پہ نگاہیں جو لڑیں | نیچا پانوں پہ اسکے میں گرا سر کے بل
اور کی عرض کہ اے عشوہ گر و غمزہ فروش | رحم کر رحم بس آگے دل مضطر کو نہ چھل
رخ روشن کی طرح آئینہ تو چمکا کیا | اپنے گیسو کیطرح کر مرے عقدوں کو بھی حل
کون سا باغ ہے یہ کون ہے تو میں ہوں کہاں | تجھ سے وحشت نہیں یہ اور ہے حیرت کا محل
متبسم ہوا پہلے تو وہ سرمایہ ناز | پھر اک انداز سے بولا یہ دکھا کر کس بل
سر اٹھا پانوں سے یہ بے ادبی خوب نہیں | اچھی صورت پہ گیا دیکھتے ہی خوب پھسل
ہوش میں آ یہ نہیں قسم نباتات سے باغ | ہے سراپا جنت صنعت خلاق ازل

انس کچھ آج نیا تجھ کو نہیں ہے مجھ سے | کھا چکا چوٹ مرے حسن کی تو روز ازل
نہ پری ہوں میں نہ انساں ہوں نہ غلماں ہوں نہ حور | پر لطافت میں نزاکت میں ہوں ان سے افضل
باغ نقشہ ہے صفات حسنہ کا اُس کی | حسن فطرت ہے یا جو یوسف سے کہیں ہے اکمل
ہاتھ پھیلائے ہیں نرگس نے جو کاسہ لیکر | اور کاسہ ہے کہ سونا ہے کیا اُس میں حل
ہے یہ نکتہ کہ فقیران جہاں کی صورت | سائل اسکے در دولت پہ ہیں ارباب دول
ہاتھ پھیلائے جو شاخیں زر گل دیتے ہیں | ہے یہ مطلب کہ دہش میں ہے وہ تمثیل بدل
اشرفی کے جو گلوں کا ہے چمن میں انبار | یہ اشارہ ہے کہ دولت میں ہے وہ ضرب مثل
رمز یہ ہے کہ پھلے پھولے ہیں نخل امید | پھول لیکر لائے ہیں اس باغ میں اشجار جو پھل
نظر آتی ہے چہکتی ہوئی طوطی جو تجھے | قطعہ ذوق مستی میں ثناؤں سے جو سنتا ہے غزل
یہ اشارہ ہے کہ ہر عضو بدن حضرت کا | ہے نوا سنج سپاس کرم عز و جل
بار ور آتے ہیں تجھ کو جو نظر یہ اشجار | پہنچے ہیں اپنی مرادوں کو یہ سب نخل امل
جوش رحمت کا ہے اُس بحر کرم کے شمہ | اس گلستاں میں جو برساتا ہے پانی بادل
دیکھتا ہے جو رواں نہر میں پانی شفاف | چشمۂ فیض یہ اُس کا ہے نہیں گنگا جل
پوچھتا ہے جو حقیقت کو مری اے ناداں | طبع نازک ترے آتا کی ہوں اے عبد اجل
میں زلیخا ہوں وہ ہے یوسف کنعاں کمال | گرم ہے آٹھ پہر شاہد مضموں سے بغل
نازنیں ہیں جو مرے گرد ادھر اور اُدھر | یہ قصیدہ وہ مخمس ہے یہ قطعہ وہ غزل
جسکو سب کہتے ہیں واسوخت شرارت ہے مری | مثنوی سمجھے ہیں جسکو ہے مری اک چہل بل
شجر سیب و انار چمن خلد بریں | ہیں مری لذت گفتار کے آگے حنظل
اک ادا میں دل عالم کو میں چھل جاتا ہوں | آہوئے چین و ختن میں یہاں ہے کھلبل
تربیت تیری ہے در پردہ مجھے مد نظر | روز سنتا ہے مرے فیض سے تو تازہ غزل
سیر ہو عالم برزخ کی مبارک تجھ کو | ہوئی تقدیر رسا دن گئے کلفت کے کل

تازہ تر ہونیکا باعث ہے یہ اس گلشن کے / شجرِ عیش کی پھوٹی ہے نئی اک کونپل
خلعتِ خاص پہنچانے کو ترے آقا کے / آج کلکتے سے آئے ہیں گورنر جنرل
ہوئی افزایش ملک اور بڑھے منصب بھی / جشن کا روز ہے غافل نہیں حیرت کا محل
سر اٹھا خواب تغافل سے ذرا ہوش میں آ / وا ہوئے جتنے کہ عقدے تھے ترے لاینحل
تہنیت میں تجھے لازم ہے قصیدہ کہنا / آیا ہیں تیری مدد کے لیئے قصد فیصل
پڑھ کے دربار گہر بار میں اشعار مدیح / صلۂ مدح سے ممدوح کے بھر جیب و بغل
الغرض کان میں میرے جو یہ مژدہ پہنچا / کھل گئی آنکھ ہوئے جمع حواس مختل
مستعد ہو کے لکھا مطلع روشن ایسا / جس سے خورشید کے مطلع میں بھی آجائے خلل

مطلع

عدل کا تیرے زمانے میں یہ بیٹھا ہے عمل / بچہ آہو کا ہے اور شیر نیستاں کی بغل
ناخن کبک بنے سیخ کباب دل باز / صیدگہ میں یہ ترے عدل کا بیٹھا ہے عمل
عام ہے فیض ترے حفظ کا یہ عالم میں / قطعہ امن آباد ہے اب شہر کی صورت جنگل
شب تاریک میں پھرتے ہیں ہرن بے کھٹکے / دیدۂ شیر کے ہے سامنے روشن مشعل
چار سو امن رعایا ہے تری شکر گذار / نام باقی نہیں شکوے کا جہاں تک ہے عمل
مل گئے زخم کے مانند شگاف در کوہ / نہ رہا چاک گریباں کو وہاں بھی مدخل
بھڑک اٹھی دشت میں ہر جادہ فتیلے کیطرح / پرتو افگن ہوا گر تیرے غضب کی مشعل
رخش گردوں کیطرح گاؤ زمیں چل نکلے / منہ سے تیرے کہیں اتنا جو نکلجائے کہ چل
موجۂ حکم کا پائے تری ایما گر سیل / اُلٹے پانوں ہوئے کہسار پھرے سر کے بل
دیر ہے منھ سے نکلنے کی نہیں تو سر قاف / گرد ہے شہپر عنقا کے ہو تیار محل
تیر ہو چلہ نشیں جا کے کماں کے گھر میں / دم بیکار اگر حکم ہو تیرا کہ نہ چل
شکل منقار ہوں دونوں لب سوفار بہم / حرف لا منہ سے ترے جائے جو دو بار نکل

زلف لیلیٰ سے بہے قیس کا دل خوں ہو کر شحنۂ نہی اگر آنکھ دکھائے بہ مثل
گر ترے موکب اقبال و سعادت کا ہو قصد کہ سٹادیجئے کواکب سے نحوست کا خلل
جسطرح لالے کی آنکھوں میں حمرت ہے مشہد یوں ہی مریخ کی آنکھوں میں فلک ہو مقتل
جسطرح داغ ہے آغوش میں لالے کے نہاں ڈر کے مریخ کے سینے سے لپٹ جائے زحل
تیغ سے شق ہو سر جائۂ فولاد کی طرح سایہ افگن ہو تری تیغ جو بالائے جبل
ہے یقیں شاخ سر گاوزمیں پر ٹھہرے کہیں دھوکے میں پڑے میان سے تیر جو اگل
جان غمگین ترے دشمن کے بدن سے نکلے نالہ جیسے دل پر درد سے آتا ہے نکل
پھل نہ پائے ترا حاسد کبھی ٹھلا کے درخت اور بالفرض جو پائے بھی تو تلوار کا پھل
جیسے گر جاتی ہے دستار سر مے کش سے کاسۂ سر سے ترے خصم کے مغز آئے نکل
کشت دل میں جو مخالف کی تری جا نکلے جوہر تیغ ملے مور کو دانے کے بدل
رنگ اڑ کر رخ دشمن سے پر ناوک ہو گر اشارہ ہو ترا ناوک بے پر کو کہ چل
چشم بد دور سر مردمک دیدۂ فتح چشم دشمن میں جسے دیکھ کے آجائے سبل
کیا عجب دائرے کے گرد جو مرکز ہو محیط وسعت خلق کا یہ دور میں تیرے ہے عمل
پانوں میں خار کرے ناخن تدبیر کا کام چاہئے لطف ترا پھر تو ہیں سب عقدے حل
ڈال دے ہاتھ سے تیرے کو سماک رامح تجھ کو پائے جو طرف دار سماک اعزل
گر تری عزم کی توصیف میں شاعر لکھے پر نکالے صفت مور ہر اک حرف غزل
گرد اڑ کر جو سواری کی ترے جاتی ہے زہرہ آنکھوں میں لگاتی ہے سمجھ کر کاجل
زلف جوزا کو ہے جاروب کشی کی خدمت ہے اک آزاد غلام حبشی تیرا زحل
فیض سے تیرے مہندس میں صفت مہر فلک ایک ہی اینٹ سے چاہے تو ہو تعمیر محل
رگ گل بنتا ہے لب تک ترے آتا ہے جو شعر بوئے گل بنکے معانی وہیں آتے ہیں نکل
برق و صرصر سے جو توسن کو ترے دوں تمثیل جتنے عاقل ہیں کہیں ہوش میں اسکے مختل

دور ہے عقل سے تشبیہ سکون و سرعت | سحر و اعجاز کی نسبت سے ہو ایماں میں خلل
سبقت اندیشہ ہو ہر عضو سے عضو آخر | پیچھے رہ جانے کے باعث سے ہوا داغ کفل
وصف میں گرمی رفتار کے شاعر جو لکھے | کر کے موزوں کوئی قطعہ کہ قصیدہ کہ غزل
لفظ کیا نقطے بھی دیوان سے یوں اڑ جائیں | قطرہ دانے اسپند کے مجمر سے گئے جیسے نکل
لا سکے پھول کو آغوش صبا میں دیکھا | نظر آیا ہے رفتار میں وہ داغ کفل
آئینہ نعل ہوا اس کے جو بنے کر تیار | قطرہ اور آنکھ اس سے مقابل ہو تو دیکھے جھلجھل
حشر تک نور نظر عکس کے پیچھے دوڑے | ورنہ ناکام ہی آخر کو گرے ہو کر شل
تیشہ اور رندہ ہیں گھوڑے کے دنداں سینے ہیں جوہر | صفت سم نہ رم دم آگندہ ہیں کھل
فیل یا نسب ہیں سرکار کے ہاتھی بے حد | عظمت و قدر میں ہر ایک سے ہر ایک افضل
ایک ہاتھی مگر ان سب میں جو سب سے بلند | اسکی تعریف کروں تا ہے اسکا یہ تخیل
فیل گردوں بھی جو دیکھے تو جگر جائے دہل | دانت پائے کی جگہ اسکے ہیں یہ خرطوم زحل
اور تشبیہ نئی اک مجھے سوجھی ہے ابھی | مار خرطوم ہے دنداں ہیں درخت صندل
پاے زنجیر ہے ہر چند مگر ہے آزاد | تارے کی طرح سلاسل سے وہ جاتا ہے نکل
عظمت و شان و جلالت کا ہو کیا اسکے بیاں | متشکل ہوئی ہے قدرت خلاق ازل
ہو در قلعۂ گردوں کی کلید اسکی کچک | فیلباں اس پہ کہ سیمرغ ہے بالائے جبل
شیشکی پہ طرفہ ہے رفتار میں یا انھیں شاں | غیر ممکن کہ سر مو نہیں پیاسے کچل
بس امیر آگے نہ بڑھ روک عنان فکرت | ہم نے مانا کہ نہیں پانوں قلم کا ترے شل
پر کہاں ذرہ کہاں پایۂ مدح خورشید | گر زباں بند نہیں ہے یہ تعلی کا محل
شکر کر شکر کہ مداح ہوا تو اُس کا | خلق ذاتی سے چھپا دے گا خطایا و زلل
قدردان سخن و اہل سخن ہے ممدوح | ہاتھ اُٹھا پھر دعا پیش خداوند اجل
اور یہ کر عرض بصد عجز و خلوص و زاری | کہ خدایا بحق آل نبی مرسل

سرخرو رنگ سعادت سے ہے جبتک زہرہ — روسیہ داغ نحوست سے ہے جبتک کہ زحل

حسن کو ناز رہے عشق کو جبتک کہ نیاز — رہے معشوق کا جبتک دلِ عاشق میں محل

جب تلک مہر سے پرنور رہے سارا عالم — جب تلک ماہ کی روشن ہے فلک پہ مشعل

پرتو مہ سے کتاں کا ہے جگر جبتک چاک — گرمیٔ مہر سے تا موم کا دل جائے پگھل

جب تلک شہد کے حصے میں رہے شیرینی — تلخکامی رہے جبتک کہ نصیب حنظل

نیش اور نوش کے باقی رہیں جبتک آثار — لے مزا بیٹھ کے ہر پھول پہ زنبورِ عسل

سرو کے گرد کرے فاختہ جبتک کوکو — گل کے آگے پڑھے تا بلبلِ شوریدہ غزل

جتنی امیدیں ہیں بر آئیں حضرت آقا کی — خلد کی طرح سے شاداب رہے باغ امل

ملک و اقبال کو یارب ہو ترقی گھڑیوں
یہ کیٹھر تو ہے کیا ہند میں ہو جائے عمل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ غم نہیں جو پیش ہے دفتر قصور کا / عنوان نامہ نام ہے رب غفور کا

کیسی نظر حجاب جو مانع ہو نور کا / دریا سے قطرہ قصد کرے کیا عبور کا

ہمت ہے شرط راہ خدا ہے کھلی ہوئی / پہنچا وہ جس نے قصد کیا راہ دور کا

محروم اُس کے خوانِ تجلی سے کون ہو / حصّہ ہر ایک آنکھ نے پایا ہے نور کا

کہتے ہی یا کریم اِدھر سے اُدھر گئے / لطف و غضب میں فاصلہ تھا کتنی دور کا

میں خاک بھی ہوا تو ہوا اسکی خاک در / چھوٹا نہ دست عجز سے دامن غرور کا

وہ صاف دل ہوں مردمک چشم کیطرح / میرے سیاہ خانے میں عالم ہے نور کا

مئے اعتقاد صاف کی اسمیں رہے مدام / مینا سے دل کو سنگ نہ توڑے فتور کا

زاہد لحاظ رکھ کہ نہ گل ہو چراغ زہد / جھونکا نہ آنے پائے ہوائے غرور کا

دیکھیں کہ کیا دکھائے قیامت میں شوق دید / درپیش مرحلہ ہے شہود و ظہور کا

حاضر مرے جنازے پہ ہوں سب ملائکہ / سایہ ہو سر پہ مثل سلیماں طیور کا

کیا ڈر جو قصر عفو مقام بلند ہے / زینہ لگا کے پہنچوں گا عذر قصور کا

دیدار کا تو وعدہ وفا ہوگا حشر کو / ارشاد ہو علاج دل ناصبور کا

عاشق کیا ہے شوق نے تیرے حبیب پر / یارب امیدوار ہوں عفو قصور کا

دیکھا نہیں ہے تجھ کو مگر شوق دید ہے — مشتاق غائبانہ ہوں تیرے حضور کا

مر کر ملی نجات لحد کے فشار سے — صدقہ اکابر و شہدا کے قبور کا

پھیلا کے پانوں چین سے سوؤں مزار میں — تکیہ نصیب سر کو ہو زانوئے حور کا

یارب اکیلے رہنے کی عادت نہیں مجھے — جمگھٹ رہے مزار میں غلمان و حور کا

محشر کے روز ساقی کوثر کا واسطہ — اک جام تشنگی میں شراب طہور کا

الفت امیرؔ آل محمدؐ سے فرض ہے
مشکل ہے بے سفینہ ارادہ عبور کا

نام عاصی داخل فرد شفاعت ہوگیا — خاتمہ بالخیر احمدؐ کی بدولت ہوگیا

مرغ عصیاں اُڑ کے مید باز رحمت ہوگیا — دنگ شاہین ترازوئے عدالت ہوگیا

زرد تھا وقت پرسش پر رہا سبزہ میں — فرش استبرق مجھے صحن قیامت ہوگیا

گرمی خورشید محشر سے ہوئی حاصل نجات — شامیانہ سر پہ میرے ابر رحمت ہوگیا

آل احمدؐ کی محبت کا جو چبھا تھا دل میں خار — بڑھ کے محشر میں کلید باب جنت ہوگیا

جم گیا تھا دل میں جو مشق معاصی سے غبار — سرمہ بہر دیدۂ عین عنایت ہوگیا

واہ ری رحمت جو رکھا پانوں بالائے صراط — دستگیری امن نے کی خوف رخصت ہوگیا

جس علم کے نیچے پائی فیض احمد سے جگہ — میری بیجری پہ انگشت شہادت ہوگیا

دفعتہً صورت بدل کر بن گئی امید یاس — خارزار رنج فرش خواب راحت ہوگیا

راستہ تھا اول منزل جو ناہموار پیش — رفتہ رفتہ نردبان بام رفعت ہوگیا

قصر یاقوت زمرد کی ہوئی آسان خرید — باغ جنت کا قبالہ داغ محنت ہوگیا

تشنگی میں کوثر و تسنیم کے چشموں پہ ہم — اسطرح پہنچے کہ رضواں غرق حیرت ہوگیا

صبح محشر جلد چھٹکارا ملا ہم کو امیرؔ
پھر گیا چمکا کہ تاباں نجم قسمت ہوگیا

نہیں سودا فقط یوسف کو اُسکے چاک داماں کا
گدا ادریس بھی ہے کوچۂ چاک گریباں کا

مزہ عاشق کے دل سے پوچھ حسن شعلہ رویاں کا
تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

یہ تیری تیغ نے روکا ہے ناکا شہر امکاں کا
کہ چھاپا ہے قضا کے ہاتھ پر خون شہیداں کا

دلِ پرداغ پر یہ حسرتوں کا خون ہوتا ہے
لہو بنکر ٹپک جاتا ہے رنگ اپنے گلستاں کا

زبانِ حال سے کہتا ہے خنجر میاں سے کھنچکر
کہ گھر بیٹھے بہلتا ہے کوئی جی مرد میداں کا

مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
تجھی سے پھر گلا اٹھا مرے چاک گریباں کا

تکلف حسن کا ہر موئے خط یار میں پایا
نظر آیا مجھے ہر مور میں جلوہ سلیماں کا

بہار تازۂ دل دیکھ اگر شوقِ تماشا ہے
بہشت اک پھول مرجھایا ہوا ہے اس گلستاں کا

نہوگا بند جبتک نقد جاں باقی ہے قالب میں
سخی کے گھر کا دروازہ ہے چاک اپنے گریباں کا

بہار کہکشان و انجم و افلاک کیا دیکھوں
نہ بیل اچھی نہ بوٹا خوشنما ہے اس گلستاں کا

لکھے یکدست یہ مضموں ترے دستِ حنائی کے
مخمس جو مرے دیوان میں ہے پنجۂ مرجاں کا

نہ گھبرا اے دل وحشی سواد شام فرقت سے
کہ یہ سایہ بھی ہمسایہ ہے اس زلفِ پریشاں کا

خیال عیش کر لینگے فلک نے گو پھنسایا ہے
تصور قید ہو سکتا نہیں ہے اہل زنداں کا

معاف اے شیخ دھوکے میں اڑائیں دھجیاں میں نے
ترے خرقے پہ شک مجھ کو ہوا اپنے گریباں کا

اُچھلتا ہے کلیجا ڈوبتا ہے دل خدا حافظ
سمندر پیرنا ہے جھیلنا شبہائے ہجراں کا

تجھے کیا طول محشر جسے تمنا کو نکی آنکھو نمیں
ازل سے تا ابد پھیلا ہوا ہے روز ہجراں کا

وہاں گور سے آواز یہ کانوں میں آتی ہے
نہیں ہے کام اس گھر میں کسی ناخواندہ مہماں کا

تڑپ کر دم نکلجائے مگر کھلنا نہیں ممکن
تری دل کی گرہ ٹانکا ہے مرے زخم نہاں کا

جگر کو دوں کہ دلکو دوں بتا اے ناوک قاتل
کہ دو پیاسو نمیں ہے یہ ایک قطرہ آب پیکاں کا

امیر آئینگے کیا کیا شمع رو راتوں کو چھپ چھپ کر
نیا انداز ہوگا میرے مدفن پر چراغاں کا

اگر در کار ہے رنگیں تمہیں تکمہ گریباں کا
لگاؤ لعل اسمیں قطرۂ خونِ شہیداں کا

اسیرِ عشق ہو کر زمزمہ سن طائرِ جاں کا
چہکتا ہے قفس میں جا کے بلبل اس گلستاں کا

کنارہ مرکے ہاتھ آیا ہے ہمکو ملک ایماں کا
بڑی مشکل سے دروازہ ملا شہرِ خموشاں کا

تمہارے بانکپن کی شان کچھ اسمیں نکلتی ہے
کھنچے تو دوڑ کر منھ چوم لوں شمشیرِ بُرّاں کا

دھواں اُٹھتا ہے داغِ آتشینِ سینہ سے ایسا
کہ چھپ جاتا ہے بدلی میں ہلال اپنے گریباں کا

خیالِ خط میں اے گل جا نکلتا ہوں جو گلشن میں
لگاتا ہے ہزاروں برچھیاں سبزہ گلستاں کا

نظر آیا وہ چہرہ ہوتے ہوتے رک گئی وحشت
اُٹھائی اُس نے چلمن رہ گیا پردہ گریباں کا

جہاں معشوق ہو عاشق دکھا جاتا ہے رنگ اپنا
شبیہِ طوقِ قمری ہے دھواں سروِ چراغاں کا

یقیں ہے بنتے بنتے ہو لبالب خونِ حسرت سے
اگر کاسہ بنائیں کاسہ گر خونِ شہیداں کا

نہ پوچھو حال دل کا میری آہ بے اثر دیکھو
درختِ بے ثمر ہے یہ اُسی اُجڑے گلستاں کا

دلِ سرگشتہ میرا دیکھ کر یوں وہ پری بولی
یہ دل کا ہے کسکو ہے کوئی بگولہ ہے بیاباں کا

کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
دیا قاصد کو پرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا

زہے شوقِ شہادت امتحاں گاہِ محبت میں
قدم بڑھتے ہی ہاتھوں بڑھ گیا دل گوئے میداں کا

دمِ رقص اُس پری نے دی جو گردش اپنے دامن کو
مری آنکھوں میں عالم پھر گیا تختِ سلیماں کا

تفوق رکھتی ہے سرگشتگی نخوت فروشی پہ
کہیں دامن سے ہوتا ہے مقام اونچا گریباں کا

وہ دیوانے ہیں آنکھ سے ذرا ایما اگر کردیں
نکالے شیر بر آنکھیں غزال اپنے بیاباں کا

چھپے سارا زمانہ آفتابِ حشر کہتا ہے
وہ اک اُترا ہوا چھالا ہے اپنے داغِ ہجراں کا

نئی تقریب پریوں کے بلانے کی ہے دیوانو
کسی صحرا میں عرس اک دن کریں چل کر سلیماں کا

ہوئی ہیں بسکہ آنکھیں لوٹ اسکی جامہ زیبی پر
نگاہیں کھیلتی ہیں گیند اُس گوئے گریباں کا

وہ زخمی ہیں تڑپ کیسی چھڑکتا گر نمک قاتل
دہانِ زخم سے ہم چوم لیتے منھ نمکداں کا

بڑے ناداں ہیں جو لوگ ڈرتے ہیں امیر اس سے
اجل تو نام ہے اک زندگانی کے نگہباں کا

جنوں ہے مجھ کو اک پردہ نشیں کے دور داماں کا — گلا کاٹوں جو پردہ فاش ہو چاک گریباں کا

نظر آتا ہے دل میں رنگ کیا کیا حسنِ خوباں کا — تماشا دیکھتا ہوں ایک غنچے میں گلستاں کا

چھپا ہے عیب عریانی سے رخت جسم عریاں کا — مرا داغ جنوں پیوند ہے میرے گریباں کا

کہیں ضبطِ فغاں سے عشق کے آثار چھپتے ہیں — لب خاموش سے پیدا ہے صدمہ درد پنہاں کا

صدا یہ قلقلِ مینا سے میخانے میں آتی ہے — کہ بخت سبز اک طوطی ہے مستوں کے گلستاں کا

مگر اڑتی ہوئی پریاں پھنسانے کا ارادہ ہے — ہوا پر جال پھیلایا ہے کیوں زلف پریشاں کا

جنوں کے گل کھلاتی یوں صبا کو کیا سلیقہ تھا — چمن میں ہے گل صد برگ نام اپنے گریباں کا

کیا اظہار درد دل تو کھینچا میاں سے خنجر — نیا نسخہ نکالا آپ نے یہ دردِ ہجراں کا

خیالِ طرہ بندھ جائے نہ کیونکر چور کی صورت — طلایہ پھر رہا ہے آنکھ میں خواب پریشاں کا

عدم کو چل دیا خاموش جو عاشق ہوا اسیر — دہان یار دروازہ ہے کیا شہر خموشاں کا

تمہارا پنجۂ رنگیں چڑھا جب سے نگاہوں پر — جما یا رنگ اترا دل سے اپنے پنجہ مرجاں کا

ترا ممنون ہوں اے ضعف پردہ رکھ لیا میرا — چھڑایا تو نے دامن دست وحشت سے گریباں کا

ملایا خاک میں انکو جہاں کی بیوفائی نے — کتابہ خط کوفی میں لکھو گور غریباں کا

تعجب کیا کمال شوق میں لپٹا جو میں اس سے — دیا شمشیر نے دھوکا کسی کے جسم عریاں کا

اسے کہتے ہیں پاس راز الفت دیکھئے قاتل — سیا ہے منھ ترے تار نگہ سے زخم پنہاں کا

زنخداں پر جو انگشت حنائی یار نے رکھی — تو میں سمجھا کہ ہے سیب ذقن پھل شاخ مرجاں کا

مزاج آگے تو دیوانوں سے یوں برہم نہ ہوتا تھا — اثر ہے اسے پری یہ صحبت زلف پریشاں کا

کہاں جائینگے اڑ کر یہ پریزاد میری چالوں سے — مجاور ہیں بتوں کا جا کے درگاہِ سلیماں کا

نصیب دشمناں قاتل کو سکتا ہو گیا شاید — کہ بسمل آئینہ دکھلا رہے ہیں چشم حیراں کا

ہوائے زلف میں اک حور کے سودا یہ چکا ہے — بیاض صبح جنت ہے سواد اپنے بیاباں کا

امیر ایسا شگفتہ ہے ہجوم داغ سے پہلو — کہ ہر ناسور دل رخنہ ہے دیوار گلستاں کا

دکھاتا چاہیئے کچھ بانکپن سودائے مژگاں کا
بہت اب نوک کی لیتا ہے سر کانٹا بیاباں کا

نہ چھوڑا تار باقی دست وحشت نے گریباں کا
دیا ہر چند میں نے واسطہ یوسف کے داماں کا

جواب روضۂ رضواں ہے تختہ کوئے جاناں کا
قضا چھڑکاؤ کرتی پھرتی ہے خون شہیداں کا

ستمگر نے نہیں کنٹھے میں اپنے گوکھوٹا ٹانکا
نکل آیا ہے جوہر صاف شمشیر گریباں کا

بنا کر آئینہ پریوں کو یوں خود بیں نہ کرنا تھا
سکندر کچھ تو تجھ کو پاس لازم تھا سلیماں کا

زمیں ہے ایک مشت خاک صحرائے محبت کی
فلک چھوٹا سا اک میدان ہے اس کے بیاباں کا

تردد کیا ہے تم کو یہ تو دو ٹانکوں میں اچھا ہے
عدو کا زخم دل کیا چاک ہے میرے گریباں کا

دبستان جنوں میں جو سبق تھا درس میں تیرے
وہ اے مجنوں بر آوردہ ورق ہے میرے دیواں کا

نہ بھولے آپ کو بھولے جو دنیا کو تو کیا بھولے
یہ منت ہو اگر پوری تو پھر ہے طاق نسیاں کا

کسی عارض کا آئینہ ہے اپنا دیدۂ حیراں
دل صد چاک شانہ ہے کسی زلف پریشاں کا

در آیا بن کے تجلی دیدۂ خورشید محشر میں
اگر اونچا اڑا ذرہ کوئی اپنے بیاباں کا

لب بام اس پری نے بال کیا چہرے سے سرکائے
اٹھا کر ابر کے پردے کو گویا برق نے جھانکا

ذرا سی چھیڑ میں کیوں چھوٹ بیٹھے ہو تم اچھے ہو
اسی سے چھیڑتا ہے تم کو ہر کانٹا بیاباں کا

گھٹائیں غم کی چھا جاتی ہیں دل پر تیرہ بختوں کے
بلا ہے رخنہ کھلنا آپ کی زلف پریشاں کا

ملا یا دیا جتنا تھا ہاتھ سے اس گل کے ہاتھ اپنا
یہ باعث ہے کہ شل حق نے بنایا پنجہ مرجاں کا

اترتا ہی نہیں غصہ کسی دم چشم و ابرو سے
پہ پریوں پہ کیا تمغا ہے سرکار سلیماں کا

خیال زلف و رخ ہی رات دن آنکھوں میں پھرتا ہے
اجالا صبح وصلت کا اندھیرا شام ہجراں کا

مرے غم میں ہیں سداں آنسو ہیں آنکھوں نے جیفو نکے
کہ ماتم ہو رہا ہے گھر میں پریوں کے سلیماں کا

انا الحق بولتی ہیں قمریاں حق سرہ کیسا
جسے کہتے ہیں دار اک سرو ہے اپنے گلستاں کا

کتاب لوح محفوظ اے امیر اس کا ہے دیباچہ
سواد خامۂ کن خاتمہ ہے اپنے دیواں کا

ہم سے بگڑ کے غیر کا تو یار ہو چکا
ہونا جو تھا وہ اے بت عیار ہو چکا

ترغیب دی شراب کے پینے کی کیوں اُسے
حق تو یہ ہے میں پہلے گنہگار ہو چکا

اٹکھیلی کی چلے نہ چلے چال اب وہ شوخ
فتنہ جو سو رہا تھا وہ بیدار ہو چکا

بالیں پہ میرے کس لئے آیا ہے اے طبیب
تجھ سے علاج درد دل زار ہو چکا

آیا نہ ایک بار عیادت کو وہ مسیح
سو بار میں فریب سے بیمار ہو چکا

زنجیر پا ہے ضعف سے ہر موج بوریا
شاہوں کا مجھ فقیر سے دربار ہو چکا

افسوس آنکھ خواب تغافل سے تب کھلی
جب آفتاب حشر نمودار ہو چکا

اب عفو وہ کریں نہ کریں اختیار ہے
امید عفو میں میں گنہگار ہو چکا

جب آستان یار پہ حاضر ہوئے ہیں ہم
درباں سے یہ سنا ہے کہ دربار ہو چکا

باقی ہزار شوق خط شوق نا تمام
قاصد کمر کو باندھ کے تیار ہو چکا

کافی ہے زلف جال بچھاتا ہے کس لیے
صیاد سے کہو میں گرفتار ہو چکا

دنیا میں کون غم ہے نہیں جس کے بعد عیش
آئی بہار خشک جو گلزار ہو چکا

دل راہ چلتے چھین لیا مجھ سے یار نے
یوسف کا فیصلہ سر بازار ہو چکا

میرا سوال سن کے جو خاموش ہو رہے
میں خوش ہوا کہ وصل کا اقرار ہو چکا

اب لب پہ لائیں کیا ارنی صورت کلیم
محشر کے روز وعدۂ دیدار ہو چکا

باقی ہے کس کو حوصلہ اخفائے عشق کا
رسوا امیرؔ کوچہ و بازار ہو چکا

واعظو حشر کا ہر مرتبہ چرچا کیسا
روز کا تم نے نکالا ہے یہ جھگڑا کیسا

دیکھیں حوریں بھی تو بیہوش ہوں روتے روتے
سیر کیسی تری کشتی کا تماشا کیسا

مے پیو شوق سے خالق ہے رحیم اور کریم
مے کشو خیر ہے اندیشۂ فردا کیسا

آشنا ذکر سے رہتی ہے فقط اپنی زباں
دوستانہ بھی کسی دوست سے ہوا کیسا

جائے آرام نہ دیکھی کبھی اس عالم میں | نہیں معلوم کہ ہے عالم بالا کیسا
نبض دیکھی تو حرارت سے جلے دستِ مسیح | تیرے بیمار محبت کا مداوا کیسا
نام چاہے تو نہاں ہو نظرِ عالم سے | گوشہ گیری سے ہوا شہرہ عنقا کیسا
آبلہ پائی و بے تابی و سرگردانی | اے جنوں گھر میں یہ ساماں ہو تو صحرا کیسا
کبھی دیوانہ الفت نہ تمہارا سمجھا | لوگ سمجھانے کو سمجھا چکے کیسا کیسا
شک نہیں اس میں کہ ہے مصرعِ موزوں قدِ یار | پر کمر بیچ سے غائب ہے یہ سکتا کیسا
جوشِ وحشت ہمیں اس دشت میں لایا کہ جہاں | آہوئے قیس نہیں ناقۂ لیلےٰ کیسا
کہتے ہیں زلفِ مسلسل کی لکھو تو تعریف | دیکھیں اس فن میں ہے تم کو یدِ طولیٰ کیسا
تری تصویرِ خیالی بھی نہ آئی مرے پاس | رہ گیا کھول کے آغوشِ تمنا کیسا

میرے لب تک نہیں آیا ابھی نالہ بھی امیرؔ
زلزلے سے ہے یہ عالم تہ و بالا کیسا

پوچھا نہ جائے گا جو وطن سے نکل گیا | بیکار ہے جو دانت دہن سے نکل گیا
ٹھہریں کبھی کجی میں نہ دم بھر بھی راست رو | آیا کماں میں تیر تو سن سے نکل گیا
خلعت پہنکے آنے کی تھی گھر میں آرزو | یہ حوصلہ بھی گور و کفن سے نکل گیا
پہلو میں میرے دل کو نہ اے درد کر تلاش | مدت ہوئی غریب وطن سے نکل گیا
مرغانِ باغ تم کو مبارک ہو سیرِ گل | کانٹا تھا ایک میں سو چمن سے نکل گیا
کیا رنگ تیری زلف کی بو نے اڑا دیا | کافور ہو کے مشکِ ختن سے نکل گیا
پیاسا ہوں اس قدر کہ مرا دل جو گر پڑا | پانی ابل کے چاہِ ذقن سے نکل گیا
سارا جہان نام کے پیچھے تباہ ہے | انسان کیا عقیق یمن سے نکل گیا
کانٹوں نے بھی نہ دامنِ گلچیں پکڑ لیا | بلبل کو ذبح کر کے چمن سے نکل گیا
کیا شوق تھا جو یاد سگِ یار نے کیا | ہر استخواں تڑپ کے بدن سے نکل گیا

ہے سبزہ رنگ خط بھی بنا اتنا بوسہ دے — بیگانہ تھا جو سبزہ چمن سے نکل گیا

منظورِ عشق کو جو ہوا اوج حسن پہ — قمری کا نالہ سرو چمن سے نکل گیا

مدِ نظر رہی ہمیں ایسی رضائے دوست — کاٹی زبان جو شکوہ دہن سے نکل گیا

طاؤس نے دکھائے جو اپنے بدن کے داغ — روتا ہوا سحاب چمن سے نکل گیا

صحرا میں جب ہوئی مجھے خوش چشموں کی تلاش — کوسوں میں آہوان ختن سے نکل گیا

خنجر کھنچا جو میان سے چمکا میان صاف — جوہر کھلے جو مرد وطن سے نکل گیا

یہ شعر پڑھ کے بزم سے کیا اٹھ گیا امیر
بلبل چہک کے صحنِ چمن سے نکل گیا

وعدہ نہیں ہے حشر کے دن کس سے دید کا — حصہ ابھی سے بانٹ رہے ہیں وہ عید کا

اللہ رے انقلاب جہانِ پلید کا — خونِ حسین غازہ ہے [illegible]

قاتل کے کان تک نہیں پہنچی ابھی فغاں — کیوں تیغ نے گلے کو دیا خط رسید کا

کچھ لے گئے ہیں زاغ و زغن کچھ سگ و ہما — لاش اپنی بعد مرگ ہے توشہ فرید کا

کہدے کوئی حسینوں سے دل بیچتا ہوں میں — آئے جسے ہو ارادہ خرید کا

ہاں اے کلید دار قضا کھول قفل بخت — کچھ اسمیں گھس نہ جائیگا ناخن کلید کا

کشتوں کا کھیت کاٹ کے کہتی ہے تیغ یار — جامہ مجھی پہ قطع ہے قطع و برید کا

کیا جانتا ہے کوئی فقیری کا مرتبہ — دل نام پیر عرش لقب ہے مرید کا

پوچھوں نہ حال خلق رقیب سیاہ رو — بگڑا ہوا خمیر ہے خاک یزید کا

کیا جانے رہروؤں کا ہوا کیا عدم میں حال — ابتک تو ایک نے نہ لکھا خط رسید کا

اے ترک تیرے رعب نے ایسا دبا دیا — اچھلا نہ خون حشر کے دن بھی شہید کا

دوزخ میں ڈالے جائینگے جسدم بت پرست — ناقوس غل مچائے گا ہل من مزید کا

دل میرا اسکے روئے مخطط نے چھین کر — چھوٹا بنا لیا ہے قبالہ خرید کا

اب کی بہار سے مجھے آتی ہے بوئے خوں — آیا ہے لالہ بھیس بدل کر شہید کا

کیونکر کھنچوں نہ میں طرفِ قربِ حق امیر
پھندا مرے گلے میں ہے حبل الورید کا

آئے جسے ہو شوق تجلی کی دید کا — ہے کوہ طور ڈھیر تمہارے شہید کا
آنکھیں ہیں اور لطف ہے اب اسکی دید کا — برسوں جو آفتاب رہا چاند عید کا
دو وہ شب فراق کا نقاش مجھسے لے — نقشہ جو کھینچنا ہو لعینہ یزید کا
مسجد سے سوئے میکدہ اے شیخ یوں نہ کھینچ — بالائے طاق ہو نہ عقیدہ مرید کا
کیسی سزا کہ رعب سے قاتل کے روز حشر — نالہ گلے میں پھنس کے نہ نکلا شہید کا
کھینچا نہ ہاتھ قتل سے قاتل نے شام تک — تکبیر کہتے کہتے کٹا روز عید کا
آنے تو دو بہار یہ دونوں ہیں رہن مے — خرقہ نہ پیر کا ہے نہ جبہ مرید کا
حیرت نے کر دیا ہمیں تصویر پیش یار — اٹھا ذرا نہ ذائقہ گفت و شنید کا
وہ یاد ابن ساقی کوثر میں ہیں یوں — شامی کباب بن کے جگر ہو یزید کا
پیری میں مجھ سے خنجر قاتل گلے ملا — دیکھا ہے چاند تیسری تاریخ عید کا
عکسی شبیہیں کھینچے رخسار یار کی — یہ بھی تو چھاپنا ہے کلام مجید کا
ہم منتظر کہ لائے وہاں سے جواب خط — بھیجا ہے نامہ بر نے خط اپنی رسید کا
اس غمکدے میں کٹ گئی یوں اپنی زندگی — قیدی پہ جیسے روز گذر جائے عید کا
پوچھو نہ کچھ مرے دل زخمی کا مجھسے حال — الشا قتیل کی ہے یہ دیوان شہید کا

کس دن نہیں ہیں چار گدا چار میہماں
رزق اپنا اے امیر ہے توشہ فرید کا

مجھکو محب سمجھ کے حسین شہید کا — کرتا ہے ننگ قافیہ تک بھی یزید کا
یہ شوق ہے جو خلق کو قاتل کی دید کا — جائے شہاب خون بکے گا شہید کا

ہوتے ہیں تر پسینے سے آغوش میں حسیں / پھولوں سے مجھکو ڈھب ہے عرق کی کشید کا

اتراتے ہیں جو لوگ پہن کر لباس نو / ہنستا ہے چاک پیرہن صبح عید کا

بت نیکے وقت نزع نہ بالیں پہ میرے بیٹھ / ہوتا ہے آج خاتمہ گفت و شنید کا

ثابت ہوا عدم کو مسافر پہونچ گیا / تعویذ قبر پر نہیں خط ہے رسید کا

کرتا ہے مثل چرخ زمانہ بھی پائمال / مسلک جو پیر کا وہ چلن ہے مرید کا

گردن تو کیا نہیں مرے اعضا کو خوف تیغ / ہل ایک ایک رگ کو ہے حبل الورید کا

کھولینگے لات مار کے ہم میکدے کا در / پاپوش اپنی کام کرے گی کلید کا

کیسا جواب خط کہ ہوا نامہ بر کا خوں / کاغذ پکارتا ہے یہ خط کی رسید کا

نازک ہے دل میں وعظ کی مجلس میں جاؤں کیا / دُرّہ ہے مجھکو ذکر عذاب شدید کا

پیر مغاں نے مجھ کو سنبھالا تو کیا ہوا / ہر پیر دستگیر ہے اپنے مرید کا

باطن میں غم ہے عشرت دنیائے ظاہری / پہنے ہوئے لباس محرم ہے عید کا

مہندی کی ٹٹیاں نہیں پر میرے باغباں / کیوں ان پہ ہاتھ صاف ہو قطع و برید کا

قانع سے ہوں تو صاحب عزت ترنج کیا / دعوت خلیل کی ہو کہ توشہ فرید کا

اٹھ اٹھ کے بیٹھنے سے ہوئے کشتہ ہم امیر
خنجر پھرا گلے پہ ملاقات عید کا

ہے دلکو شوق اس بت قاتل کی دید کا / ہولی کا رنگ جس کو لہو ہے شہید کا

مژدہ ہو میکشو کہ ہوا چاند عید کا / محتاج قفل میکدہ تھا اس کلید کا

یارب رہے وہ چاہ ذقن خط کے حفظ میں / گھیرے نہ اس فرات کو لشکر یزید کا

جی چاہے جس حسیں کا وہ لے ہم سے جنس دل / سرمایہ کریم ہے توشہ فرید کا

دنیا پرست کیا رہ عقبیٰ کریں گے طے / نکلے گا خاک گھر سے قدم زن مرید کا

وہ مست ہوں کہ میں نے شب قدر کی دعا / روزے تمام ہوں کہیں دن آئے عید کا

کس گلبدن نے ہاتھ سے سہرا لگا دیا — پھولوں کی سیج ہے جو جنازہ شہید کا
ہونے نہ پائے غیر بغل گیر یار سے — اللہ یوں ہی روز گذر جائے عید کا
اپنی کہیں کہ اُسکی سنیں وقت نزع ہم — دردا کہ وقت تنگ ہے گفت و شنید کا
سارا حساب ختم ہوا حشر ہو چکا — پوچھا گیا نہ حال تمہارے شہید کا
بک بک کے روز کھاتے ہیں واعظ مرا دماغ — سمجھے ہیں شاید اسکو بھی توشہ فرید کا
لوٹے گی لذتِ لب شیریں مری زباں — قفل دہن پہ اُسکے ہے دانت اس کلید کا
شیطاں کبھی رقیب سے ہوتا نہیں جدا — اُلٹی ہے بات پیر ہے پیرو مرید کا
ضائع نہ جائے دل پہ جو کھایا ہے داغ غم — یارب چراغ ہو کسی قبر شہید کا

جا کر سفر میں بھول گئے ہم کو وہ امیر
ہاں اور دوستوں نے لکھا خط رسید کا

اللہ رے مکر صاحب بخل شدید کا — گاڑے تو زر مزار بنائے شہید کا
گردن کو تیغ سے نہیں رشتہ بعید کا — ڈورا جو باڑھ کا ہے وہ حبل الورید کا
اُس کوچے کے گدائے تہی دست ہیں جو ہم — رضواں سے ہے ارادہ جناں کی خرید کا
کرتی ہیں دل کو خون اُن آنکھوں کی پتلیاں — ان مغبچوں کو ذوق ہے مے کی کشید کا
ہو اُس سے بوسۂ لب شیریں کی کیا امید — شربت پہ فاتحہ بھی نہ دے جو شہید کا
خط عذار یار کا کیا وصف کیجئے — نوروز کا یہ زائچہ خطبہ ہے عید کا
باتیں مری سنیں تو یہ منہ پھیر کر کہا — تار اس کمند میں نہیں دل کی کشید کا
صیاد کو وہ کشتۂ الفت کہاں نہیں — ہر لالہ ہے چراغ مزار شہید کا
لیتی ہے بوسے عارض محبوب کے وہ زلف — کافر کو بھی ادب ہے کلام مجید کا
حجام میرے دل کا دکھا دے جو آئینہ — اُنسے زیادہ دوں اُنھیں انعام عید کا
کندن سا رنگ یار دکھائے جو رخ ہو زرد — زر سے ارادہ چاہیئے زر کی کشید کا

کتنا ہے سخت قلب رقیب سیاہ رو
نطفہ یہ شمر کا ہے کہ بچہ یزید کا

مقتل سے کم نہیں ہے قلمداں مرا امیر
ہر کلک ہے گلوئے بریدہ شہید کا

خط عارض نے دل اہل رقم توڑ دیا
بیت ابرو نے ہلالی کا قلم توڑ دیا

اس کڑی کا تحمل تھا کہاں شیشۂ دل
وہ کہی بات کہ دل تو نے صنم توڑ دیا

اہل محشر پہ ہے احساں ترے دیوانے کا
سر کو ٹکرا کے در باغ ارم توڑ دیا

باندھتے غیر کو جو ٹوٹا ترا ہم دیکھ سکیں
رشتۂ الفت کا ترے سر کی قسم توڑ دیا

دل نے اک آہ میں تابود کیا انجم کو
سب چھچھا کھینچ کے شمشیر دو دم توڑ دیا

حکم ہے یہ کہ نہ آئے کوئی دروازے پر
آسرا تو نے غریبوں کا صنم توڑ دیا

صفحۂ دہر پہ صورت گر قدرت نے امیر
اس کی تصویر وہ کھینچی کہ قلم توڑ دیا

ہمسر زلف قد حور شمائل ٹھہرا
لام کا خوب الف مد مقابل ٹھہرا

دیدۂ تر سے جو دامن میں گرا دل ٹھہرا
بہتے بہتے یہ سفینہ لب ساحل ٹھہرا

کی نظر ردئے کتابی پہ تو کچھ دل ٹھہرا
مکتب شوق بھی قرآن کی منزل ٹھہرا

نکہت گل سے پریشان ہوا اسکا دماغ
خندۂ گل نہ ہوا شور عنادل ٹھہرا

نجد سے قیس جو آیا مرے زنداں کیطرف
دیر تک گوش بر آواز سلاسل ٹھہرا

حسن جس طفل کا چمکا وہ ہوا باعث قتل
جس نے تلوار سنبھالی مرا قاتل ٹھہرا

خط جو نکلا رخ جاناں پہ ملا بوسۂ خال
یہی دانہ فقط اس کشت کا حاصل ٹھہرا

علم اک نقطہ جو مشہور تھا اے جوش جنوں
غور سے کی جو نظر نقطۂ باطل ٹھہرا

دور جبتک تھے تڑپتا تھا میں کیا کیا
پاس آکر جو وہ ٹھہرے تو مرا دل ٹھہرا

کثرت داغ سے گلدستہ بنا دل تو کیا
زینت باغ نہ آرائش محفل ٹھہرا

دوڑ تا قیس بھی آتا ہو نہایت ہی قریب — اک ذرا ناقے کو اے صاحب محمل ٹھہرا
دم جو بیتاب تھا مدت سے مرے سینے میں — تیغ قاتل کے تلے کچھ دم بسمل ٹھہرا
ہم بڑی دور سے آئے ہیں تمہارا ہو یہ حال — گھر سے دروازے تک آنا کئی منزل ٹھہرا

ابتک آتی ہے صدا تربت لیلیٰ سے امیر
سارباں اب تو خدا کے لیئے محمل ٹھہرا

بیگانہ ہو کے سارے جہاں سے جدا ہوا — اے عالم آشنا جو ترا آشنا ہوا
سمجھے کفن نصیب جو بعد فنا ہوا — سرکار عشق سے ہمیں خلعت عطا ہوا
دریائے معرفت سے جو دل آشنا ہوا — ترک خودی سفینۂ اہل فنا ہوا
بخت سیہ نہ ضعف میں ہم سے جدا ہوا — قد خمیدہ حلقۂ زلف دوتا ہوا
میں مٹ گیا تو وہ بھی مرے ساتھ مٹ گیا — سایے سے خوب حق رفاقت ادا ہوا
پچھتا رہے ہیں خون مرا کر کے کیوں حضور — اب اس پہ خاک ڈالیئے جو کچھ ہوا ہوا
چالاکیاں تو دیکھو مجھے قتل کر کے خود — اوروں سے پوچھتے ہیں یہ کیا ماجرا ہوا
زائل ہوئی نہ بھیس بدلنے سے بوئے عشق — تصویر میں بھی رنگ ہو تو رخ سے اڑا ہوا
ہو دل کا سرد مہری معشوق سے یہ حال — جیسے درخت برف سے کوئی جلا ہوا
مرنے کے بعد کیسے پریشاں ہیں اعضو تن — گویا کیا ورق کتاب سے اپنے جدا ہوا
یاد کمر میں بھول گئی دل کو طرز آہ — کاسے میں اپنے بال پڑا بے صدا ہوا
جب سامنا ہوا دل عشاق کھنچ گئے — گیسو کا حلقہ بھی دہن اژدہا ہوا
یہ ضعف سے ساں ہوں کہ نقش قدم مرا — پڑتا تو ہے زمیں پہ لیکن مٹا ہوا
آئینہ اس کو کس نے دکھایا غضب کیا — جلاد خلق ایک تو تھا دوسرا ہوا
بوسہ طلب کیا تو یہ کہنے لگا وہ بت — قدرت خدا کی تم کو بھی یہ حوصلہ ہوا
خالی قدح دکھائے مجھے کیوں نہ دور سے — ساقی کا دل ہو میری طرف سے بھرا ہوا

شاید خط اُس ہتھیلی کے حلقے تھے جال کے ‏ ‏ آتے ہی قید طائرِ رنگِ حنا ہوا

ڈھونڈھا نہ کب بہانہ مرے دل نے بہرِ رنج ‏ ‏ ماتم کیا اگر کوئی روزہ قضا ہوا

چاہِ ذقن کو چاہ یہ مصر کیا کہوں ‏ ‏ مضمون ہے یہ میری نظر سے گرا ہوا

ایسا نہ ہو کہ کوئی تجھے چھپ کے دیکھ لے ‏ ‏ آئینہ دیکھ چار طرف دیکھتا ہوا

قاتل ستم ہے رشتۂ اُلفت کا توڑنا ‏ ‏ یوں قتل کر کہ کچھ رہے تسمہ لگا ہوا

کشتے کی اپنے تجھ کو ہو اے ترک کچھ خبر ‏ ‏ آتا ہے ساتھ ساتھ ترے لوٹتا ہوا

آنکھوں پہ پھر ہے جلوۂ معشوق سامنے ‏ ‏ ہے مدتوں سے بیچ کا پردہ اٹھا ہوا

انساں کی مرگ و زیست نہیں ہے کسی کے ہاتھ ‏ ‏ آئے تو کیا جو آپ نہ آئے تو کیا ہوا

نامہ دیا تو اُس گلِ گلزارِ حسن تک ‏ ‏ دم میں پہنچ گیا مرا قاصد ہوا ہوا

حور آگئی نظر کہ پری کوئی دیکھ لی
سودا سا ہے امیرؔ کو کیا جانے کیا ہوا

فراقِ یار نے بے چین مجھ کو رات بھر رکھا ‏ ‏ کبھی تکیہ اِدھر رکھا کبھی تکیہ اُدھر رکھا

شکستِ دل کا باقی ہم نے غربت میں اثر رکھا ‏ ‏ لکھا اہلِ وطن کو خط تو اک گوشہ کتر رکھا

برابر آئینے کے بھی نہ سمجھے قدر وہ دل کی ‏ ‏ اسے زیرِ قدم رکھا اُسے پیشِ نظر رکھا

مٹائے دیدہ و دل دونوں میرے اشکِ خونیں نے ‏ ‏ عجب یہ طفلِ ابتر تھا نہ گھر رکھا نہ در رکھا

تمہارے سنگِ در کا ایک ٹکڑا بھی جو ہاتھ آیا ‏ ‏ عزیز ایسا کیا مر کر اسے چھاتی پہ دھر رکھا

جناں میں ساتھ اپنے کیوں نہ لیجاؤنگا ناصح کو ‏ ‏ سلوک ایسا ہی میرے ساتھ ہے حضرت نے کر رکھا

نہ کی کسنے سفارش میری وقتِ قتل قاتل سے ‏ ‏ کماں نے ہاتھ جوڑے تیغ نے قدموں پہ سر رکھا

غضب بے سے وہ میرے آتے ہی معلوم ہوتا ہے ‏ ‏ جگہ خالی جو پائی یار کو غیروں نے بھر رکھا

بڑا احساں ہے میرے سر پہ اُسکی لغزشِ پا کا ‏ ‏ کہ اُس نے بے تحاشا ہاتھ میرے دوش پر رکھا

زمیں میں دانۂ گندم صدف میں ہم ہوئے گوہر ‏ ‏ ہمارے عجز نے ہر معرکہ میں ہم کو ور رکھا

ترے ہر نقش پا کو رہگذر میں سجدہ گہ سمجھے جہاں تو نے قدم رکھا وہاں ہم نے بھی سر رکھا

امیرؔ اچھا شگون مے لیا ساقی کی فرقت میں
جو برسا ابر رحمت جائے مے شیشوں میں بھر رکھا

جلانا چاہتی ہے جب کسی سرسبز گلشن کا تو بجلی طوف کرجاتی ہے پہلے میرے خرمن کا

وہ ہوں جانباز مقتل پر گماں ہے مجھکو گلشن کا ترانہ بلبلوں کا جانتا ہوں بولنا رن کا

ترا خنجر گلے پر غیر کے کیونکر نہ رک جائے کہ یہ غمزہ تو اے سفاک حق ہے میری گردن کا

نہ پوچھو دیکھنے کا حال ہمنے کچھ نہیں دیکھا کیا نرگس کی آنکھوں سے تماشا سارے گلشن کا

بہار آئی ہے اے دست جنوں یا عید آئی ہے گریباں سے گلے ملنے چلا ہے چاک دامن کا

بصیرت ہو تو انساں رمز سمجھے چشم و مژگاں کی لئے ہیں پتلیاں آنکھوں پہ پردہ تیری چلمن کا

کبھی کعبے کبھی بتخانے میں دیکھا جو تھا مجھکو ہوا مجمع مرے تابوت پر شیخ و برہمن کا

میں اک پردہ نشین صاحب عصمت کا زخمی ہوں مرے زخموں میں لازم صوف ہے یوسف کے دامن کا

دھڑی مستی کی ہونٹھوں پر جمی ہے خیر ہو یارب کرینگے سیر گلشن رنگ اڑیگا آج سوسن کا

تہ شمشیر قاتل کی طرف حسرت سے تکتا ہوں وہ بسمل ہوں خبر سر کی نہ مجھکو ہوش گردن کا

بلوں کفار میں جاکر شکست کفر کی خاطر بتوں کو توڑنا ہے بھیس بدلوں میں برہمن کا

تردد کیوں ہے یاروں کو کہاں گاڑیں کہاں تو ہیں جہاں وہ پانوں رکھدیں ہے ٹھکانا میرے مدفن کا

نہ گل ہنستے نہ غنچے مسکراتے دو نوں رو دیتے تمہیں کو بلبلو آتا نہیں انداز شیون کا

لب جاں بخش پر مسی نہیں اسنے جمائی ہے ہوا ہے چشمۂ حیواں میں پیدا پھول سوسن کا

ہلال و بدر دونوں میں امیرؔ اسکی تجلّی ہے
یہ خاکہ ہے جوانی کا وہ نقشہ ہے لڑکپن کا

کھڑا ہوتا ہوں رستہ روک کر اس شوخ پرفن کا وہ رہرو ہوں کہ آنکا باندھتا ہوں جاکے رہزن کا

خیال آیا جو ساقی اس صراحی دار گردن پر پڑا پھندا گلے میں گر گئی مے ڈھل گیا منکا

موئے پر شرم عصیاں حرز بازو ہو گئی مجھ کو — سمٹ کر گنبد مدفن ہوا تعویذ مدفن کا

قدم یاں پھونک کر رکھتی ہے بجلی بھی جو آتی ہے — ہنسی سمجھا ہے گلچیں پھونکنا میرے نشیمن کا

اٹھاؤں سختیاں لاکھوں کڑی بات اٹھ نہیں سکتی — میں دل رکھتا ہوں شیشے کا جگر رکھتا ہوں آہن کا

وہ مشتاق شہادت ہوں کہ جلاد اگر کرتا — لگاتا تازیانہ بڑھ کے تسمہ میری گردن کا

تصور سے سمن رویوں کے یہ خالی نہیں رہتا — ہمارا دل ہے یا کمرہ ہے کوئی کنج گلشن کا

مسی مالیدہ لب سے کی ہے کلی جس جگہ اُس نے — قیامت تک اُگیگا اُس زمیں سے پھول سوسن کا

وہ محو درد الفت ہوں کہ مجھکو سیر گلشن میں — چٹکنے میں ہے غنچوں کے مزے بلبل کے شیون کا

کرم فرما جو ہو ابر کرم میری زراعت پر — بنے برق تجلی دانہ دانہ میرے خرمن کا

یہ کس گریاں کا ساقی میکدے میں دور آخر ہے — کہ غل ہے میکشوں میں خاتمہ ہے آج ساون کا

پھلے پھولے چمن میں دفن کرنا چاہیے مجھکو — کہ ہوں مارا ہوا اک نوجواں گلرو کے جوبن کا

امیر آیا نظر جب چودھویں کا چاند سمجھے ہم
کسی نقاش نے کھینچا ہے نقشہ اسکے جوبن کا

سیر اگر میرے یہ خانے کی موسیٰ کرتا — جل کے خاموش چراغ ید بیضا کرتا

آبرو گرد یتیمی میں جو پیدا کرتا — گوہر اشک کو میں آنکھ کا تارا کرتا

ہاتھ رکھنے میں اٹھا زخم گلو پر دم حشر — مجھے ہوتا کہ میں جلاد کو رسوا کرتا

تو وہ بت ہے تری نخوت سے جو ہوتا آگاہ — کبھی فرعون خدائی کا نہ دعویٰ کرتا

جب تلک گنبد دوار کا ہوتا اک دور — گردشیں لاکھ ترا بادیہ پیما کرتا

نور آنکھوں میں نہیں نام کو نرگس کی طرح — خاک اس گلشن ہستی کا تماشا کرتا

خط پشت لب جاں بخش نہیں جائے عجب — خضر سے کیوں نہ ملاقات مسیحا کرتا

اے اجل دن ترے آنیکا جو ہوتا معلوم — کچھ میں سامان تری دعوت کا مہیا کرتا

غم اٹھانے کو بہت تھے ترے بندے یارب — کیا کمی تھی اگر اک مجھ کو نہ پیدا کرتا

وہ جو امید براری پہ امیرؔ آجاتے
پہلے میں ترک تمنا کی تمنا کرتا

غبار اُس کے لب بام تک بلند ہوا
ہوائے تند کا جھونکا مجھے کمند ہوا

جہاں کسی کا دکھا دل میں درد مند ہوا
جلا میں آگ میں نالہ اگر سپند ہوا

کھلا ہے باب اجابت دعا تو کر غافل
در کریم سنا ہے کبھی کہ بند ہوا

بزنگ اشک ندامت گرا جو آنکھ سے میں
خدا کے سامنے رتبہ مرا بلند ہوا

گلا وہ ہے جو تری تیغ کا ہوا مقبول
جگر وہ ہے جو ترے تیر کو پسند ہوا

کیا و فور معاصی نے حوصلے کو یہ پست
کبھی نہ شرم سے دست دعا بلند ہوا

یہ دل مرا ہے کہ جس میں خیال یار ہے نقش
کبھی سنا ہے کہ عکس آئینے میں بند ہوا

کیا قبول نہ گل نے مرے گریباں کو
کبھی نہ خار کو دامن مرا پسند ہوا

تمہاری آنکھ کی دوری نے دل مرا کھینچا
نہال تاک کا ریشہ اسے کمند ہوا

چھڑک کے آئی وہ زلف سیاہ پر افشاں
شب وصال ستارہ مرا بلند ہوا

نہ پوچھ الفت خال سیاہ کا باعث
پسند اپنی ہے مجھ کو یہی پسند ہوا

کوئی حسیں نظر آیا بنا میں عاشق زار
جو گرم ناز ہوا میں نیاز مند ہوا

مزہ ملا سگ جاناں کو استخواں کھا کر
ہزار شکر کہ ہدیہ مرا پسند ہوا

بزنگ شمع جلایا یہ سوز الفت نے
کہ شعلہ آگ کا سر سے مرے بلند ہوا

کھلا جو یار کا جوڑا تو دل کھنچا میرا
بڑھا جو گیسوئے جاناں مجھے کمند ہوا

لکھا تھا خط میں جو حال اپنی چشم حیراں کا
ہزار بند لفافہ کیا نہ بند ہوا

امیرؔ پائے طلب جب سے توڑ کر بیٹھے
کبھی نہ ہاتھ سوئے اغنیا بلند ہوا

نکالینگے یہ شمشیر براں حوصلہ دل کا
دہان زخم سے ہم چوم لینگے ہاتھ قاتل کا

تڑپنے میں دکھا جاتی ہے کچھ انداز بسمل کا
مگر کھایا ہے چرکا بے قرا نے بھی تیغ قاتل کا

عجب کیا ہے اگر گردوں تہی دستوں سے کھنچتا ہے
محلہ چھوڑدے مُمسک جو ہمسایہ ہو سائل کا

سفر میں یاد اسکے مصحفِ عارض کی ایسی ہے
کہ ہر منزل پہ دھوکا ہے مجھے قرآں کی منزل کا

بھر اشکوں سے کیونکر دامنِ مقتل میں حیراں ہو
نہیں نکلا ابھی تک آستیں سے ہاتھ قاتل کا

یقیں ہے دیکھتا عالم یہیں سے شکل حور رنگی
در جنت میں آئینہ اگر ہوتا مرے دل کا

کیا تو آب دانہ ترک راہِ عشق میں لیکن
بہت دشوار روزہ رکھ کے طے کرنا ہے منزل کا

فساد اس ترک کو عشاق میں مدنظر ٹھہرا
نئی سوجھی گلا بسمل سے کٹواتا ہے بسمل کا

بھلا کر مانگ کی الفت کیا برباد آنکھوں نے
ٹھگوں نے مجھکو مارا راستہ بھٹکا کے منزل کا

نہو جبتک کہ حکم اسکا کرے وہ قتل کیا ممکن
کہ عزرائیل اک جلّاد ہے سرکار قاتل کا

حسینوں کا گھٹایا رتبہ ایسا حُسن نے تیرے
گماں مجنوں کو ہے اب خیمہ لیلےٰ پہ محمل کا

اثر ہے ناتوانی کا یہاں تک بعد مرنے کے
کہ رستم بنتے بنتے زال بنجائے مری گل کا

لگا خنجر جو سینے پر ہوئے کیا کیا رہا قیدی
ہزاروں حسرتیں نکلیں جو دروانہ کھلا دل کا

مدد اے سخت جانی ذبح کرنیکو وہ بیٹھا ہے
کوئی دم اور چھاتی سے لگا لوں پانوں قاتل کا

رہِ الفت میں بے آبی ذقن کی دیکھو آفت ہے
مسافر کی قضا ہے چاہ گر ہو خشک منزل کا

امیر ایسا کیا بیتاب شوقِ قتل نے میرے
کہ ہے اس ترک کے خنجر پہ عالم مرغِ بسمل کا

تری گردن پہ ہوگا خون حسرتہائے بسمل کا
نگاہِ یاس بس کر دل بھر آتا ہے قاتل کا

نشاں اے نامہ بر کیا پوچھتا ہے قصرِ قاتل کا
لگا ہے آئینہ ہر ایک در میں چشم بسمل کا

فرشتوں پر عیاں ہے سحر اس زہرہ شمائل کا
خطِ چاہِ ذقن ہے یا دھواں ہے چاہِ بابل کا

مزاج ایسا تڑپنے سے ہے برہم میرے قاتل کا
چھری دیکھ کے پھڑکتا ہے بازو مرغِ بسمل کا

عجب کیا تن پہ میرے زخم دامن دار کا ہونا
اُڑایا ڈھنگ چاک آستیں نے دستِ قاتل کا

نکہریں اک ذرا دم لینے دو پھر لڑ جھگڑ لینا — ابھی تو میں تھکا ماندہ چلا آتا ہوں منزل کا

الگ یاروں سے ٹھہراؤ بلایا ہے جو غیروں کو — جدا دفتر سے رہنا چاہیئے افراد باطل کا

زباں پر تذکرہ اُس تیغ ابرو کا جو ہے ہر دم — صدا میری کہ نالہ ہے گلوئے مرغ بسمل کا

ضعیف ایسا کیا ہے سختیٔ راہ محبت نے — کہ چلنا دو قدم کرنا ہے طے دو لاکھ منزل کا

وہ گریاں ہوں رہے بے آب خود لبریز پانی سے — بنائیں کاسہ گر کاسہ اگر کوئی مری گل کا

جوانی میں نہ کر غفلت سفر کرنا ہے پیری میں — مسافر رات سے کرتا ہے ساماں دن کی منزل کا

الٰہی بعد مردن بھی رہے مشق ستم مجھ پر — لگائیں تیر جب تو وہ بنائیں دھری گل کا

کسی نے لفظ رخ بے نقطہ کب عالم میں دیکھا ہے — نہ ہوتا کس طرح نقطہ رخ محبوب پر تل کا

جو پھیری آنکھ غیروں سے تو اُٹھا لطف یاروں کو — تمہاری سرد مہری نے جمایا رنگ محفل کا

ترقی حد سے بڑھ جائے تو ہوتا ہے زوال آخر — سوا ہے ایک شب سے کب زمانہ ماہ کامل کا

وہ ہے خونریز عالم تو جو رکھ دے ناز سے انگلی — تو عالم مرغ بسم اللہ میں ہو مرغ بسمل کا

کڑی اتنی نہ کر رسوا کرے گی کیا قیامت میں — کہیں اے سخت جانی ہاتھ چھوٹا ہو نہ قاتل کا

الٰہی اشک بھر آتے تھے آنکھیں سرد آہوں پر — ترے بنا کسطرح دیکھا گیا اُن سے مرے دل کا

نئی معراج پائی ہے غبار گور مجنوں نے — بگولا جو اُٹھا قبہ بنا لیلیٰ کے محمل کا

اسیرؔ اتنا ہوا ثابت کشاکش سے محبت کی
مسافر کو لیئے جاتا ہے کھینچے شوق منزل کا

اُس کی چلمن سے نہ عاشق کو جدا رہنا تھا — زد پہ تیر نگہ ناز کے آ رہنا تھا

سر خودی تھی جو منظور تو مانند حنا — دل کو اس شوخ کے قدموں سے لگا رہنا تھا

ہو گیا بند در میکدہ کیا قہر ہوا — باب توبہ کی طرح اُس کو کھلا رہنا تھا

شوق پابوس حسیناں جو مجھے تھا بدل — نقش پا بن کے سر راہ پڑا رہنا تھا

چشم نرگس نہ ملی دیدۂ آہو نہ ملا — اے حیا تجھکو انھیں آنکھوں میں کیا رہنا تھا

پھولنا تھا نہ بہار چمن ہستی پر — رنگ سے بو کی طرح گل کو جدا رہنا تھا
آئے تبخانہ سے کعبے کو تو کیا پھر پایا — جا پڑے تھے تو وہیں ہم کو پڑا رہنا تھا
ملکے عالم سے ہوا اور ہی عالم اپنا — اپنے عالم میں ہمیں سب سے جدا رہنا تھا
تھی اگر برق تجلی کو نمایش منظور — بن کے شوخی تری چتون میں بنا رہنا تھا
کیوں گیا کوچہ گیسو میں جو آفت میں پھنسا — میرے دل کو مری چھاتی سے لگا رہنا تھا
تیغ اس کی جو رہے مجھ سے کشیدہ تو رہے — دامن یار کو مجھ سے نہ کھنچا رہنا تھا
شاید اس ترک کے توسن ہی کو رحم آجاتا — ہم جانوں کو سر راہ پڑا رہنا تھا
لن ترانی ارنی گو کو بھی کہنا تھا ضرور — عشق کو حسن کے پردے میں چھپا رہنا تھا
تھا اگر فتنۂ محشر کو دوبالا ہونا — قامت یار کے سایے میں پڑا رہنا تھا
شل ہوئے مثل عصا محتسب شہر کے پانوں — دست ساقی میں صراحی کا گلا رہنا تھا

ساز تھا مجھ سے جو آہ دل سوزاں کو اسیر
ابر غم بن کے مری گور پہ چھا رہنا تھا

کچھ نہ پوچھو دلربا مجھ سے جدا کیونکر ہوا — دیکھو دل سا آشنا نا آشنا کیونکر ہوا
آشکارا راز حسن کبریا کیوں کر ہوا — رہ کے سو پردوں میں عالم آشنا کیونکر ہوا
اے مسیحا میرے دشمن ہوں شفا سے نا امید — تو سلامت درد میرا لا دوا کیوں کر ہوا
وجہ حیرت اہل دنیا میں ہو اپنا حال دل — ایسے بیدردوں میں یہ درد آشنا کیونکر ہوا
ہوش میں آ بد حواس اتنا نہ ہو روتا ہی کیوں — نامہ بر قصہ بیاں کر کیا ہوا کیوں کر ہوا
اپنا بندہ بھی مجھے کہتا ہے پھر محتاج بھی — تجھ سے شاہنشاہ کا بندہ گدا کیونکر ہوا
ناز اٹھایا میں نے پالا میں نے حضرت کون ہیں — دل اگر میرا نہیں ہے آپ کا کیونکر ہوا
پوچھ لے قاتل زبان تیغ سے سب سرگذشت — کشتے کس منھ سے بتائیں کیا ہوا کیونکر ہوا
جیتے جی برسوں میں تڑپا تب نہ لی تم نے خبر — مر گئے پر پوچھتے ہو کیا ہوا کیوں کر ہوا

میں نہ مانوں گا کہ دی اغیار نے ترغیبِ قتل — دشمنوں سے دوستی کا حق ادا کیونکر ہوا

خط لکھا تھا میں نے میرے ہاتھ کرنے تھے قلم — نامہ بر میرا سزاوارِ سزا کیونکر ہوا

لوٹنا دیکھا نہیں جاتا ہے جو نرم دل — ذبح کرتے وقت اتنا جی کڑا کیونکر ہوا

دل اگر ہے صاف کچھ مشکل نہیں دیدارِ یار — دیکھ تو آئینہ صورت آشنا کیونکر ہوا

میں نہ مانوں گا یہ آئینے کا ہے سارا قصور — خود بخود وہ خود پسند و خود نما کیونکر ہوا

اُس نے کھینچی تیغ یاں سر جھک گیا قصہ مٹا — خلق یہ کیوں پوچھتی ہے ماجرا کیونکر ہوا

چاشنی ہو کیوں زبانِ تیغِ قاتل بار بار — بے نمک چھڑکے یہ زخموں میں مزا کیونکر ہوا

داورِ محشر کو بھائی میری اُس کی چھیڑ چھاڑ — چھیڑ کر پوچھا مکرر کیا ہوا کیونکر ہوا

الفتِ گیسو بلا تھی مر گیا پھنس کر امیرؔ
ہے بڑا جھگڑا نہ پوچھو فیصلا کیونکر ہوا

کوئی دم پیکاں نہ ٹھہرا دل میں تیرے تیر کا — رہ گیا کیا کیا پھڑک کر دم ترے نخچیر کا

وقتِ صید آیا تصور جب قضا کے تیر کا — چل دیا صیاد چھپا چھوڑ کر نخچیر کا

زخمِ دل ہم کو پتا دیتے ہیں تیرے تیر کا — دام ہے نقشِ قدم بھاگے ہوئے نخچیر کا

مجھ سے وحشی کا کھنچے مانی سے نقشہ کل کیا — رنگ صفحے پہ نہیں جمتا مری تصویر کا

ہوں وہ مجنوں جھاڑتا ہوں اُٹھ کے میں ہر ایک صبح — رستہ جاروبِ مژہ سے کوچۂ زنجیر کا

جب جھکا گردوں مرے دل نے اُٹھایا بارِ عشق — بوجھ سر پر رکھ لیا اس نوجواں نے پیر کا

ہوں وہ مشتاقِ شہادت دیکھ کر میری تڑپ — صورتِ بسمل پھڑک جاتا ہے دم شمشیر کا

رات دن پہلو میں ہو کوئی نہ کوئی سیم تن — جذبِ دل اپنا بھی نسخہ ہے کوئی اکسیر کا

دشتِ وحشت میں چبھے ہیں خار ایسے ہر قدم — پاؤں شانہ بن گیا ہے گیسوئے زنجیر کا

جو وسیلہ غیر کا ڈھونڈھے نہ ہو کیونکر خراب — حال ہوتا ہے پریشاں خاکِ دامنگیر کا

اہلِ دولت سے سوا ہے صاحبِ جرأت کی قدر — سیم و زر سے تیز ہے نرخ آہنِ شمشیر کا

حشر میں پائیگا خوش چشموں کی ایذا سے سزا
پوست کھینچا جائے گا صیادِ آہو گیر کا

پھونکتی ہے مجھ کو اس گیسو کی افشاں کی چمک
دل ہے پروانہ چراغ خانۂ زنجیر کا

تو وہ ہے ناوک فگن تیرا ہدف جائے جو ہاتھ
آپ اُڑ کر تھام لے نخچیر پلہ تیر کا

حلقۂ گیسو میں پائی نقد دل دیکر جگہ
دے دیا پہلے کرایہ خانۂ زنجیر کا

کس پری کی زلف سے تشبیہ اسکو ہو امیر
سلسلہ پہنچا کہاں جاکر مری زنجیر کا

ظالموں کو بھی ہوا ماتم تری نخچیر کا
روتی ہے منھ پر کماں رکھ رکھ کے پلہ تیر کا

عارضِ تاباں ہے شعلہ نالۂ شبگیر کا
گیسوئے پیچاں دھواں ہے خانۂ زنجیر کا

آئینہ سکتے میں آجاتا ہے مجھ کو دیکھ کر
منھ تکا کرتی ہے حیرانی مری تصویر کا

سینہ مجروح مژہ ہے دل ہے ابروے دونیم
وار مجھ پر تیر سے بڑھ کر پڑا شمشیر کا

طوقِ مجنوں کی گرانی کیا نگاہوں پر چڑھے
ایک حلقہ ہو میری اُتری ہوئی زنجیر کا

توڑ کر سینے کو کاٹا ہے تری مژگاں نے دل
توڑ اسمیں تیر کا ہے کاٹ ہے شمشیر کا

کیا حقیقت دو جہاں کی وسعت دلکے حضور
لامکاں اک مختصر گوشہ ہے اس تعمیر کا

کچھ دمِ آخر نہ اٹھا سخت جانی کا مزہ
پاس مجھ کو آ گیا قاتل تری شمشیر کا

کیوں ہجوم خلق ہوگا حشر میں حیران ہو لیا
کیا جنازہ آئے گا واں عاشق دلگیر کا

رنگ لایا جوشِ وحشت عشق چشم یار میں
نرگس شہلا ہے ہر حلقہ مری زنجیر کا

یاد دلواتی ہے کیا کیا ہائے بجلی کی تڑپ
بے تکلف وہ اُچھل پڑنا تری شمشیر کا

اس قدر لکھی مری تقدیر کی برگشتگی
گھس کے اُٹھا ہو گیا خط خانۂ تقدیر کا

گرمِ بازار تجلی تیری باتوں سے ہوا
لو ہے شمعِ طور کی شعلہ تری تقریر کا

مر گیا دیوانہ کل تو حسرت سے کہا
آج کیا ویراں نظر آتا ہے گھر زنجیر کا

تھا کسی کی ابروے خمدار کا یہ انتظار
دیدۂ جوہر میں اٹکا آکے دم شمشیر کا

گرد باد آسا ازل سے ہوں میں وہ وحشی امیر
خاک غربت سے بنا خاکا مری تصویر کا

صاف کہتے ہو مگر کچھ نہیں کھلتا کہنا — بات کہنا بھی تمہارا ہے معما کہنا
رو کے اُس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا — ہنس پڑے اس پہ تو پھر حرف تمنا کہنا
مثل مکتوب نہ کہنے میں ہے کیا کیا کہنا — نہ مری طرز خموشی نہ کسی کا کہنا
اب چھوٹی سی شب وصل بڑھا دے یارب — صبح نزدیک ہمیں اُن سے ہے کیا کیا کہنا
پھاڑ کھاتا ہے جو غیروں کو جھپٹ کر سگ یار — میں یہ کہتا ہوں مرے شیر ترا کیا کہنا
ہیں مرے قطرے میں پنہاں کئی سو طوفاں — عین غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا
وصف رخ تیرے جو شعر وہ سب کہہ ڈالے — شعر میں نور کے ہے نور کا تیرا کہنا
لا سکو گے نہ ذرا جلوۂ دیدار کی تاب — ارنی منہ سے نہ اے حضرت موسیٰ کہنا
کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے منہ سے — اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا
خاک میں ضد سے ملاؤ نہ مرے آنسو کو — سچے موتی کو مناسب نہیں جھوٹا کہنا
کیسے نادان ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں — ہو بُرا بھی تو اُسے چاہیے اچھا کہنا
دم آخر تو بتو یاد خدا کرنے دو — زندگی بھر تو کیا میں نے تمہارا کہنا
پڑھتے ہیں دیکھ کے اس بُت کو فرشتے بھی درود — مرحبا صل علےٰ صل علےٰ کیا کہنا
اے بتو تم جو ادا آ کے کرو مسجد میں — لب محراب کہے نام خدا کیا کہنا
اُن حسینوں کی جو تعریف کرو چڑھتے ہیں — سچ تو یہ ہے کہ بُرا ہے انہیں اچھا کہنا
شوق کعبے لیے جاتا ہے ہوس جانب دیر — میرے اللہ بجا لاؤں میں کس کا کہنا
سارے محفل کو اشاروں میں اُڑا دیتے جان — سیکھ لو چشم سخن گو سے لطیفا کہنا
گھٹتے گھٹتے میں رہا عشق کمر میں آدھا — جامۂ تن کو مرے چاہیے نیما کہنا
میں تو آنکھوں سے بجا لاتا ہوں ارشاد حضور — آپ سنتے نہیں کانوں سے بھی میرا کہنا

چستی طبع سے استاد کا ہے قول امیر
ہو زمیں سست مگر چاہئے اچھا کہنا

قدوم قاصد جاناں سے فخر خانہ ہوا — قدم رسول مرا سنگ آستانہ ہوا

حسد سے طرۂ مضموں مرا یگانہ ہوا — عدو کے خندۂ دنداں نما سے شانہ ہوا

بہانہ جو ہے خدائے غفور کی رحمت — بہے جو نزع میں آنسو اسے بہانہ ہوا

ریاض دہر میں پوچھو نہ میری بربادی — برنگ بو ادھر آیا ادھر روانہ ہوا

کمان حسن نہ تھی آشنائے تیر ادا — کہ ناوک غم الفت کا میں نشانہ ہوا

خدا کی راہ میں دنیا ہے گھر کا بھر لینا — ادھر دیا کہ ادھر داخل خزانہ ہوا

ہوا نہ غیر کا احسان پس فنا صد شکر — غبار اڑ کے سر قبر شامیانہ ہوا

پڑا جو سایۂ گیسو تو وہ کمر لچکی — ڈھلا جو کاندھے سے آنچل تو درد شانہ ہوا

نشان غیر کہاں صیدگاہ وحدت میں — پڑا ہدف پہ بھی تو تیر ہی نشانہ ہوا

جنوں کا جوش گھٹا تھا کہ بوئے گل آئی — سمند ہوش رکا تھا کہ تازیانہ ہوا

گھڑی بھر ایک طرح پر اسے قرار نہیں — مزاج یار بھی حق میں مرے زمانہ ہوا

ہجوم رنج ہے دینار داغ ملتے ہیں — جگر کا چاک نہ ٹھہرا در خزانہ ہوا

یہ بد حواس کیا شوق جبہہ سائی نے — کہ سنگ راہ مجھے سنگ آستانہ ہوا

زمیں اٹھائی یہ نالوں نے سر پہ وقت سجود — بلند بام سے وہ سنگ آستانہ ہوا

پتا امیر کا منزل میں گور کے بھی نہیں
یہاں سے آگے الٰہی کدھر روانہ ہوا

امیر لاکھ ادھر سے ادھر زمانہ ہوا — وہ بت وفا پہ نہ آیا میں بے وفا نہ ہوا

سر نیاز کو تیرا ہی آستانہ ہوا — شراب خانہ ہوا یا قمار خانہ ہوا

ہوا فروغ جو مجھ کو غم زمانہ ہوا — پڑا جو داغ جگر میں چراغ خانہ ہوا

امید جا کے نہیں اس گلی سے آنے کی
برنگ عمر مرا نامہ بر روانہ ہوا

ہزار شکر نہ ضائع ہوئی مری کھیتی
کہ برق و سیل میں تقسیم دانہ دانہ ہوا

قدم حضور کے آئے مرے نصیب کھلے
جواب قصر سلیماں غریب خانہ ہوا

ترے جمال نے زہرہ کا دور دکھلایا
ترے جلال سے مریخ کا زمانہ ہوا

کوئی گیا در جاناں پہ ہم ہوئے پامال
ہمارا سر نہ ہوا سنگ آستانہ ہوا

فروغ دل کا سبب ہو گئی بجھی جو ہوس
شرار کشتہ سے روشن چراغ خانہ ہوا

جب آئی جوش پہ میرے کریم کی رحمت
گرا جو آنکھ سے آنسو دُر یگانہ ہوا

حسد سے زہر تن آسماں میں پھیل گیا
جو اپنی کشت میں سرسبز کوئی دانہ ہوا

چُنے مہینوں ہی تنکے غریب بلبل نے
مگر نصیب نہ دو روز آشیانہ ہوا

خیال زلف میں چھائی یہ تیرگی شب ہجر
کہ خال چہرۂ زنگی چراغ خانہ ہوا

یہ جوش گریہ ہوا میرے صید ہونے پر
کہ چشم دام کے آنسو سے سبز دانہ ہوا

نہ پوچھ ناز و نیاز اسکے میرے کب سے ہیں
یہ حسن و عشق تو اب ہیں اُسے زمانہ ہوا

اُٹھائے صدمے پہ صدمے تو آبرو پائی
امیر ٹوٹ کے دل گوہر یگانہ ہوا

کس تزک سے دھیان آیا اُس رُخ پر نور کا
آگے آگے سیکڑوں اِکا تھا شمع طور کا

مل گیا بوسہ جو اُس کے عارض پر نور کا
ہم یہ سمجھے پھول ہاتھ آیا نہال طور کا

رنگ داغوں میں مرے پیدا ہوا ناسور کا
اب کلیجا ہو گا ٹھنڈا مرہم کافور کا

رفتہ رفتہ راہ پر لانا ہے واعظ کو ضرور
لے چلوں شربت بنا کر نذر کو انگور کا

آدمی کیا فردوس کو رضواں میں نازک طبع ہوں
ناز اُٹھیں گے نہ غلماں کے نہ غمزہ حور کا

ہر قدم پر وادی وحشت میں کہتا ہے یہ دل
المدد اے شوق منزل ہے ارادہ دور کا

کسقدر کھینچی مشقت کوہکن نے عشق میں
کچھ نہ دے شیریں بجھا دے دل اُس مزدور کا

اے حسیں کیا منہ ہے پریوں کا جو تیرے منہ چڑھیں
دیکھ کر تجھ کو اتر جاتا ہے چہرہ حور کا

بارگاہ حق سے ہر طاعت کی ملتی ہے جزا
ہے بڑی سرکار حق رہتا نہیں مزدور کا

ہوں وہ میکش باغباں فوراً مجھے پرچہ لگا
ایک پتا بھی گرا جب شاخ سے انگور کا

بار دنیا جسکے سر پر ہے اُسے راحت کہاں
چور رہتا ہے مشقت سے بدن مزدور کا

چاہیئے دینی ہوائیں اُس کو آہ سرد کی
جوش خون گرم سے آیا ہے منہ ناسور کا

کب کی آچکتی قیامت یہ مرا احسان ہے
بند ہے دم میرے نالوں کی بدولت صور کا

وادی ایمن میں تھی برق تجلی بے حجاب
حیرت موسیٰ تھی پردہ جلوہ گاہ طور کا

روز خلقت سے وہیں ہے باہر آسکتی نہیں
کہتے ہیں جنت جسے ہے قید خانہ حور کا

خیر جاری کا جو ہو اے حضرت واعظ خیال
وقف کر دو مول لے کر باغ اک انگور کا

سائیاں اپنے سیہ خانے کا ہوتا امیر
ہاتھ آجاتا اگر دامن شب دیجور کا

کیا تڑپ رکھتا ہے شعلہ عارض پر نور کا
لوٹتا آنکھوں میں پھر جاتا ہے برق طور کا

داغ سینہ جل اُٹھے منہ پھک گیا ناسور کا
دھیان بھی آیا جو دل میں مرہم کافور کا

ہے غضب کا شوخ وہ بت ہو جو صحبت دو گھڑی
چٹکیاں لے لیکے زانو لال کر دے حور کا

بیٹھتا ہوں جب صفت لکھنے اُسکے حسن صاف کے
شمع کافوری سے روشن ہو کنول بلور کا

دردمندی اسکو کہتے ہیں کہ روز حشر بھی
رو دیا میں دل بھر آیا سنکے نالہ صور کا

میکش مفلس ہوں پہلے مجھکو دے ساقی شراب
دل بہت ہوتا ہے تھوڑا مرد بے مقدور کا

مے پئیں گے آج ہم ساقی تکلف ہے ضرور
جام ہیرے کا ہو خم ترشا ہوا بلور کا

عمر گذری ہے کہ دم بھر کو کہیں جاتے نہیں
گھر مرا کیا قید خانہ ہے شب دیجور کا

عاشق مژگاں ہوں مجھکو نوش سے بڑھکر ہے نیش
لطف اٹھاتا ہوں میں چھتا چھیڑ کر زنبور کا

تم مزے سے حسن کے واقف نہیں کچھ زاہدو
نام ہی سنتے ہو منہ دیکھا ہے کس دن حور کا

جب بلندی پر پڑے دیکھے کہیں ہوتے کے پھول ڈھیر سمجھے ہم کسی بادہ کش مغفور کا
اے خضر رندوں کو کچھ مشکل نہیں عمر دراز آب حیواں گر نہیں شیرہ تو ہے انگور کا
جلوۂ حسن الٰہی اور پتھر اے کلیم آپ کی گرمی نے چمکایا ستارہ طور کا
گور بھی بے گورکن تعمیر ہو سکتی نہیں کون سے گھر میں گزر ہوتا نہیں مزدور کا
آدمی کا منہ ہو جو دعویٰ خدائی کا کرے بولتے ہیں آپ حضرت نام ہے منصور کا
ہم وہ مے کش ہیں کہا پیر مغاں نے بعد مرگ ہو مزار انگور کے سایے میں اس مغفور کا
تو نہ ہو اے یار تو جنت جہنم ہے مجھے تجھ کو دکھلا کر نہ دکھلائے خدا منہ حور کا

عبرت اہل دول منظور ہے مجھ کو امیرؔ
بھیک بھی مانگوں تو کاسہ لوں سر فغفور کا

جیسے باندھا ہے تصور اس رخ پر نور کا سارے گھر میں نور پھیلا ہے چراغ طور کا
بخت داغوں سے جلے کیوں دل نہ مجھ مہجور کا مرہم کافور سے منہ آ گیا ناسور کا
اس قدر مشتاق ہوں زاہد خدا کے نور کا بت بھی بنوایا کبھی میں نے تو سنگ طور کا
تجھ کو لائے گھر میں جنت کو بھلایا رشک سے ہم بغل تجھ سے ہوئے پہلو دبایا حور کا
گور کافر کس لیے ہو تیرہ و تار اس قدر پڑ گیا سایہ مگر میری شب دیجور کا
حسن یوسف اور تیرے حسن میں اتنا ہے فرق چوٹ یہ نزدیک کی ہے وار تھا وہ دور کا
قصر تن بگڑا کسی کا گورکن کی بن پڑی گھر کسی کا گر پڑا گھر بن گیا مزدور کا
چہرۂ جاناں سے شرما کر چھپایا خلد میں خامۂ تقدیر نے کھینچا جو نقشہ حور کا
حاجت مشاطہ کیا رخسار روشن کے لیے دیکھ لو گل کاٹتا ہے کون شمع طور کا
زلف و روئے یار سے نیرنگ قدرت ہے عیاں چہرے کے پیچھے ہے دامن شب دیجور کا
خاکساری کر جو ہو منظور آنکھوں میں جگہ خاک ہو کر سرمہ بنتا ہے تو پتھر طور کا
غافلوں کے کان کب کھلتے ہیں سن کر شور حشر سونے والوں کو جگا سکتا نہیں غل صور کا

پوچھ لینا سب وطن کا حال اے اہلِ عدم
بیٹھ لینے دو ذرا آتا ہوں اٹھا دور کا

سجدے کرتے ہیں عدوئے جاں سے بھی خاصانِ حق
جھک گیا سر آکے پائے دار پہ منصور کا

موت کیا آئی تپ فرقت سے صحت ہو گئی
دم نکلتے سے بدن ٹھنڈا ہوا رنجور کا

مودیوں کو حادثوں سے دہر کے کیا خوف ہے
بارشِ باراں سے گھر گرتا نہیں زنبور کا

چشمِ ساغر بے سبب ہر دم لہو روتی نہیں
ٹھیکیوں سے ساقیا دل پھٹ گیا انگور کا

جاتے ہیں میخانۂ عالم سے ہم سوئے عدم
کہہ دو از خود رفتگی سے ہے ارادہ دور کا

کی نظر جس پر کدورت سے رہا خاموش وہ
ہے اثر گردِ نگاہِ یار میں سیندور کا

جلوۂ معشوق ہر جا ہے بصیرت ہو اگر
کرمکِ شب تاب میں عالم ہے شمعِ طور کا

مر کے یارانِ عدم کے پاس پہنچوں گا امیر
چلتے چلتے جان جائے گی سفر ہے دور کا

یارب شبِ وصال یہ کیسا گجر بجا
اگلے پہر کے ساتھ ہی پچھلا پہر بجا

آواز صور سن کے کہا دل نے قبر میں
کس کی برات آئی یہ باجا کدھر بجا

کہتے ہیں آسماں جو تمہارے مکاں کو ہم
کہتا ہے آفتاب درست اور قمر بجا

جاگو نہیں یہ خواب کا موقع مسافرو
نقارہ تک بھی کوچ کا وقت سحر بجا

تعمیر مقبرے کی ہے لازم بجائے قصر
زرداروں سے کہو کہ کریں صرف زر بجا

ہیں ہم تو شادماں کہ ہے خط میں پیام وصل
بغلیں خوشی سے تو بھی تو اے نامہ بر بجا

تجھ کو نہیں جو انس محبت کہاں سے ہے
تالی نہ ایک ہاتھ سے اے بے خبر بجا

نفرت ہے یہ خوشی سے کہ اشک اپنے گر پڑے
ہمراہ تعزیہ کے بھی باجا اگر بجا

جائے قیام منزل ہستی نہ تھی امیر
اترے تھے ہم سرا میں کہ کوس سفر بجا

ہوا یہ جوشش شب ہجر دیدۂ تر کا
چراغ دیدۂ ماہی بنا مرے گھر کا

لکھوں میں حال جو اپنے خط مقدر کا
ورق سیاہ کروں آفتاب محشر کا

یہ کس کی یاد میں رویا کہ آبرو پائی
خزانہ دیدۂ گریاں ہے حوض کوثر کا

حصار امن ہے ہم سے سیاہ کاروں کو
ہر ایک حلقہ ترے گیسوئے معنبر کا

عیاں ہے رجعت خورشید اور شق قمر
یہ معجزہ ہے علیؑ کا تو وہ پیمبرؐ کا

جو صاف دل ہیں انھیں جور چرخ سے ہے اماں
پسا نہ دانہ کبھی آسیا میں گوہر کا

صفائے دل کا رہے کچھ نشان مرگ کے بعد
ہمارے روضے میں ہو فرش سنگ مرمر کا

ہوا یہ کس قد موزوں کا باغ میں جلوہ
کہ تنگ قافیہ ہے مصرع صنوبر کا

عبث ہے ناز تمول پر ان امیروں کو
اٹھا کے لائے ہیں کوڑا فقیر کے گھر کا

شتاب کوچۂ جاناں کو ہو رواں قاصد
زیادہ دیر نہ کر واسطہ پیمبرؐ کا

زباں پہ نالہ ہے جبتک ہیں اشک بھی جاری
علم گرا تو نہ ٹھہرے گا پانوں لشکر کا

جو کام آئے پس مرگ بھی کسی کا ہنر
چراغ آئینہ ہو مرقد سکندر کا

حصول کیا جو ملا اختیار دولت پر
ہمیشہ حال پریشاں رہا کیمیا گر کا

بدل کے شکل ڈراتا ہے کیا مجھے دشمن
مقام خوف نہیں شیر ہو جو پتھر کا

جمال جن کے سراپا تھے نور کی صورت
نہ پانوں کی خبر اُن کو نہ ہوش ہے سر کا

عزیز کرکے فلک کر رہا ہے مجھکو ذلیل
خلاف رسم بناتا ہے قطرہ گوہر کا

کہاں یہ سختی عالم کہاں دل نازک
غضب ہے شیشہ اُٹھائے جو بوجھ پتھر کا

نہ آسماں سے غرض ہے نہ آفتاب سے کام
امیرؔ شیشے کا محتاج ہے نہ ساغر کا

یہ رفتہ رفتہ ضعف سے احوالِ تن ہوا
سایے کی بھی نگاہ سے غائب بدن ہوا

جس غنچہ لب کو چھیڑ دیا خندہ زن ہوا
جس گل پہ ہم نے رنگ جمایا چمن ہوا

اخگر کی طرح نیست بتدریج تن ہوا
تن پیرہن تو پیرہن اپنا کفن ہوا

یہ خوش گمانیوں سے ہوا شاعروں کی تنگ — علم خدا میں جا کے نہاں وہ دہن ہوا

آوارہ میں ہوا جو جگہ دل میں تم نے کی — تم آئے اپنے گھر میں غریب الوطن ہوا

دنیا کی سیر تھی کہ تماشا طلسم کا — جھپکی پلک کہ آنکھ سے غائب وطن ہوا

احوال گور و حشر یہیں مجھ پہ کھل گیا — خلوت سے جب رواں طرف انجمن ہوا

دکھلا دے اے بت آج تو ہے خدا وہ شان — شیخ حرم پکارے کہ میں برہمن ہوا

رخصت کے وقت روئے یہ اس مہ پہ رکھ کے منھ — دریا چھلک چھلک کے وہ چاہ ذقن ہوا

غیروں کو ساتھ لے کے جو آئے وہ گور پر — اک حسرتوں کی لوٹ ہمارا کفن ہوا

صد شکر وقت اتنی تو مجھ کو فلک نے دی — ہاتھوں سے میرے چاک مرا پیرہن ہوا

خلوت کدہ تھا دل مگر اب شکل آئینہ — مہمان انجمن جو ہوا انجمن ہوا

کیسی گھڑی تھی گھر سے جو نکلا تھا میں غریب — پھر دیکھنا نصیب نہ مجھ کو وطن ہوا

جھیلی نگاہ یاس میں نوکا سینے لگا — اے ترک آج کیا وہ ترا بانکپن ہوا

صیاد ہم کہاں وہ تماشائے گل کہاں — روئی ہو نگاہ جو ذکر چمن ہوا

افشائے راز تا نہ ہو زاہد پہ کہیں — رندوں میں دختِ رز کا لقب جانمن ہوا

نعم البدل دیا مجھے اللہ نے امیر
دل ہو گیا جو خون تو رنگیں سخن ہوا

رو مست ہوں نصیب مجھے تب کفن ہوا — جب رہن مے فروش کے گھر پیرہن ہوا

چھیڑا جو میں نے یار کو گرم سخن ہوا — پیدا مری زبان سے اس کا دہن ہوا

کافر بدل کے بھیس ہمارا برہمن ہوا — پتھر بنا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا

نے شکل وطن نہ صورت اہل وطن ہے یاد — مدت ہوئی کہ وادی غربت وطن ہوا

مجھ مست کی ہے ہاتھ ترے یا رب آبرو — تجھ کو کریم جان کے توبہ شکن ہوا

لالچ تھا واسطے ہی سے ذوق سخن ملے — اس سے میں ہم سخن سے ترے ہم سخن ہوا

سو عکس آئنے میں پڑے اور مٹ گئے — اس گھر میں جو گیا وہ غریب الوطن ہوا

مستی نے جام بن کے اڑائے ہمارے ہوش — پتھر ہوا جو شیشہ تو توبہ شکن ہوا

اب سیر باغ وصل کہاں اور ہم کہاں — گولر کا پھول یار کا سیب ذقن ہوا

رکھنا تھا پاک پرسش روز حساب سے — اس واسطے عطا نہ بتوں کو دہن ہوا

چھانی ہے پھاڑ پھاڑ کے اس میں شراب ناب — کیا صرف کار خیر میرا پیرہن ہوا

طالب کو تیرے جلوے نے مطلوب کر دیا — نظارۂ جمال سے بت برہمن ہوا

تار نگاہ و تار نفس سب ہوئے تمام — تب چار گز کسی کو میسر کفن ہوا

روئیں لپٹ کے خوب مرے رنگ حسن سے — غربت میں مہماں جو خیال وطن ہوا

واعظ کا تھا لحاظ تو فصل خزاں تلک — جب آگئی بہار میں توبہ شکن ہوا

اہل عدم سب آئے تماشے کو آپ کے — ہم آئے کیا سفر میں کہ خالی وطن ہوا

خلوت میں تھا تو شاہد معنی تھا میں امیر
خلوت سے انجمن میں جو آیا سخن ہوا

سو رنگ سے میں مست بہار چمن ہوا — جو گل نیا تھا جام شراب کہن ہوا

باہم جو ذکر زلف شکن در شکن ہوا — برہم تمام سلسلۂ انجمن ہوا

آئی بہار پھر مجھے شوق چمن ہوا — ہر گل شگوفہ پنبۂ داغ کہن ہوا

کس سبزہ رنگ پردہ نشیں کا تھا شگفتہ — کھایا جو زہر بھی تو نہ نیلا بدن ہوا

کیا دوں جواب شکوۂ دل کا تمہیں کہو — تم سے تو جو سلوک ہوا دل شکن ہوا

رہتا ہمیشہ خلوت و جلوت میں ہم بغل — افسوس ہے کہ میں نہ ترا پیرہن ہوا

اب کا سفر وہ ہے کہ نہ دیکھوں گا پھر وطن — یوں تو میں لاکھ بار غریب الوطن ہوا

نفرت ہوئی فراق میں ایسی شراب سے — زاہد کہا کیا میں نہ توبہ شکن ہوا

یعقوب وار کھل گئیں آنکھیں مزار میں — یوسف کا پیرہن مرے حق میں کفن ہوا

اللہ رے پاس خاطر غربت تڑپ گیا
منہ وقت واپسیں بھی جو سوئے وطن ہوا

جور سپہر سے ہمہ تن ہے یہ داغ دل
بیدرد جانتے ہیں شگفتہ چمن ہوا

ممنوں ہوں میں زمین کا بھی آسماں کا بھی
حاصل یہاں سے گور وہاں سے کفن ہوا

احباب اپنے اپنے گھروں میں ہیں محو عیش
کس کو خبر کہ کون غریب الوطن ہوا

صیاد قید میں مجھے کیا خواہش چمن
چھانٹے جو بال و پر تو قفس بھی چمن ہوا

لیلیٰ کے ناقے کو جو کیا ساربان نے تیز
سینے میں لوٹ کر دل مجنوں ہرن ہوا

لکنت نہیں فراق ترا ناگوار ہے
لب پر رکا جدا جو زباں سے سخن ہوا

مسی ملی جو اس نے ہوا بدگماں میں
بوسے لیئے یہ کس نے کہ نیلا بدن ہوا

رانوں کو کی امیر یہ ذکر خفی کی مشق
دل بن گیا زبان تو سینہ دہن ہوا

مرکر علوئے قدر سے عریاں بدن ہوا
حوروں میں قدسیوں میں تبرک کفن ہوا

دل عشق میں یہ جاذب رنج و محن ہوا
مانند داغ درد بھی جزو بدن ہوا

کس کا رخ صبیح یہ پرتو فگن ہوا
آئینہ دار مالک نہر لبن ہوا

دشت شکار میں جو وہ ناوک فگن ہوا
جن کیا فرشتہ بھیس بدل کر ہرن ہوا

چارہ غم فراق کا کیا ہے سوائے صبر
ٹھہری زبان جدا جو زباں سے سخن ہوا

ممنون چارہ گر نہ ہوا میں ہزار شکر
ہر داغ تازہ مرہم داغ کہن ہوا

اللہ رے صفائے طبیعت کہ بعد مرگ
گرد نگاہ خلق سے میلا کفن ہوا

آخر کیا یہ عشق دہان و کمر نے گم
پنہاں نظر سے روح کی صورت بدن ہوا

یاد تجلی رخ روشن جو دل میں تھی
فانوس شمع طور ہمارا کفن ہوا

ایسا ہوا ہے اب تو زمانے کا خوں سفید
آیا جو لعل ہاتھ میں در عدن ہوا

افشائے راز وجہ جنوں ہے برنگ گل
پوچھو نہ سے چاک مرا پیرہن ہوا

پوچھو وہ کیا سمجھ کے بدلتے لگے لباس
میلا ابھی تلک نہیں میرا کفن ہوا

تالے بدن کو توڑ کے نکلے برنگ نے
منہ بند کیا ہوا ہیں سراپا دہن ہوا

قسمت کے پیچ دیکھے ان آنکھوں نے اے فلک
تا زنگاہِ زلف شکن در شکن ہوا

پلکیں جو گریۂ غم فرقت سے گر گئیں
مشہور طفلِ اشک مرا صف شکن ہوا

گالی تو دی سوال پر اس نے ہزار شکر
دستِ سوال جادۂ راہِ سخن ہوا

باغ جہاں میں طائر مضموں تھے اے اسیر
جس دام میں پھنسے وہی اپنا وطن ہوا

بے یار ابر میں میں دل افگار ہو گیا
بجلی کا کوندنا مجھے تلوار ہو گیا

قیدی جو تھا وہ دل سے خریدار ہو گیا
یوسف کو قید خانہ بھی بازار ہو گیا

اُلٹا وہ میری روح سے بیزار ہو گیا
میں نام جور کے گنہگار ہو گیا

وردِ زباں جو وصفِ رخِ یار ہو گیا
گل بلبلوں کا غنچۂ منقار ہو گیا

خواہش جو روشنی کی ہوئی مجھکو ہجر میں
جگنو چمک کے شمعِ شبِ تار ہو گیا

کیا دادی جنوں میں لا مجھکو بخت پست
جادہ بھی میرے واسطے دیوار ہو گیا

کفر آشنا کہاں ہے کوئی مجھ سا دوسرا
سبحہ کا تار ہاتھ میں زنار ہو گیا

بادام چشم سیب زنخداں کے وصف سے
خامہ ہمارا شاخ ثمردار ہو گیا

گلیوں میں اب تو پھرنے لگا ہے وہ ماہرو
ثابت جو تھا وہ کوکب سیار ہو گیا

احسان کسی کا اس تنِ لاغر سے کیا اٹھے
سو من کا بوجھ سایۂ دیوار ہو گیا

دریائے نیستی میں نہ ڈوبا میں بعد مرگ
کشتی مرا سفینۂ اشعار ہو گیا

بے حیلہ اس مسیح تلک تھا گذر محال
قاصد سمجھ کے راہ میں بیمار ہو گیا

اُترا نہ یہ گذر گئی فصلِ بہار بھی
طوقِ گراں گلے کا مرے ہار ہو گیا

لینے لگے یہ نوک کی خرد و بزرگ دہر
عالم تمام وادیٔ پرخار ہو گیا

جس راہرو نے راہ میں دیکھا ترا جمال آئینہ دار پشت بہ دیوار ہو گیا

کیونکر میں ترک الفت مژگاں کروں امیر
منصور چڑھ کے دار پہ سردار ہو گیا

آنسو زمیں پہ آتے ہی تغیر ہو گیا — یہ طفل بے جواں ہوئے پیر ہو گیا
پہلے تو ایک صفحۂ سادہ تھا آئینہ — دیکھا جو اس نگار نے تصویر ہو گیا
برباد قصر تن جو ہوا بن گئی لحد — وہ گھر جو گر پڑا تو یہ تعمیر ہو گیا
ہم وحشیوں کے پانو سے اُڑ کر جمی یہ خاک — تعمیر بام خانۂ زنجیر ہو گیا
افشاں کے ہجر میں جو چمک یاد آ گئی — جگنو شرار نالۂ شبگیر ہو گیا
دل پھنس گیا جو اس کے خط سبز تا گیا — یہ سبزہ اس غزال کو زنجیر ہو گیا
گردش رہے ہزار زباں سے ثنا اُت کروں — میں لاغری سے خامۂ تصویر ہو گیا
وہ طالب فنا ہوں بنا جب کوئی محل — سمجھا یہ میں کہ مقبرہ تعمیر ہو گیا
عالم تمام اپنا جوانی سے تھا جوان — ہم پیر کیا ہوئے کہ جواں پیر ہو گیا
آئینہ جمال سے سکتہ ہوا مجھے — تصویر یار دیکھ کے تصویر ہو گیا
زاہد ہوا بہشت میں محبوس دائمی — ہو بے گناہ مورد تعزیر ہو گیا
اُس حور کی گلی میں ہوا آنسوؤں کا ڈھیر — موتی محل بہشت میں تعمیر ہو گیا
ہم کو چھپا کے زلف بڑھی غیر کی طرف — عنقا کا دام دام مگس گیر ہو گیا
جب میں جوان تھا تو مری شاعری تھی پیر — اب شاعری جواں ہے تو میں پیر ہو گیا

بخت سیہ مرا جو ازل میں بنا امیر
صرف مداد خامۂ تقدیر ہو گیا

دل مرا کشتہ ہے یارب کس شہادت گاہ کا — سر شگاف زخم دروازہ ہے بیت اللہ کا
حال روشن ہے ہمارے صدمۂ جانکاہ کا — شمع کے مانند دل مبتلائے اشک آہ کا

پائے استغنا سے تم ٹھکراؤ گے ہزار بار
سر نہ سجدے سے اٹھیگا بندۂ درگاہ کا

رند مشرب کب کے پہنچے یار کے گھر زاہدا
تو پتا ہی پوچھتا ہے اب تک اُسکی راہ کا

عشق شیریں میں نہیں فرہاد بھی خسرو سے کم
ایک عالم ہے محبت میں گدا و شاہ کا

عرصۂ محشر سے واعظ کیا ڈراتا ہے مجھے
وہ بھی اک میدان ہے میری شہادتگاہ کا

کھل گیا جب یہ کہ دل بھی جلوہ گاہ یار ہے
کون چکر کھائے پھر دیر و حرم کی راہ کا

ضبط غم کا وش نے تیرے دلکو تودہ کر دیا
بن گیا پیکاں سمٹ کر تیر اپنی آہ کا

فکر رہتی ہے یہی دل میں کسیکے گھر کریں
تب جگہ نہیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں گھر اللہ کا

منظر چشم اک تماشا گاہ ہے تیرا صنم
خلوت دل ایک حجرہ ہے تری درگاہ کا

کیا ہی موزوں ہے طبیعت عشق قد میں بعد مرگ
سرو بنکر قبر سے نکلا ہے مصرع آہ کا

دیر میں احسن کا طالب ہے تو اے زاہد اگر
بت ہی ہیں جو کچھ ہیں آگے نام ہے اللہ کا

ہم کہاں دنیا کہاں کچھ یونہی دل میں آگئی
دیکھئے چلئے تماشا اس تماشا گاہ کا

جانے بھی دو جان چھوٹی صدمۂ ہستی سے کیا
چاک ہی ہونا ہے اچھا جامۂ کوتاہ کا

دل بھی حاضر جان بھی حاضر تکلف برطرف
مال اپنا جان ساقی اپنے دولتخواہ کا

آرزو اپنی نہ مطلب سے کبھی واقف ہوئی
اس دلھن نے منہ نہیں دیکھا کسی نوشاہ کا

اٹھ گئی دل سے دوئی وحدت کے عالم میں امیر
دیر میں جلوہ نظر آتا ہے بیت اللہ کا

حسن اس شوکت پہ مجرائی ہے اُس درگاہ کا
رتبہ دیکھو عشق کی سرکار عالیجاہ کا

بے طرح اٹھتا ہے شعلہ میرے دود آہ کا
خوف ہے گردوں کو جلجائے نہ خرمن ماہ کا

شیخ کعبے سے گیا اُس تک برہمن دیر سے
ایک تھی دونوں کی منزل پھیر تھا کچھ راہ کا

ہر مہینے ضعف لیجاتا ہے کچھ کچھ زور تن
نوکری کب کی کہ دعویٰ ہے اسے تنخواہ کا

ہے صریر کلک میں اپنی یہ جاں بخشی کا فیض
پست آوازہ ہے جس سے قم باذن اللہ کا

جا پہنچنا عرش تک اے ضعف کچھ مشکل نہیں — ہاتھ آ جائے ذرا مجھ کو سہارا آہ کا

ہر گلی اپنی نظر میں کوچۂ محبوب ہے — جیسے ہو آنکھوں میں سرمہ اسکی گردِ راہ کا

اپنے در سے دور بیجا کر عبث کرتا ہے قتل — سر وہیں پہنچیں گا قاتل بندۂ درگاہ کا

کچھ نہ سمجھے ہو نہ بوجھے ہو کہ وہ کیا چیز ہے — نام تم نے سن لیا ہے زاہدو اللہ کا

اے معلم تیز ہے اس طفل کی تیغ نگاہ — دیکھیو ہو جائے نہ بسمل مرغ بسم اللہ کا

میں اگر کانٹے دکھاتا ہوں زباں کے پیاس میں — دیکھتے ہی خشک ہو جاتا ہے پانی چاہ کا

آج سے کھینچوں تو آتے آتے مدت چاہیے — ضعف میں مشکل ہے دل سے لب تک آنا آہ کا

کیجئے عمر دو روزہ عشق ابرو میں بسر — قطع کرنا چاہیے شمشیر سے اس راہ کا

میرے دل کے آئینے میں منہ جو دیکھے برہمن — قشقہ ماتھے کا نظر آئے الف اللہ کا

مر گیا ہوں الفتِ قامت میں آہیں کھینچ کر — شامیانہ ہو مرے مرقد پہ مدِ آہ کا

روئے قاتل زرد ہو جائے نہ کیونکر خوف سے — سرخ آندھی ہے غبار اپنی شہادت گاہ کا

ذکر حق میں سب حوادث سے ہوں محفوظ اے امیر
ہے حصارِ امن گنبد مجھ کو بسم اللہ کا

نور وحدت سے یہ عالم ہے دلِ آگاہ کا — مہر ہے ایک ایک ذرہ میری گردِ راہ کا

تالب دریا ہو دیدار ایک رشکِ ماہ کا — رزق ماہی کیجئے لکھ لکھ کے نام اللہ کا

خوب ہے مہندی رچی خونِ شہیدِ ناز کی — خنجرِ قاتل پہ عالم ہے کفِ نوشاہ کا

فی الحقیقت غوطۂ بحرِ فنا ہے لا الٰہ — ہے ابھرنا اس بھنور سے ذکر الا اللہ کا

مصرِ دل میں تجھ سے یوسف کو کیا ہو باد شاہ — اے پری رو میں تو دیوانہ ہوں اپنی چاہ کا

اسقدر دل پر تصرف کیا سبب یہ کیا میاں — بک گیا ہے کیا بتوں کے ہاتھ گھر اللہ کا

بسملوں کے رقص پر اس طفل کا ہے لوٹ دل — اب شہادت گاہ میں عالم ہے بازیگاہ کا

حق رسی چاہے تو ہفتاد و دو ملت سے گذر — منزلیں طے ہوں تو حج حاصل ہو سبیل اللہ کا

دیکھ کر ناف و کمر اس بت کی آتا ہے خیال — رہرو راہ عدم کو بھی خطر ہے چاہ کا

ساکن مسجد ہوا جا کر جھکا جو سرو قد — یہ مثل مشہور ہے سیدھا ہے گھر اللہ کا

عشق عارض کر رہا ہے حسن عارض کو تباہ — لوٹتا ہے لشکر شاہی اثاثہ شاہ کا

صحبت احباب یا دربار یا سرکار ہو — بات وہ کہیئے بھلا ہو جس میں خلق اللہ کا

پیاس شیدائے زنخداں کی بجھانا چاہیے — حیف ہے پیاسا جو رہ جائے کبوتر چاہ کا

آنسوؤں کا جوش یہ ذکر الٰہی میں ہوا — بن گیا سر در کنار جو الف اللہ کا

گوہر مقصد ملا بحر سخن میں ڈوب کے — تہ کو جب پہنچے تو مضمون ہاتھ آیا چاہ کا

نور ایسا دیدۂ دل کو خدا بخشے اثیر
سامنے روضہ نظر آئے رسول اللہ کا

ہم چشم ابر کیوں مژۂ تر سے ہو گیا — تھوڑی سی آبرو تھی سو وہ بھی ڈبو گیا

ہے کشور عدم میں خدا جانے سیر کیا — آیا نہ پھر کے منزل ہستی سے جو گیا

اب بلبلیں چمن میں کہاں آ گئی خزاں — تھی دھوم چار دن کی وہ ہنگامہ ہو گیا

آیا عرق تو اور بڑھائی صفائے جسم — اس گل کے بال بال میں موتی پرو گیا

آخر ہوئی خیال خط سبز میں جو عمر — سمجھا یہ میں خضر مری کشتی ڈبو گیا

بجھتا شرار آتش گل سے نہ ایک خس — پر ابر آشیانہ بلبل بھگو گیا

پیری میں آئی موت جوانی گذر گئی — جاگا تمام شب میں دم صبح سو گیا

ماتم کیا کسی نے نہ میرا تو کیا ہوا — ابر آ کے خاک گور پہ ہر سال رو گیا

احوال جس میں تھا دل گم گشتہ کا اثیر
رستے میں نامہ بر سے وہ مکتوب کھو گیا

"وصل کی شب بھی خفا وہ بت مغرور رہا — حوصلہ دل کا جو تھا دل میں بدستور رہا

عمر رفتہ کے تلف ہونے کا آیا تو خیال — لیکن اس دم کی تلافی کا نہ مقدور رہا

جمع کس دن نہ ہوئے موسم گل میں میکش — روز ہنگامہ تہ سایۂ انگور رہا

گردش بخت کہاں سے ہمیں لائی کہاں — منزلوں وادی غربت سے وطن دور رہا

راستبازی کر اگر ناموری ہے درکار — دار سے خلق میں آوازۂ منصور رہا

وہ تو ہے چرخ چہارم پہ یہ پہنچے مجلے پر — ہیچ ہے عیسیٰ سے بھی بالاتر از دور رہا

فصل گل آئی گئے صحن چمن میں سو بار — اپنے سر میں تھا جو سودا وہ بدستور رہا

جلوۂ برق تجلی نظر آیا نہ کبھی — مدتوں جا کے میں زیر شجر طور رہا

زلف و رخ دونوں میں جانے سے جدائی کے خفا — مشک وہ مشک نہ کہ نور وہ کافور رہا

غول صحرائی مرا ساتھ نہ چھوڑا شب بھر — لیکے مشعل کبھی نزدیک کبھی دور رہا

ہم بھی موجود تھے کل محفل جاناں میں امیر
رات کو دیر تلک آپ کا مذکور رہا

آسرا زیر زمیں ہے تن بے جاں کسکا — شہر بیگانہ ہے یاں کون ہے پرساں کسکا

نہ [illegible] طالب نہ پری پر مائل — تو ہیں معلوم مرے دل کو ہے ارماں کسکا

جو مداوا [illegible] کا فرہاد کا دل پیدا کر — پھر تو یہ کوہ ہے کس کا یہ بیاباں کس کا

[illegible] حال سنوں میں یہ مجھے تاب بھی ہے — ذکر کرتے ہو مرے سامنے جاناں کس کا

دامن ہر وقت ہمارا بھی ہے اغیار کا بھی — دیکھیے حصہ ہے وہ سیب زنخداں کس کا

جامۂ گل کو جو کرتی ہے معطر ہر صبح — چھو کے آتی ہے صبا گوشۂ داماں کسکا

کنگھی چوٹی سے کسی دم انھیں فرصت ہی نہیں — کیا خبر ہے کہ ہوا حال پریشاں کسکا

غنچۂ گل جو چٹکتے ہیں یہ آتی ہے صدا — عندلیبوں کے سوا ہے یہ گلستاں کسکا

صورت گل جو شگفتہ ہیں مرے زخم جگر — یاد آیا ہے مجھے چہرۂ خنداں کسکا

منچلے کھو کے دل رکھ نہیں سکتے ہیں قدم — گوئے الفت میں ہے باندھا ہوا میداں کسکا

داغ حاصل نہ ہو کیونکر تجھے بدنامی کا — سامنا تو نے کیا اے مہ تاباں کسکا

منحرف ہیں رخ بلقیس سے پریاں کیسی — آج منھ دیکھ کے اٹھا ہے سلیماں کس کا

ہو رہی ہے تری رفتار سے پامال جو خلق — تو نے سیکھا چلن اے کبک خراماں کس کا

اہل آفاق جو کرتے ہیں فلک کا شکوہ — یہ تو سمجھیں کہ یہ ہوتا ہے فرماں کس کا

اس زمانے میں نہیں نام سخاوت کا امیر
کون محسن ہے اٹھائے کوئی احساں کس کا

تب تلک سخت تھی دشوار تھا پانا تیرا — ہٹ گئے ہم تو ملا ہم کو ٹھکانا تیرا

نہ جہت تیرے لیے ہے نہ کوئی جسم ہے تو — چشم ظاہر کو ہے مشکل نظر آنا تیرا

شش جہت چھان چکے ہم تجھے ڈھونڈھ چکے دل — رگ گردن سے ہے نزدیک ٹھکانا تیرا

صاف اس جنگ میں آتی ہے ہمیں صلح کی بو — دل ملاتا ہے یہ آنکھوں کا لڑانا تیرا

دے سزا مجھ سے طلب کر نہ صفائی کے گواہ — کوئی میرا نہیں ہے سارا زمانہ تیرا

نہیں بچنے کا ترے تیر مژہ سے دل زار — بال باندھا ہے ہوا اے ترک نشانا تیرا

دست نازک سے اٹھا تیغ نہ بھاری قاتل — ہاتھ چھوٹے گا اتر جائے گا شانا تیرا

اب تو پیری میں نہیں پوچھنے والا کوئی — کبھی اے حسن جوانی تھا زمانہ تیرا

اے صدف چاک کریگا یہی سینہ اکدن — تو یہ سمجھی ہے کہ گوہر ہے یگانہ تیرا

مہندی ملتی ہو جو مشاطہ تو کہتا ہے وہ شوخ — خوب ہم جانتے ہیں آگ لگانا تیرا

دل عاشق کبھی ہوتا نہیں مژگاں سے جدا — ہے ترے تیر کے نزدیک نشانا تیرا

درد سر ہونے لگا کیجیے نالے کب تک — مشکل اے طالع خفتہ ہے جگانا تیرا

کوئے قاتل کو تو ہوتا ہے رواں اے قاصد — جان دے دم بھی عدم کو ہے روانہ تیرا

اجل آئے گی تو لیجائے گی ہمراہ ضرور — بیٹھ جائے گا نہیں کوئی بہانا تیرا

کیوں تجھے مجھ سے عداوت نہ ہو اے نفس شقی — ہم نے کہنا کبھی جھوٹوں بھی نہ مانا تیرا

دور اگلے شعرا کا تھا کبھی اور امیر — اب تو ہے ملک معانی میں زمانا تیرا

پکارتا ہے یہ ناز اس کی کبریائی کا — کہ بے اُڑا ہے مجھے شوق خود نمائی کا

قلق ہوا مجھے صیاد کی جدائی کا — یہ پوچھیے نہیں افسوس ہے رہائی کا

عزیز کیوں نہ ہو داغ اُسکی بیوفائی کا — کہ ہے صلا یہی مدت کی آشنائی کا

میں طول روز قیامت کو سن کے ڈرتا ہوں — کہ دن نہ ہو وہ کہیں یار کی جدائی کا

بغیر پہنچے ہوئے یار تک نہیں رہتا — میں مٹ کے نام مٹا دوں گا نارسائی کا

بنا دو آئینہ ہم کو بھی دیکھنے دو گے — کہ خود ہی دیکھ لے حسن اپنی خود نمائی کا

خدا کرے کہیں جلد آئے روز شادی وصل — لباس ماتمی اترے شب جدائی کا

تمام عمر ہوئی ڈھونڈتے پتا نہ لگا — ترا دہن بھی ہے کیا حرف آشنائی کا

نہ پوچھ جام میں ساقی کے کیا بھرا ہے زاہد — بھرا ہے اس میں لہو تیری پارسائی کا

ابھی تو فیصلہ ہوتا ہے سارے جھگڑوں کا — زبان تیغ سے پیغام دو صفائی کا

ہزار بار قیامت یہاں میں آئے گی — پڑھا ہے چار گھڑی دن ابھی جدائی کا

شناوران محبت تو سیکڑوں ہیں مگر — جو ڈوب جائے وہ پورا ہے آشنائی کا

جچے ہماری نگاہوں میں کیا درازی حشر — کہ طول دیکھے ہوئے ہیں شب جدائی کا

مرے نصیب یہ کہتے ہیں میرے نالوں سے — رہے خیال ہماری بھی نارسائی کا

خدا نے دل کو بنایا تھا جام استغنا — بتوں نے کاسہ اُسے کر دیا گدائی کا

رقیب طنز سے کہتا ہے آپ ہیں عاشق ہاں — یقین ہے یہ اُسے میری نارسائی کا

کھنچی وہ تیغ تو خوش ہو کے مجھ سے دل نے کہا — وہ دیکھو گھاٹ ہے دریائے آشنائی کا

بدن میں روح کو آنے سے کام کیا تھا امیر
جبین دکھانے کو آئی تھی بے وفائی کا

گلہ زباں پہ نہ لاتا تھا بے وفائی کا — امیر ڈوب گیا نام آشنائی کا

فریفتہ ہوں اس انداز دلربائی کا — کہ دل لیا تو دیا ذوق آشنائی کا

ہوا وصال جو صدمہ ہوا جدائی کا
شکستگی نے کیا کام مومیائی کا

کسی گنہ پہ کوئی قتل ہو میں کہتا ہوں
کہ اس سے جرم ہوا ہوگا آشنائی کا

میں آفتاب قیامت کو دیکھ کر سمجھا
کہ ہے یہ کوئی ستارہ شب جدائی کا

بہار آئی ہے پھر خیر ہو خداوندا
جنوں کے ہاتھ میں دامن ہے پارسائی کا

بجنس آیت سجدہ ہوئی ہے پیشانی
اثر ہے یہ تری چوکھٹ پہ جبہ سائی کا

پلٹ گیا سگ جاناں ہمارے دامن سے
لحاظ آ ہی گیا آخر آشنائی کا

وہ آزمائش شمشیر ناز کرتے ہیں
یہ خوب وقت ہے تقدیر آزمائی کا

ہمارے دل میں وہیں گدگدی ہوئی پیدا
جہاں کسی کو سنا ذوق دلربائی کا

اٹھا جو درد تو گھبرا کے میرے دل نے کہا
کہ تو بھی داغ مجھے دیگا کیا جدائی کا

گہر کے گرد بھی ہے میرے دل کا ملال
غبار میں بھی ہے عالم وہی صفائی کا

گیا تو اس کو بٹھائے ہزار پردے میں
مگر جو بیٹھنے دے شوق خود نمائی کا

پہنچ سکا نہ وہاں نامہ بر تو دل نے کہا
کہ اور شکوہ لکھو خط میں نارسائی کا

یہاں ہے ذوق اسیری میں [illegible]
وہ جانتا ہے کہ مشتاق ہے رہائی کا

کسی طرح نہ کٹا کوہ کن کے کاٹے سے
کہیں پہاڑ سے ہے سخت دل جدائی کا

اٹھو امیر نہیں ماننے کی وحشت دل
یہ عذر لنگ تمہاری شکستہ پائی کا

کیا تھا کس سے گلہ میں نے کج ادائی کا
تجھے تو شوق ہے اے جنگجو لڑائی کا

دکھاؤ جلوہ جو دعویٰ ہے خود نمائی کا
مجھے یقین نہیں آتا سنی سنائی کا

کمال حسن نے بے پردہ کر دیا ان کو
نکل پڑے یہ ہوا ذوق خود نمائی کا

ہماری آہ رسا لامکاں میں دم لیتی
مگر نصیب میں تھا داغ نارسائی کا

خدا کے گھر میں کروں جا کے شکر کے سجدے
ملے جو اذن در بت پہ جبہ سائی کا

عجب طرح کی دراندازی ہے خزاں ظالم
کہ رنگ و بو میں پڑا تفرقہ جدائی کا

سیئے جو زخم تو بولا بگڑ کے خنجر یار
لہو رلائے گا ہنسنا یہ بے حیائی کا

نقاب یار نے اُلٹی ہے حضرت ناصح
یقیں ہے فاش ہو اب پردہ پارسائی کا

تڑپ تڑپ کے گیا اس کے آستانے پر
کٹا جو سر تو بڑھا شوق جبہہ سائی کا

چلی تو ہے ہمیں صحرا کو لیکے اے وحشت
مگر خیال ہے لازم شکستہ پائی کا

سنبھل کے دیکھو اگر دیکھتے ہو آئینہ
پھسل نہ جائے کہیں پاؤں خودنمائی کا

ہے دردِ دل بھی شبِ وصل کہہ نہیں سکتا
کہ ہاتھ آئے گا پہلو اسے جدائی کا

کہیں سے ہاتھ شراب آئی ہو کہیں سے گزک
مزہ ہے کوئے خرابات میں گدائی کا

چلوں وہ چال رہِ عشق میں کہ خار تو کیا
سراغ پائیں نہ چھالے برہنہ پائی کا

وفا کے ذوق میں ہے بیخودی یہ ڈرتا ہوں
گلہ نہ منھ سے نکل جائے بے وفائی کا

گذر نہیں ہے حرم میں تو دیر کو چلیے
امیر کام کہیں بند ہے خدائی کا

نہ بے وفائی کا ڈر تھا نہ غم جدائی کا
مزہ میں کیا کہوں آغاز آشنائی کا

کہاں نہیں ہے تماشا تری خدائی کا
مگر جو دیکھنے دے رعب کبریائی کا

وہ ناتواں ہوں اگر نبض کو ہوئی جنبش
تو صاف جوڑ جدا ہو گیا کلائی کا

شبِ وصال بہت کم ہے آسماں سے کہو
کہ جوڑ دے کوئی ٹکڑا شبِ جدائی کا

یہ جوش حسن سے تنگ آئی ہے قبا اُنکی
کہ بند بند ہے خواہاں گرہ کشائی کا

کمان ہاتھ سے رکھ صیدگاہ غزالاں میں
کہ تیر صید ہے یاں دام نارسائی کا

وہ بدنصیب ہوں یار آئے میرے گھر تو بنے
سمٹ کے وصل کی شب بنے بیچ جدائی کا

ہزاروں کافر و مومن پڑے ہیں سجدے میں
بتوں کے گھر میں بھی ساماں ہے خدائی کا

تمام ہو گئے ہم پہلے ہی نگاہ میں حیف
نہ رات وصل کی دیکھی نہ دن جدائی کا

نہیں ہے مہر لفافہ پہ خط کے اے قاصد
یہ داغ ہے مری قسمت کی نارسائی کا

نقاب ڈال کے اے آفتاب حشر نکل
خدا سے ڈر یہ کہیں دن ہے خود نمائی کا

نہیں قرار گھڑی بھر کسی کے پہلو میں
یہ ذوق ہے ترے ناوک کو دلربائی کا

مری طرف سے کوئی جاکے کوہکن سے کہے
نہیں نہیں یہ محل زور آزمائی کا

کہا جو میں نے کہ میں خاک راہ ہوں تیرا
تو بولے ہے ابھی پندار خودنمائی کا

جنوں جو میری طرف ہو وہ جست خیز کرے
کہ دل ہو ٹوٹ کے ٹکڑے شکستہ پائی کا

اسیر روئیے اپنے نصیب کو ایسا
کہ ہو سپید سیہ ابر نارسائی کا

تنگی دل سے تری فرقت میں ایسا جبر تھا
ہر نفس کو میرے سینے پہ گمان قبر تھا

کیوں ہوا عاشق جفا پر گر نہ تجھکو صبر تھا
اے دل بیتاب کیا تجھ پہ کسی کا جبر تھا

نازنیں کیونکر نہ جاتے میکشی کو باغ میں
ننھی ننھی بوندیاں تھیں ہلکا ہلکا ابر تھا

تابع بت تھا ہمیں دل نے بڑا دھوکا دیا
ہم مسلماں اسکو سمجھے تھے یہ کافر گبر تھا

گلرخان دہر پر سو سو جگہ مر مر گیا
جو کھلا گل باغ میں میرا چراغ قبر تھا

تجھکو بھی اک سنگدل محبوب سے پالا پڑا
یہ مرے دل کے پھپھولے تھے یہ میرا صبر تھا

بار بار اُس کی گلی میں کیوں نہ جاتا اے اسیر
کیا کروں بے اختیاری تھی کہ دل بے صبر تھا

ظاہر یہ اتحاد سے رنگ اثر ہوا
اس گل نے پی شراب تو میں بے خبر ہوا

سرمے کی طرح چشم بتاں میں نہ گھر ہوا
میں مثل میل سرمہ عبث دربدر ہوا

اے ترک تیری تیغ ہمارا گلا کہاں
اک یہ بھی اتفاق قضا و قدر ہوا

راہ دراز کوچۂ جلاد قطع کی
قصہ ہماری زیست کا یوں مختصر ہوا

فرصت ملی نہ گردش پست و بلند سے
سوئے کبھی جو پاؤں تو دوران سر ہوا

اللہ رے نزاکت جاناں کہ شعر میں / مضموں بندھا کمر کا تو درد کمر ہوا

کچھ خاک ہو گئی جو مجھ آوارہ کی شریک / چاک اک طرف کلال کو دوران سر ہوا

سختی سے کر جو ساز تو حاصل ہو سوز عشق / پتھر نے کھائی چوٹ تو پیدا شرر ہوا

پیسا کسی کی آنکھ کی گردش نے اس قدر / میں خاک ہو کے ذرۂ گرد نظر ہوا

چلائیں بلبلیں جو چمن سے چلی بہار / نکلی دلھن جو گھر سے ہر اک نوحہ گر ہوا

نازک دلوں کو ہے سخن نرم بھی بہت / شیشے کو قطرہ قطرۂ باراں شرر ہوا

شادی نے مثل گل ہمیں دکھلائی شکل غم / ہنسنا ہمارا باعث زخم جگر ہوا

پیری میں ہے یہ ضعف کہ پلکیں بھی جھک گئیں / مرغ نگاہ طائر بے بال و پر ہوا

مضموں اگر رسا ہے تو آئیگا تا زباں / خود ہی ٹپک پڑے گا جو پختہ ثمر ہوا

ہوتی اگر نہ روح تو تھا خاک جسم میں / آئی دلھن جو گھر میں تو آباد گھر ہوا

کیا جانے نامہ بر نے کہا آ کے کیا امیر
ایسی خبر سنائی کہ میں بے خبر ہوا

دل میں جب مہماں خیال زلف جاناں ہو گیا / آنکھ میں خواب پریشاں سنبلستاں ہو گیا

اسقدر شرمندہ پیش روئے جاناں ہو گیا / مہر گھٹ کر دامن شبنم میں پنہاں ہو گیا

دل کا سکہ ہاتھ میں لانا ہے دولت کی دلیل / یہ نگینہ جس کو ہاتھ آیا سلیماں ہو گیا

کیا ہمارا گھر ہے بے احتیاج روشنی / چار جگنو جب چمک نکلے چراغاں ہو گیا

دل نہ چھوڑوں کے تڑپانے سے قاتل کا جگر / چٹکیاں رہ رہ گئیں خالی نمکداں ہو گیا

جا کے تنہا اور بھی صدمے اٹھائے باغ میں / پھول جو پھولا مجھے داغ عزیزاں ہو گیا

غیر نے اس گل کے بالوں میں کبھی کنگھی جو کی / خشک سنبل تار تار اپنا گریباں ہو گیا

ضبط غم سے حرف دولت سرخروئی کی ملی / خون ہو کر دل مرا لعل بدخشاں ہو گیا

عشق گیسو میں ہوا سامان غم سامان عیش / خواب آنکھوں میں اگر آیا پریشاں ہو گیا

اُس نے جب تیوری چڑھائی کر لیا مجھ کو شکار گوشۂ ابرو کمانِ تیرِ مژگاں ہو گیا

وجہ رسوائی نہ تھا دل میں نہ تھا جب تک عشق آ گے مضموں لفظ کے جامے میں عریاں ہو گیا

بیہوش میخواروں کا بھی شاید کوئی سیماب تھا آتشِ تر سے جو اے ساقی گریزاں ہو گیا

اوج ہمت ہے بقدر بے سروسامانی یہاں جھنڈے کی بربادِ خاک اپنی سلیماں ہو گیا

سوزِ غم میں کچھ نہ پوچھو جل کے تن کا مجھے حال جل کے یہ کاغذ شراروں سے چراغاں ہو گیا

اے جنوں کہتے ہیں اسکو اتحادِ حسن و عشق جب کھلا جوڑا ادھر یاں وہ پریشاں ہو گیا

قید میں آنے لگے جب لختِ دل اشکوں کے حلقے خانۂ زنجیر میرا روشن چراغاں ہو گیا

تیر لاکھوں کھائے میدانِ محبت میں امیر
دل تو تھا ہی شیر سینہ اب نیستاں ہو گیا

اوجِ دولت اُس پری کا سوزِ ہجراں ہو گیا داغ سر پر خاتمِ دستِ سلیماں ہو گیا

خط جو نکلا بوسۂ رخسار آساں ہو گیا کارواں آنے سے زینۂ حسن ارزاں ہو گیا

اب کہاں نشاں میرے ترے پانوں کو چھو گیا نمک ہر دہانِ زخم لب قاتل نمکداں ہو گیا

میری چشمِ تر نے ہمچشمی کا رکھتا تھا خیال پانی پانی یہ ہوا بادل کہ باراں ہو گیا

تم کھلے بالوں جو آ نکلے کبھی گلگشت کو تختۂ نرگس تہِ جہت میں سنبلستاں ہو گیا

جب بہار آئی جنوں کے ہاتھ سے مانندِ گل ٹکڑے دامن ہو گیا پرزے گریباں ہو گیا

دیکھ قاتل اپنے دیوانے کا جذبِ شوقِ قتل جب گلے سے مل گیا خنجر گریباں ہو گیا

وحشتِ گیسو میں جا نکلے سوئے صحرا جو ہم پیچ کھا کر جادۂ رہ مارِ پیچاں ہو گیا

تھا مسلماں جب تلک مشتاق کافر تھا شیخ میرا ہوا کافر تو وہ ضد سے مسلماں ہو گیا

سوزنی پر مجھ کو کانٹوں نے بٹھایا دشت میں شامیانہ سایۂ نخلِ مغیلاں ہو گیا

تنگی اُن کی بناوٹ سے ہماری جان پر پانچوں میں گوکھرو ٹانکا تو پیکاں ہو گیا

خوبرویوں سے نہیں خالی زمانہ ایکدم مہر پیدا ہو گیا جب ماہ پنہاں ہو گیا

کیا اثر ہو جو بہا یاد لب لعلیں میں اشک
گرتے گرتے آنکھ سے لعل بدخشاں ہوگیا

کیا تبسم نے ترے اے غنچۂ گل چھڑکا نمک
صحن گلشن میں ہر اک غنچہ نمکداں ہوگیا

ٹکڑے ٹکڑے ہو کے اڑ جاتا ہے آتی ہے بہار
دامن گل بھی مگر میرا گریباں ہوگیا

عشقبازوں سے پھری رہتی ہے تو اے چشم ناز
تجھ سے برگشتہ بجا ہر موئے مژگاں ہوگیا

شدت سے میں قید یوں کسی طرح ہل سکتا نہیں
قد پہ خم حلقۂ زنجیر زنداں ہوگیا

حسرتیں جوں ہوگئیں دلمیں تو لایا قتل تک
داغ دل کا لالۂ گنج شہیداں ہوگیا

جب نقاب اٹھی نگاہوں کا ہوا ایسا ہجوم
پڑ گئے پردے وہ رخ آنکھ سے پنہاں ہوگیا

اوکا اندازا سکو کہتے ہیں ہجوم درد و غم
تنگی دل سے سمٹ کر تیر پیکاں ہوگیا

کیا ہیں گلزار میں ہم وحشی نازک مزاج
نکہت گل سے دماغ اپنا پریشاں ہوگیا

گل ہوا غنچہ تو یہ اس سے صدا آئی امیر
جمع پھر ہوتا نہیں جب دل پریشاں ہوگیا

گل نیا ہر ایک نقش پائے خنداں ہوگیا
یار جس کوچے میں جا نکلا گلستاں ہوگیا

تشنگان عشق کے لب بھی نہ ہوتے پائے تر
وائے قسمت خشک وہ چاہ زنخداں ہوگیا

بوسۂ گیسو پہ اس نے ذبح کر ڈالا مجھے
ایک کافر کے لیے خون مسلماں ہوگیا

اے پری تا ایل دیکھے زلفوں میں غضب تو نے کیا
اور بھی ہم قیدیوں پر تنگ زنداں ہوگیا

ہم نے دیوان ہے یہ مضمون دل کا نہ لکھا
صفحہ صفحہ تختۂ گور غریباں ہوگیا

کوچہ کردی ہے دکھائی تیغ قاتل نے بہار
بسملوں سے اسکے ہر کوچہ گلستاں ہوگیا

چٹکیوں میں جسکی یوں اڑ گیا وہ دیوانہ ہوا
حسن سے انساں بلائے جان انساں ہوگیا

پیشانیوں تک آپ خجلت میں پسینہ عرق میں
آفتاب حشر وہ رخسار تاباں ہوگیا

ٹھہرائے دل کی یہ کثرت ہے تیرے دور میں
کوڑیوں کے مول ہر لعل بدخشاں ہوگیا

وحشیوں کی اپنی قسمت نے پھیلائے پاؤں
جب گریباں کو لگایا ہاتھ داماں ہوگیا

دیکھ کر رنگ خزاں میں باغ کے در سے پھرا
ہر نہال خشک مجھ کو چوب درباں ہو گیا

آ گیا اے چشم لیلیٰ نے یہ پیدا دشت میں
بخت مجنوں سرمۂ چشم غزالاں ہو گیا

مر گئے ایذائے فرقت سے ہوئی حاصل نجات
رفتہ رفتہ داغ مرہم درد درماں ہو گیا

کعبۂ دل کی زیارت کو طہارت تھی ضرور
تیر کو واجب وضو نے آب پیکاں ہو گیا

تیغ مجھ کو کیا مرے گھر تک کو قسمت نے دیئے
ہر ستوں ٹکڑا کھا کے نخل شاخ غزالاں ہو گیا

نامۂ اعمال ہے جب تک نہیں ملتا امیر
میرے ہاتھ آیا یہ اور میرا گریباں ہو گیا

بے نشانی کا میں اے چرخ سزاوار نہ تھا
دہن یار نہ تھا کچھ کمر یار نہ تھا

فتنہ تھا قہر تھا جلوہ ترا اے یار نہ تھا
جب تلک دل کو سنبھالوں تو نہیں دل زار نہ تھا

جب کہا اس سے شب غم کوئی غمخوار نہ تھا
درد نے اٹھ کے کہا کیا یہ گنہگار نہ تھا

کیا بلا تھی نگہ ہوش ربا ساقی کی
پھر تو آئی کہ تو کوسوں کوئی ہشیار نہ تھا

بات رکھ لی مری قاتل نے گنہگار نہیں
اس گنہ پہ مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

تاب جلوے کی نہ آئی جو کسی کو تو کہا
خوب دیکھا تو کوئی قابل دیدار نہ تھا

جوش وحشت اسے کہتے ہیں کہ آئی جو بہار
ہاتھ ڈالا تو گریباں میں کوئی تار نہ تھا

صاف دو ہاتھ سروہی کے اگر چل جاتے
پھر تمہیں مجھ سے مجھے تم سے سروکار نہ تھا

آنکھیں پھر اگئیں موسیٰ کی نہیں تو پیر طور
کچھ تجلی کے سوا پردۂ رخسار نہ تھا

لاش پر میری جو آئے تو رہے کیوں خاموش
دم اعجاز تو قفل دہن اے یار نہ تھا

وہ کھنچا گر تو کھنچا شان تھی معشوق کی
بے کھنچا تجھے اے خنجر خونخوار نہ تھا

کیا مزہ تجھ کو ملا دیجے فلک مجھ کو شکست
عہد ساقی میں نہ تھا توبہ نہ میخوار نہ تھا

خون ناحق سے جمایا تھا غضب کا لاکھا
لب معشوق سے کچھ کم لب سوفار نہ تھا

مجھ کو کیوں پیچ میں لایا دم آرائش حسن
کچھ تری زلف کا طرہ تو میں اے یار نہ تھا

وقت بد میں نہ ہوا کوئی امیرؔ آ کے شریک
یار سمجھا تھا میں جس کو وہ مرا یار نہ تھا

سارے جہاں کا رنج مرے دل میں آ گیا — کیا کوزہ تھا کہ جس میں یہ دریا سما گیا
کوثر کا جام بھی ترے مقتول نے پیا — پر آب تیغ کا نہ زباں سے مزا گیا
کھائے تھے داغ جسکی محبت میں سیکڑوں — وہ پھول بھی نہ وہ سر تربت چڑھا گیا
بسمل تڑپ رہے ہیں نکلتا نہیں ہے دم — ایک ہاتھ اور بھی نہ وہ قاتل لگا گیا
سامان عرس کا جو کیا یار نے تو غیر — چھپ کر نشان میری لحد کا مٹا گیا
سوجھی نئی طرح کی یہ گرمی کو رات کو — صیاد آشیانۂ بلبل جلا گیا
جاتا ہے نامہ لے کے کوئی نامہ بر تو کب — جانیکو گر کہا تو کبوتر اڑا گیا
اس بت کا دل ہلا نہ عجب کا مقام ہے — نالہ کیا تو عرش خدا تھرتھرا گیا
توڑی تڑپ کے زخمی شمشیر عشق نے — ٹانکے جو آہنی بھی رفوگر لگا گیا
موسیٰ اسی پہ دعویٰ دیدار تھا تمہیں — دیکھا جو کوہ طور پہ جلوہ غش آ گیا
ہوش و حواس جانیکا اے دل گلہ نہ کر — تو رہ گیا بلا سے جو کچھ تھا گیا گیا
ابرو کا شوق کوچۂ قاتل میں لے گیا — کعبے کے حج کو میں طرف کربلا گیا
گرمی سے گور میں جو ہوئے ہم عرق عرق — پنکھا نسیم خلد کا جھونکا ہلا گیا

نکلا خیال رخ میں نہیں دل سے دود آہ
ابر سیہ امیرؔ گلستاں میں چھا گیا

بندہ نوازیوں پہ خدائے کریم تھا — کرتا نہ میں گناہ تو گناہ عظیم تھا
باتیں بھی کیں خدا نے دکھایا جمال بھی — اللہ کیا نصیب جناب کلیم تھا
کیوں تیغ ناز بھول گئی مجھ کو وقت قتل — میں بھی تو اک نیاز گزار قدیم تھا
مانگا جو میرے دلکو در گوش یار نے — دینے ہی بن پڑا کہ سوال یتیم تھا

کیا رنگ اُسکے جاتے ہی گھر کا بدل گیا
دوزخ ہے آجکل جو ریاضِ نعیم تھا

ہم سے جو وہ کھنچا یہ گلے سے لپٹ گیا
قاتل سے بڑھ کے خنجرِ قاتل کریم تھا

کیا کیا نہ آفتوں کے رہے ہم کو سامنے
یارب شباب تھا کہ بلائے عظیم تھا

دنیا میں کچھ قیام نہ سمجھو کرو خیال
اس گھر میں تمسے پہلے بھی کوئی مقیم تھا

اب کون ہے جو منزلِ الفت میں ساتھ دے
دل بھی چھٹا رفیق جو اپنا قدیم تھا

پہنچے تو ہم بھی جلوہ گہ یار میں مگر
وہ اک قدم بڑھا ہوا پائے کلیم تھا

لاتی کبھی ہمارے قفس تک بھی بوئے گل
ٹوٹا ہوا نہ پانوں ترا اے نسیم تھا

ہوتا نصیب کے ہمیں نقد عیش کیا
زیرِ زمیں بھی دورِ سپہر لئیم تھا

کیا چاہتا میں فیض کرانجم سے آسماں
اک تودۂ بلند عظامِ رمیم تھا

جس دن تھا میں چمن میں ہوا خواہِ گل امیر
نامِ صبا کہیں نہ نشانِ نسیم تھا

وہ دن گئے کہ ہم میں بھی فیضِ عمیم تھا
محفل میں شمع تھا میں چمن میں نسیم تھا

کچھ ان کو زیبِ گوش کی حاجت نہ تھی مگر
منظور پرورش تھی کہ گوہر یتیم تھا

آنکھیں تھیں اپنی نورِ تجلی سے آشنا
جس دن نہ طور تھا نہ وجودِ کلیم تھا

تیرے مریضِ غم کی نہیں آج کچھ خبر
سنتے ہیں کل تو حال نہایت سقیم تھا

دنیا کا حال اہلِ عدم ہے یہ مختصر
اک دو قدم کا کوچۂ امید و بیم تھا

ہم اپنی دھن میں مست تھے کیا جانیں حشر میں
کس سمت کو جناں تھا کدھر کو جحیم تھا

سامانِ عفو کیا میں کہوں مختصر یہ ہے
بندہ گناہگار تھا خالق کریم تھا

آخر جو خم میں بیٹھ رہا مثلِ دُردِ مے
تھی کچھ تو مصلحت کہ فلاطوں حکیم تھا

واقف وہ حال سے ہو جو رکھتا ہو کچھ غرض
کیا جانیں ہم بخیل کہ حاتم کریم تھا

غش مجھکو وصل میں نہیں آیا تھا اے پری
سرمست بوئے گیسوئے عنبر شمیم تھا

گلگشت میں نقاب اُلٹے وہ رخ سے کیا
شرم آتی تھی صبا سے لحاظ نسیم تھا

رنگ چمن بہار میں بلبل سے پوچھئے
گل کا زمیں پہ پانوں نہ شکل نسیم تھا

الفت کی دل جلوں کو وہاں غنچہ آگئی
خس خانہ تھا کہ طبقۂ نار جحیم تھا

کرتا میں دردمند طبیبوں سے کیا رجوع
جس نے دیا تھا درد بڑا وہ حکیم تھا

دامان گل کو خود نہ چھوا ورنہ اے امیر
کچھ ڈر صبا کا ہم کو نہ خوف نسیم تھا

دل اپنا زیر سایۂ امید و بیم تھا
جس دن جحیم تھا نہ ریاض نعیم تھا

سوراخ کیوں ہو سینۂ گوہر میں اے فلک
بتلا تو ہم کو کون گناہ یتیم تھا

محشر میں لقمہ میں نہ ہوا کی خدا نے خیر
مدت سے در نہ کھولے ہوئے منہ جحیم تھا

تیری دوا سے اور مرا درد بڑھ گیا
شاید مرض سے جانا نہ تھے اے حکیم تھا

کیا جانیں کس غریب کی آئی تھی در پہ لاش
ہنگامہ کل جو ان کی گلی میں عظیم تھا

خود کہہ رہا تھا شوق میں گستاخ دل مرا
اصرار قوم سے جو کلیم تھا

قاتل کے خط سے قتل کا ہوتا نہ کیوں یقیں
عنوان نامہ آیۂ ذبح عظیم تھا

کیسی شفا مرض میں کہ الٹی ہوئی دوا
سمجھے نہ ہم رقیب ہمارا حکیم تھا

تلخی زبان دوست سے دیتی ہے کیا مزہ
شیریں تھا فتنک جو کلام کلیم تھا

ہم راز تب مزار میں پہنچے کہ کچھ نہ تھے
دل کو جو خوف جمع عظام رمیم تھا

کیسا سوال دید جو ہم پہنچے طور پر
سوزاں کہیں شجر تو کہیں غش کلیم تھا

روشن ہے آفتاب سے اعجاز مصطفےٰ
انگلی اٹھی کہ ماہ فلک پر دو نیم تھا

کب مجھ سے نخل سایہ چھپے پنجتن کے پانوں
پانچوں سواروں میں میں بزیر گلیم تھا

اس گل کا وصف چشم سے سنتا میں کیا امیر
نرگس کا پھول باغ میں گوشِ صمیم تھا

ہر جگہ جوشش محبت کا نیا عالم ہوا — آنکھ میں آنسو جگر میں داغ دل میں غم ہوا

میرے مرتے ہی زمانہ درہم و برہم ہوا — یہ خوشی پھیلی کہ شادی مرگ اک عالم ہوا

موت آئی درد فرقت سے ہمیں صحت ہوئی — بڑھتے بڑھتے زخم آخر زخم کا مرہم ہوا

آنسوؤں سے بیقراری میں ذرا تسکین تھی — بڑھ گیا اور اضطراب دل جو رونا کم ہوا

روز کی فریاد سے تنگ آگئے تھے اسقدر — خلق کو مژدہ ہمارا نالۂ ماتم ہوا

میں ترا ممنون ہوں اے گریۂ بے اختیار — جب پڑی مجھ پر مصیبت میں شریک غم ہوا

راز داری محبت کا میں کیا دعوی کروں — جس قدر محرم ہوا اُتنا ہی نامحرم ہوا

وائے قسمت رہ گئی حسرت ہی لطف یار کی — بڑھ گئی شان تغافل کچھ جو غصہ کم ہوا

لیتے اپنے حال ابتر کے جو محشر میں کھلے — دفتر اعمال مردم درہم و برہم ہوا

چارہ گر کو لائے ہیں احباب درماں کے لئے — لو مرا زخم جگر بھی قابل مرہم ہوا

کیا دوا کی بیٹھ کر پہلو میں اُسکے تیر نے — درد دل بھی گھٹ گیا درد جگر بھی کم ہوا

مار ڈالا روز اول کی نگاہ لطف نے — ایک دم کا عیش ظالم عمر بھر کا غم ہوا

شور محشر بھی ہوا اگر شریک تعزیت — دھوم سے میرے دل مرحوم کا ماتم ہوا

رات بھر رویا کیا بے یار میں گلزار میں — صبح کو پھولوں سے رخصت صورت شبنم ہوا

ہوش کی بھی اب تو کوئی بات کرتے ہیں امیر
کچھ تو وحشت نے کمی کی کچھ تو سودا کم ہوا

ہو نہیں وہ غم دوست جب غم نے کمی کی غم ہوا — کی شکایت چرخ سے جس روز صدمہ کم ہوا

کس طرح مکنون دل اظہار کرتا پیش یار — آج تک میں خود نہ اپنے راز کا محرم ہوا

لذت شرم گنہ تھی کب فرشتوں کو نصیب — یہ مزا چکھنے کو پیدا خلق میں آدم ہوا

میرے زخموں کی ہنسی پر تم کو رونا آگیا — یہ خوشی بھی کچھ خوشی تھی جسکا ایسا غم ہوا

تیرا دیوانہ جو آیا یہ ملائک نے کہا — انتظام عرصۂ محشر بھی لو برہم ہوا

نوک خنجر ہو کہ اے سفاک پیکان تیر کا
جو مرے پہلو میں آبیٹھا مرا ہمدم ہوا

اونچے اونچوں کی مرے گل نے منادی آبرو
چشمۂ خورشید گھٹ کر قطرۂ شبنم ہوا

ذبح کرتے ہو مجھے ایجان ڈھیلے ہاتھ سے
واہ اچھے وقت میں غصہ تمہارا کم ہوا

تیغ زنگ آلود خنجر کند قاتل خردسال
کیا کہوں مقتل میں وقت قتل کیا عالم ہوا

تنگ آ آ کر دعا فرقت میں مانگی موت کی
حسرتیں بگڑیں مزاج آرزو درہم ہوا

جان قالب میں ہے مضطر دم خفا دل بیقرار
موت ہی آئی مزاج یار کیا برہم ہوا

دل جگر دونوں تھے میری جان کے دشمن مگر
جو گیا پہلو سے میرے مجھ کو اس کا غم ہوا

رہ گئے وہ دو قدم چل کر مری میت کیساتھ
پانوں میں پھندا الٹ کر گیسوئے پرخم ہوا

روکنا فرقت میں اشکوں کا نہیں اچھا امیر
چار دن کے ضبط میں دیکھو تو کیا عالم ہوا

وہ کون تھا جو خرابات میں خراب نہ تھا
ہم آج پیر ہوئے کیا کبھی شباب نہ تھا

شب فراق میں کیوں یارب انقلاب نہ تھا
یہ آسمان نہ تھا یا یہ آفتاب نہ تھا

لحاظ ہم سے نہ قاتل کا ہو سکا دم قتل
سنبھل سنبھل کے تڑپتے وہ اضطراب نہ تھا

اُسے جو شوق سزا ہے مجھے ضرور ہے جرم
کہ کوئی یہ نہ کہے قابل عذاب نہ تھا

شکایت اُن سے کوئی گالیوں کی کیا کرتا
کسی کا نام کسی کی طرف خطاب نہ تھا

نہ پوچھ عیش جوانی کا ہم سے پیری میں
ملی تھی خواب میں وہ سلطنت شباب نہ تھا

دماغ بحث تھا کس کو وگرنہ اے ناصح
دہن نہ تھا کہ دہن میں مرے جواب نہ تھا

وہ کہتے ہیں شب وعدہ میں کسکے پاس آتا
تجھے تو ہوش ہی اے خانماں خراب نہ تھا

ہزار بار گلا رکھ دیا تہ شمشیر
میں کیا کروں تری قسمت ہی میں ثواب نہ تھا

فلک نے افسر خورشید سر پہ کیوں رکھا
سبوئے بادہ نہ تھا ساغر شراب نہ تھا

غرض یہ ہے کہ ہو عیش تمام باعث مرگ
وگرنہ میں تو کبھی قابل خطاب نہ تھا

سوال وصل کیا یا سوال قتل کیا
وہاں نہیں کے سوا دوسرا جواب نہ تھا

ذرا سے صدمے کی تاب اب نہیں وہی ہم ہیں
کہ ٹکڑے ٹکڑے تھا دل اور اضطراب نہ تھا

کلیم شکر کرو حشر تک نہ ہوش آتا
ہوئی یہ خیر کہ وہ شوخ بے نقاب نہ تھا

یہ بار بار جو کرتا تھا ذکر مے واعظ
پئے ہوئے تو کہیں خانماں خراب نہ تھا

امیر اب ہیں یہ باتیں جب اٹھ گیا وہ شوخ
حضور یار کے منہ میں ترا جواب نہ تھا

کہا جو میں نے کہ یوسف کو یہ حجاب نہ تھا
تو ہنس کے بولے وہ منہ قابل نقاب نہ تھا

شب وصال بھی وہ شوخ بے حجاب نہ تھا
نقاب الٹ کے بھی دیکھا تو بے نقاب نہ تھا

لپٹ کے چوم لیا منہ مٹا دیا انکار
نہیں کا انکے سوا اسکے کچھ جواب نہ تھا

مرے جنازے پہ اب آتے شرم آتی ہے
حلال کرنے کو بیٹھے تھے جب حجاب نہ تھا

نصیب جاگ اٹھے سو گئے جو پانوں مرے
تمہارے کوچے سے بہتر مقام خواب نہ تھا

غضب کیا کہ اسے تو نے محتسب توڑا
ارے یہ دل تھا مرا شیشۂ شراب نہ تھا

زمانہ وصل میں لیتا ہے کروٹیں کیا کیا
فراق یار کے دن ایک انقلاب نہ تھا

تمہیں نے قتل کیا ہے مجھے جو تنتے ہو
اکیلے تھے ملک الموت ہم رکاب نہ تھا

دعائے توبہ بھی ہم نے پڑھی تو مے پی کر
مزہ ہی ہم کو کسی شے کا بے شراب نہ تھا

میں روئے یار کا مشتاق ہو کے آیا تھا
ترے جمال کا شیدا تو اے نقاب نہ تھا

بیان کی جو شب غم کی بے کسی تو کہا
جگر میں درد نہ تھا دل میں اضطراب نہ تھا

وہ بیٹھے بیٹھے جو دے بیٹھے قتل عام کا حکم
ہنسی تھی انکی کسی پر کوئی عتاب نہ تھا

جو لاش بھیجی تھی قاصد کی بھیجتے خط بھی
رسید وہ تو مرے خط کی تھی جواب نہ تھا

سر در قتل سے تھی ہاتھ پانوں کو جنبش
وہ مجھ پہ وجد کا عالم تھا اضطراب نہ تھا

ثبات بحر جہاں میں نہیں کسی کو امیر
ادھر نمود ہوا اور ادھر حباب نہ تھا

نامہ لیکر جو کوئی کوئے بتاں سے آیا ۔۔۔ میں یہ سمجھا کہ ملک باغ جناں سے آیا

میرے گھر میں جو کوئی اسکے مکاں سے آیا ۔۔۔ پیچ اٹھا کہ میں دوزخ میں جناں سے آیا

اے جرس تو تو نہیں قافلے والوں سے جدا ۔۔۔ تیری آواز میں یہ درد کہاں سے آیا

جانتا ہوں وہ کماندار کشیدہ ہے بہت ۔۔۔ کہ کبھی تیر بھی مجھ تک نہ کماں سے آیا

اب کوئی کعبے میں دم بھر میں ٹھہر سکتا ہوں ۔۔۔ برہمن بہر طلب کوئے بتاں سے آیا

شغل رونیکا ازل میں بھی مجھے تھا ورنہ ۔۔۔ نوح کے وقت میں طوفان کہاں سے آیا

خبر مرگ مری دیر و حرم میں تو گئی ۔۔۔ نہ یہاں سے کوئی آیا نہ وہاں سے آیا

بولتا کب ہے وہ سفاک پکاروں میں ہزار ۔۔۔ کاش خنجر ہی کہے اپنی زباں سے آیا

متقیوں سے کہو للہ وہ اب کہتے ہیں کیا ۔۔۔ غش اٹھیں روزۂ ماہ رمضاں سے آیا

دیکھ کر اس رخ و گیسو کو میں حیراں ہوں امیر

شب تاریک میں خورشید کہاں سے آیا

شکل موسیٰ سامنے میرے جو تو ہو جائیگا ۔۔۔ لن ترانی میں مقام گفتگو ہو جائیگا

عشق میں تازہ دماغ آرزو ہو جائیگا ۔۔۔ رنگ اڑ کر چہرۂ عاشق سے بو ہو جائیگا

ضبط گریہ میں نہیں کرتا کہ رہتا ہے خیال ۔۔۔ سوکھکر کانٹا نہال آرزو ہو جائے گا

ہو ابل پڑنے کا ڈر کیا دوں ترے قد سے مثال ۔۔۔ سرو فوارہ کنار آب جو ہو جائے گا

ہے یہی رنگ ستم اس خال عارض کا اگر ۔۔۔ مشک کا دل ناف آہو میں لہو ہو جائیگا

ہو کمی بیشی جو یہ تاثیر حسن و عشق کی ۔۔۔ ذرے ہم ہو جائینگے خورشید تو ہو جائیگا

آرسی پر کچھ نہیں موقوف اے آئینہ رو ۔۔۔ جو تجھے دیکھے گا وہ میرا عدو ہو جائیگا

اُف نہ کر ایدل زمانہ پیس ڈالیگا تجھے ۔۔۔ کھا کے کوڑا اور ابلق تند خو ہو جائیگا

تم جو اٹھ جاؤ گے بزم عیش ہوگی بزم غم ۔۔۔ بادہ گلرنگ شیشوں میں لہو ہو جائیگا

دست قاتل سے بڑھیگا تیغ کا پانی ضرور ۔۔۔ تا کمر ہے آج کل تک تا گلو ہو جائے گا

بعد مردن شرم عصیاں سے ہوں الیا آب آب — خاک سے میری تیمم بھی وضو ہو جائیگا
میرے میخانے سے اے ساقی کہاں جائیگی عید — ماہ نو یاں ناخن دست سبو ہو جائیگا
محو آب و تاب رنداں ہوں پڑھوں کیونکر نماز — آب گوہر ہاتھ میں آپ وضو ہو جائیگا
چھا رہی ہے دل میں میرے اسقدر اے یاس تیرگی — دیکھ ظالم مفت خون آرزو ہو جائیگا

چار سو ٹکراؤں گا سر دیکھکر ابروے اسیر
فرض اس کعبے میں سجدہ چار سو ہو جائیگا

اک جہاں بسمل ترا اے تند خو ہو جائیگا — چار ہی ہاتھوں میں شہرہ چار سو ہو جائیگا
جذب پر آمادہ گر اے شوق تو ہو جائیگا — خنجر قاتل مرا طوق گلو ہو جائے گا
طاقت دیدار کا دعوی ہے اہل دید کو — فاش پردہ ہو گا بے پردہ جو تو ہو جائیگا
اے تصور مجھ سے یکجا تیرہ جاناں ہے کہاں — دل میں عکس زلف آئینے میں مو ہو جائیگا
پھوٹ میں مسجد دیکھا ساقی اگر توڑ بیچا جام — محتسب کا ہاتھ خود دست سبو ہو جائیگا
ہوں وہ میکش شیشہ مے کو گردنگا جب میں یاد — ہچکیاں لے لیکے بسمل کا گلو ہو جائیگا
میرے قلب صاف کے منہ پر نہ آئینہ چڑھے — آبرو مٹ جائیگی بے آبرو ہو جائیگا
یاس و حرماں کے اگر جھونکے ہیں فرقت میں یہی — کوئی دم میں گل چراغ آرزو ہو جائیگا
جانے عیسے ہجر میں ہو گی ہوس جلاد کی — بڑھتے بڑھتے درد دل درد گلو ہو جائیگا
کون سنتا ہے یہاں اے بت مری تیرے حضور — ختم یہ جھگڑا خدا کے روبرو ہو جائے گا
ساتھ میرا تو نہ چھوڑ اے یاس ہجر یار میں — اور بھی ویران دل بے آرزو ہو جائیگا
پھول اے بلبل نہ پھولوں پر دو روزہ ہے بہار — ایک جھونکے میں ہوا سب رنگ و بو ہو جائیگا
بھولی باتوں پر نہ بھول آج اس گل تر کے لالا — دیکھنا کل اور رنگ گفتگو ہو جائیگا
عیب اصلی عارضی زینت سے چھپتا ہے کوئی — غازہ ملنے سے نہ زنگی خوبرو ہو جائیگا
فصل گل آنے تو دو فصد و نکالیگا ہے شمار — ظرف بھر بھر جائینگے پانی لہو ہو جائیگا

خوب گلرویوں سے آتا ہی ہمارے دلکو ربط — رنگ ہیں یہ رنگ ہوگا بو ہیں بو ہو جائیگا

داغ حسرت گھر سے میں لیکر کہاں جاؤں امیر
جانتا ہوں گل چراغ آرزو ہو جائے گا

یہی جو سودا ہے تجھ حزیں کا پتا کہاں کوئے نازنیں کا — غبار ایسا نہیں کہیں کا نہ آسماں کا نہ ہی زمیں کا

یہ طرز وحشت نے رنگ باندھا کہ ہوگیا دو جہاں کو سودا — زمیں پہ جادہ فلک پہ جوزا نشان ہے چاک آستیں کا

ذرا جو کاتب کو رحم آتا تو بخت بنیاد ہی مٹاتا — درست لکھتا تو ٹوٹ جاتا قلم ہمارے خط جبیں کا

چمن ہے بلبل کے خون کا محضر گواہ ہیں سارے گل یہ سراسر — نہیں ہے یہ داغ لالۂ تر یہ نقش ہے مہر کی نگیں کا

یہ جتنے تپتے ہیں ملا وطلبیں گے نہ آسماں کے نہ ہی زمیں کے — نشاں تک مٹ گئے جبیں کے کھلا نہ مطلب خط جبیں کا

غم محبت ہے جسکا مطلب لکھے ورق [illegible] — کرے ہے جتنک بحر لبالب پتا کہاں درد تہ نشیں کا

کیا تھا کیوں دعائے باطل ہوا تھا اس تل سے کیوں مقابل — سزا ملی ہوگیا سیہ دل جو مشک نافہ غزال چیں کا

بڑھے سلیماں کے جتنے رتبے تمہاری الفت کے تھے کرشمے — یہ نقش جس دل میں جم کے بیٹھے بلند ہو نام اس نگیں کا

کہا نکالا سر کہا اسکا شہیدوں شنا نے قاتل کی ہے مروت — قلم ہوئی ہے بدن سے گردن زبان پہ نعرہ ہے آفریں کا

قریب ہے یار روز محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کیونکر — جو چپ رہیگی زبان خنجر لہو پکاریگا آستیں کا

عجیب مرقع ہے باغ دنیا کہ جسکا صانع نہیں ہویدا — ہزار ہا صورتیں ہیں پیدا پتا نہیں صورت آفریں کا

ہوا نہ دشوار جسکو مرنا اسی گلی میں تھا اپنی مرنا — نہ تھا مناسب عزیز کرنا موے پہ دو چار گز زمیں کا

لکھا جو وصف ایک گلبدن کا تو رنگ پیدا ہوا چمن کا — جو صفحہ ہے برگ یاسمن کا تو خامہ ہے شاخ یاسمیں کا

کمال احباب سے ہے شکوہ کیا نہ عرس ایک دن ہمارا — سر لحد بھی ہجوم ہوتا کبھی حسینان مہ جبیں کا

اثر ہے گیسو کا یہ تمہارے کہ حرف اگتے ہیں حرف سارے — ورق ہے دیوان میں جو ہمارے وہ تختہ ہے عطر کی زمیں کا

نہیں ہے اب ذکر رسم ماضی گنہ کی تقدیر پہ ہو راضی — لگائے درہ جو مجھکو قاضی کسی کے گیسوئے عنبریں کا

خدا سے جیتا نہ ہوشتا سا حرم میں دل کا ہے شوق بیجا — مکان کا تب پتا ملیگا کہ کچھ پتا یاد ہو مکیں کا

کہاں ہیں ایسے نصیب اپنے کہ پہنچے منزل جواب نکھیے — اڑائے نامے کے آگے پرزے کھلا لفافہ خط جبیں کا

ملا ہے جنکو دل مصفا بُرے کو بھی دیکھتے ہیں اچھا
پڑیگا عکس آئینے میں سیدھا ہزار اُلٹا ہو خط نگیں کا

جنوں کا ہمیر ہے قطع جامہ قبا کہاں کی لباس کیسا
ہمارے بازو تلک نہ پہونچا کسی طرح ہاتھ آستیں کا

کس آستانے پہ جا پڑا ہوں کہاں الٰہی میں جبہ سا ہوں
کہ سر نہ اٹھے ہزار چاہوں یہ ربط ہے سجدہ و زمیں کا

کہاں کا کعبہ ہے دیر کیسا بتاؤ کوچے کا اسکے رستا
میں پوچھتا ہوں پتا کہیں کا نشان دیتے ہو تم کہیں کا

امیر گھڑیوں رہی خموشی گلے سے آواز تک نہ نکلی
خیال جس رات خواب میں بھی بندھا کسی چشم سرمگیں کا

ہوا جو پیوند میں زمیں کا تو دل ہوا شاد مجھ حزیں کا
بس اب ارادہ نہیں کہیں کا کہ رہنے والا ہوں میں یہیں کا

اگرچہ پیری میں ناتواں ہیں شباب کے کچھ اثر عیاں ہیں
نہیں یہ بازو میں جھریاں ہیں نشاں ہے چین آستیں کا

فقط ہے تیرا خیال باطل کہ راستی میں ہو نام حاصل
درست اٹھے کبھی نہ ایدل جو نقش اُلٹا ہو آنگیں کا

کہیں مکرر زباں سے کتنا کوئی مخاطب نہیں ہے ملا
ہمارا اظہار غم ہے گویا سوال درویش رہ نشیں کا

کھلے ہیں یہ استخواں بیکر کہ پوست ہی پوست ہے سراسر
کلاہ کا شک ہے میرے سر پر گماں ہو بازو پر آستیں کا

جہاں میں ہیں دادرس بہت کم ازل سے پامال ہے یہ عالم
کہ لی فرشتوں نے خاک آدم بنا نہ شور ایک بھی زمیں کا

ہوا نے دے میں ہوا جو ایسا چمن میں گھر کر جو ابر آیا
سیاہ مستی میں میں یہ سمجھا جہاز ہے آب آتشیں کا

سفر مبارک ہو آخرت کا بخیر انجام ہو خدایا
جو گھر سے نکلے مرا جنازہ تو سامنا ہو کسی حسیں کا

جو شعلہ بالا سے طور چمکا چھپاک گئی جس سے چشم موسے
بجھا ہوا تھا کوئی شرارہ تمہارے رخسار آتشیں کا

کیا ہے اس مست نے کنارا سرور اب خاک ہو گوارا
لہو پیو میکشو ہمارا جو نام لو آب آتشیں کا

لحد پہ میرے نہ آئے کہدو کوئی یہ دزد کفن سے جا کر
بہ غور دیکھے نہ گور مجھ کو میں کشتہ ہوں چشم سرمگیں کا

ہوئی ہے تقدیر سے رسائی ضرور ہے قسمت آزمائی
کرینگے اس در پہ جبہ سائی نشان جبتک ہے یہ جبیں کا

جو دشت غربت میں کھینچی ایذا بندھا تصور وطن کا
بھری جو چشم غزال صحرا دکھا دیا رنگ شہر بیں کا

چمن میں غنچہ نہیں کھلا ہے وہ گل یہاں آ کے رو رہا
یہ کوئی تعویذ کھل پڑا ہے اُسی کے بازوئے نازنیں کا

اسیکا پھیلا ہے نور سارا کہاں کا خورشید عالم آرا
گرا ہوا ہے کوئی ستارہ لباس زرتار حسیں کا

حسیں جو میٹھی زباں سے مانگیں تو جان شیریں سے نذر دیں ہم
ہنسی خوشی سے جو زہر دیں وہ تو ہو ملے مجھکو انگبیں کا

جو دیکھی نرگس کی شرمساری جھڑی ہوئی آنسوؤں کی جاری
نگاہ میں پھر گیا ہماری حجاب اس چشم سرمگیں کا

عجب ہے آئینے کا مقدر کہ عکس افگن ہے چشم دلبر
قدم نکالا نہ گھر سے باہر شکار کھیلا غزال چیں کا

جو تیغ ساعد ہوئی مقابل تڑپ گئی خلق مثل بسمل
الٹ گئی صف جو تو نے قاتل الٹ دیا گوشہ آستیں کا

امیر دیکھا جو اسکا نقشہ تو نقش یوسف کا دل سے اترا
کہ نقش ثانی کے آگے ہوتا فروغ کیا نقش اولیں کا

ردیف بای موحدہ

سیکھ کر مجھ نالہ کش سے طرز افغاں عندلیب
صحن گلشن میں ہوئی ایسی خوش الحاں عندلیب

ہوں وہ عاشق قدر عارض کا جو گلشن سے چلوں
فاختہ کھینچے مرا دامن گریباں عندلیب

رحم کر یوں پھول بیدردی سے گلچیں نہ توڑ
سر پہ نالوں سے اٹھا لیگی گلستاں عندلیب

فصل گل آنے تو دو اڑ جائیگی لیکر قفس
خانۂ صیاد میں دو دن کی ہے مہماں عندلیب

برق آسا ہے فروزاں خندۂ گل باغ میں
چاہیے برسائے اب اشکوں کا باراں عندلیب

چھوڑ کر تیرے رخ رنگیں کو اے رشک چمن
گل پہ مرتی کس لیے ہوتی جو انساں عندلیب

فصل گل میں پھول دکھلائیں جو پرتو کا جمال
کیوں نہ ہو پھر دم کش با مرغ سلیماں عندلیب

عاشق کامل کو وصلت میں زیادہ ہے ملال
فصل گل میں بیشتر ہوتی ہے نالاں عندلیب

کون گل ہے جو رہے گلزار تک پر عاشق نہیں
تو وہ گل ہے جس پہ ہے سارا گلستاں عندلیب

جو پسند آجائے عاشق کو وہی معشوق ہے
سرو قمری پہ فدا ہے گل پہ قرباں عندلیب

اڑ کے گل خود شوق میں پہنچا ہے دست یار تک
کس لیے گلچیں سے ہے دست و گریباں عندلیب

تو کرے چوڑی جو اپنے ہاتھ کی گل سے جدا
مول لے دیکر زر گل دستگرداں عندلیب

شوق میں لالوں کے جائے باغ میں وہ گل اگر
لال بھی ہو خون گل میں ہو کے غلطاں عندلیب

قابوئے صیاد میں آتی کبھی ممکن نہ تھا
دام گو بنتی ترا گیسوئے پیچاں عندلیب

وہ بھی دن آئے کہ اُترے تیرے صدقے میں کبھی　　اے گل تر دل میں رکھتی ہے یہ ارماں عندلیب

فاتحہ خوانی کو جب وہ گلبدن آیا امیرؔ
بن گئے سب ساکنِ شہرِ خموشاں عندلیب

کیا ہنسی ہے گریۂ عشاقِ مضطر کا جواب　　سوچ رکھو کچھ سوالِ روزِ محشر کا جواب

درد پیا ہوگا شکستِ کاسۂ سر کا جواب　　غافلوں کو دیگی میری لاش ٹھوکر کا جواب

منھ چڑھاتا ہے مرا کیا آئینے میں دیکھ تو　　مجھ کو دیتا ہے دہن تیرا برابر کا جواب

شوق سے لکھیں مرے عصیاں فرشتے رات دن　　ایک رحمت اسکی ہے اس سارے دفتر کا جواب

ایکدن وہ میرے گھر ہے ایکدن وہ اُسکے گھر　　غیر کی قسمت بھی ہے میرے مقدر کا جواب

جب میں کہتا ہوں کہوگے کیا خدا کے سامنے　　کہتے ہیں تم کو بتادیں روزِ محشر کا جواب

نرم دل سے نرم دل ہیں سخت گو سے سخت گو　　شیشے کا شیشہ یہاں پتھر ہے پتھر کا جواب

بے زباں ہے گوش یاروں کی کڑی کہتاک سے　　اے زباں تو اُسکے بدلے دے برابر کا جواب

اُس نے خط بھیجا جو مجھ کو ڈاک پر ڈاکا پڑا　　یار کیا کرتا نہ تھا میرے مقدر کا جواب

منھ چڑھاؤ اور کا تیوری چڑھاؤ اور پہ　　آئینہ ہوں منھ پہ دونگا میں برابر کا جواب

کس لیئے ڈرتے ہو ہنگامے سے آؤ تو سہی　　پانوں کی خلخال دیگی شورِ محشر کا جواب

پھینکدو خط لکھکے قاصد سے جو تم بیزار ہو　　اُڑکے آئیگا جو ہے میرے مقدر کا جواب

منھ کی کھائی سیکڑوں بال آئینے میں پڑ گئے　　لیکے آیا تھا تری زلفِ معنبر کا جواب

رہ گیا خاموش وہ بت سیدہائی سے امیرؔ
یا نہ تھا کوئی سوالِ جانِ مضطر کا جواب

ہے خموشی ظلمِ چرخِ دیو پیکر کا جواب　　آدمی ہوتا تو ہم دیتے برابر کا جواب

جو بگولا دشتِ غربت میں اُٹھا سمجھا یہیں　　کرتی ہے تعمیر ویرانی مرے گھر کا جواب

ساتھ خنجر کے چلیگی وقتِ ذبح اپنی زباں　　جان دینے والے دیتے ہیں برابر کا جواب

سجدہ کرتا ہوں جو میں ٹھوکر لگاتا ہے وہ بت | پانوں اُسکا بڑھکے دیتا ہے مرے سر کا جواب
ابر کے لکے نہ اُلجھیں میری موج اشک سے | خشک مغزوں سے ہے مشکل مصرع تر کا جواب
وہ کھنچا تھا میں بھی کھنچ رہتا تو بنتی کسطرح | سر جھکا دینا تھا قاتل تیرے خنجر کا جواب
جیتے جی ممکن نہیں اس شوخ کا خط دیکھنا | بعد میرے آئیگا میرے مقدر کا جواب
شیخ کہتا ہے برہمن کو برہمن اُسکو سخت | کعبہ و بتخانہ میں پتھر ہے پتھر کا جواب
روز دکھلاتا ہے گردوں کیسی کیسی صورتیں | بت تراشی میں ہے یہ کافر بھی آذر کا جواب
ہر جگہ قبر گدا تکیے میں ہر جا گور شاہ | ایک گھر اس شہر میں ہے دوسرے گھر کا جواب

جلوہ گر ہے نور حق ہونے سے یکتائی امیر
سایہ بھی ہوتا اگر ہوتا پیمبر کا جواب

پلا ساقیا ارغوانی شراب | کہ پیری میں دے نوجوانی شراب
وہ شعلہ ہے ساقی کہ ریحاں کی طرح | اُڑا دیتی ہے ناتوانی شراب
کہاں بادۂ عیش تقدیر میں | پیوں میں تو ہو جائے پانی شراب
نہ لایا ہے شیشہ نہ جام و سبو | پلاتا ہے ساقی زبانی شراب
کہاں عقل برنا کہاں عقل پیر | تمیز سے ہے بہتر پرانی شراب
مرے چہرۂ زرد کے عکس سے | ہوئی ساقیا زعفرانی شراب
ہوئے مست دیکھا جو پھولوں کا رنگ | پیالوں میں تھی ارغوانی شراب
کہاں چشمۂ خضر کیسے خضر | خضر میں مری زندگانی شراب
خضر ہوں اگر میں تو جا کر پیوں | سر چشمۂ زندگانی شراب
گلستاں ہے پھولوں سے کیا لعل لعل | چلے ساقیا ارغوانی شراب
عجب ساقی گندمی رنگ ہے | کہ پرتو سے بنتی ہے دھانی شراب
رہے طاق پر پارسائی امیر | پلائے جو وہ یار جانی شراب

لائے نگار رنگ خون دل داغدار کب — آئیگی اس چمن میں الٰہی بہار کب
رویا ہمارے حال پر ابر بہار کب — بیٹھا زمیں پر اٹھ کے ہمارا غبار کب
اٹھے گا میری خاک سے یارب غبار کب — آئے گا ہاتھ گوشۂ دامان یار کب
مقتل سے وہ پھرے تو تقاضائے یہ عرض کی — حاضر ہوا اب حضور میں یہ جاں نثار کب
داغوں سے دل چمن ہے کروں ضبط آہ کا — رکتی ہے روکنے سے نسیم بہار کب
ناصح خوشی سے کون اٹھاتا ہے بار عشق — کرتا ہے کوئی آپ سے جبر اختیار کب
ٹھنڈی ہوا ہے ابر ہے ساقی ہے نہر ہے — کھیلوگے میکشو لب جو سے کا شکار کب
ہمکو ملا کے خاک میں بھی جب ہوئے نہ صاف — جائیگا پھر حضور کے دل سے غبار کب
کہتی ہے مرغ دل سے یہ وہ چشم فتنہ گر — بچتا ہے زد پہ آکے ہمارا شکار کب
کیا کیجئے گلہ کہ نہ آیا وہ دفن کو — مرنے کا میرے اُن کو ہوا اعتبار کب
میں خاک بھی ہوا تو ہوئی خاک گردباد — گردش مٹیگی اے مرے پروردگار کب
محشر میں ایک ایک سے ہم پوچھتے پھرے — آخر تمام ہوگا غم انتظار کب
آئے ہما کو بھی نہ مرے استخواں پسند — خوش ہوگا اُن کو کھا کے سگ کوئے یار کب
برہم نسیم کوچۂ جاناں ہے کس لیے — تعظیم کو اُٹھا نہ ہمارا غبار کب
جسکا دماغ ہے ترے جوڑے کی بو سے مست — سونگھے وہ بوئے نافۂ مشک تتار کب
ہم کیا سمجھ کے یار سے رکھیں امید قتل — کرتا ہے عاشقوں میں وہ ہم کو شمار کب
یارب نگاہ بھر کے وہ دیکھینگے کب ادھر — ہوگا یہ تیر میرے کلیجے کے پار کب
میں تو تڑپ تڑپ کے ہوا عشق میں تمام — آئے گا چین تجھ کو دل بیقرار کب
کیا بیکسی کا شکوہ کروں میں فراق میں — آتا نہیں ہے گریۂ بے اختیار کب
جو تجھ کو جانتے ہیں فلک کا شریک غم — کہتے ہیں شکوۂ ستم روزگار کب
مرنے کو منع ہم نہیں کرتے مگر امیر — سو مر گئے تو اُن کو ہوا اعتبار کب

ردیف تاء فوقانیہ

کیوں نہ کھٹکے مجھے جو خار ہو بربزم دوست
دوست کے دوست کا دشمن ہے جو ہے دشمن دوست

دیکھ کر ربط گل و خار یہ امید ہوئی
شاید آجائے مرے ہاتھ میں بھی دامن دوست

مثل یعقوب مری آنکھیں بھی روشن ہو جائیں
لا کسی روز صبا نکہت پیراہن دوست

طرف کعبہ نہ جا حج کے لیئے ناداں ہے
غور کر دیکھ کہ ہے خانۂ دل مسکن دوست

ملک الموت سے کہہ دو کہ نہ تکلیف کریں
مرگ آسان ہے مگر کون سنے شیون دوست

شاخ صندل پہ ہوا مار سیہ کا دھوکا
دیکھ کر کاکل پرپیچ پس دشمن دوست

اے جنوں یاں کوئی بیکار رہا جاتا ہے
یا گریباں ہے مرے ہاتھ میں یا دامن دوست

ہم تو نظارے سے محو دم خدا کی قدرت
آئینہ اور تماشائے رخ روشن دوست

رہ گیا شوق مری لاش کو پامالی کا
گرم جولاں نہ کسی روز ہوا توسن دوست

ہے وصیت کہ کفن مجھ کو اسی کا دینا
ہاتھ آجائے جو اترا ہوا پیراہن دوست

لیکے گردوں نے بنایا ہے اسی کو مہ نو
گر پڑا تھا جو کوئی نعل سم توسن دوست

عکس ہر عضو کا ہر عضو میں کیونکر نہ پڑے
کہیں آئینے سے بڑھ کر ہے صفائے تن دوست

کیوں نہ ملبوس پہ فانوس کا دھوکا ہو امیر
شمع روشن سے زیادہ ہے فروغ تن دوست

ایک ہے میرے حضر اور سفر کی صورت
گھر میں ہوں گھر سے نکل کر بھی نظر کی صورت

چشم عشاق سے پنہاں ہو نظر کی صورت
وصل سے جان چراتے ہو کمر کی صورت

ہوں وہ بلبل کہ جو صیاد نے کاٹے مرے پر
گر گئے پھول ہر اک شاخ سے پر کی صورت

جھانک کر روزن دیوار سے وہ تو بھاگے
رہ گیا کھول کے آغوش میں در کی صورت

تیغ گردن پہ کہ ہے سنگ پہ آہیں دم ذبح
خون کے قطرے نکلتے ہیں شرر کی صورت

کون کہتا ہے ملے خاک میں آنسو میرے — چھپ رہے گرد یتیمی میں گہر کی صورت

نہیں آتا ہے نظر المدد اے خضر اجل — جادۂ راہ عدم موئے کمر کی صورت

پڑ گئیں کچھ جو مرے گرم لہو کی چھینٹیں — اڑ گیا جوہر شمشیر شرر کی صورت

تیری دادی غربت میں بنے گی اک دن — اور کوئی نظر آتی نہیں گھر کی صورت

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے — تب نظر آتی ہے اک مصرع تر کی صورت

آفت آغاز جوانی ہی میں آئی مجھ پر — بجھ گیا شام سے دل شمع سحر کی صورت

جلوہ گر بام پہ وہ مہر لقب ہے شاید — آج خورشید سے ملتی ہے قمر کی صورت

دہن یار کی توصیف کڑی منزل ہے — چست مضمون کی بندش ہو کمر کی صورت

نو بہار چمن غم ہے عجب روز افزوں — بڑھتی جاتی ہے گرہ دل کی ثمر کی صورت

ہوں بگولے کی طرح سے میں سراپا گردش — رات دن پانوں بھی چکر میں ہیں سر کی صورت

بارش سنگ حوادث ہو نہ کس طرح امیر
آہ ہے شکل شجر اشک ثمر کی صورت

رنگ فق صبح کو کیوں ہو نہ سحر کی صورت — پھرتے ہیں شام سے شب بھر وہ قمر کی صورت

دل شکستہ میں وہ ہوں خط جو کبوتر کو دیا — گر پڑا اڑتے ہی ٹوٹے ہوئے پر کی صورت

ہوش اڑے تھے تو اڑے تھے خبر وصلت سے — نیند کیوں اڑ گئی آنکھوں سے خبر کی صورت

چمن دہر سے کیوں قطع نہ ہو نخل مراد — پتا پتا نظر آتا ہے تبر کی صورت

جھک گیا بار محبت کے اٹھانے کے لئے — ابھی کھنچ بھی نہ چکی تھی مرے سر کی صورت

دیکھتے ہی مجھے جو رنگ کیا قاتل نے — تیغ ابرو بھی چلی تیر نظر کی صورت

سایہ آسا ترے کوچہ میں ہو سب سے مجھے رسم — راہ دیوار بھی دیگی مجھے در کی صورت

باندھ رکھ کیسے گرہ میں کہ بہت تھوڑی ہے — آبرو ہے جو خداداد گہر کی صورت

رات دن کعبۂ دل میں ہے بتوں کا مجمع — کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت

شکوہ کس کس کا الٰہی میں شب ہجر کروں
منھ چھپایا ہے اجل نے بھی سحر کی صورت

اس نزاکت پہ میں سو جان سے صدقے قاتل
ہاتھ بھی تیغ لچکتی ہے کمر کی صورت

وہ تہیدست ہوں مذکور تمتع کا ہے کیا
صورت گل بھی نہ دیکھی کبھی زر کی صورت

طرفہ آنکھوں کو دکھاتی ہے تماشا تری بزم
پتلیاں دوڑتی پھرتی ہیں نظر کی صورت

عمر گذری ہے مری وادی غربت میں مگر
اب تلک یاد ہے کچھ کچھ مجھے گھر کی صورت

شہپر شوق ہی کافی ہے کبوتر کیسا
اڑ کے نامہ مرا پہونچیگا خبر کی صورت

سینچ اے دیدۂ تر مزرع دل کو ایسا
نخل ماتم بھی پھلے پھولے شجر کی صورت

تیر ہیں چین سے یاروں کی گذرتی ہے امیر
پانوں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں گھر کی صورت

بات کرنے میں تو جاتی ہے ملاقات کی رات
کیا بڑی بات ہے رہ جاؤ یہیں رات کی رات

ذرے افشاں کے نہیں کرمک شب تاب سے کم
ہے وہ زلف عرق آلود کہ برسات کی رات

زاہد اس زلف میں پھنس جائے تو اتنا پوچھوں
کہیئے کس طرح کٹی قبلۂ حاجات کی رات

شام سے صبح تلک چلتے ہیں جام مے عیش
خوب ہوتی ہے بسر اہل خرابات کی رات

وصل چاہا شب معراج تو یہ عذر کیا
ہے یہ اللہ و پیمبر کی ملاقات کی رات

ہم مسافر ہیں یہ دنیا ہے حقیقت میں سرا
ہے توقف ہمیں اس جا تو فقط رات کی رات

چل کے اب سو رہو باتیں نہ بناؤ صاحب
وصل کی شب ہے نہیں حرف و حکایات کی رات

لیلۃ القدر ہے وصلت کی دعا مانگ امیر
اس سے بہتر ہے کہاں کوئی مناجات کی رات

بڑھ کے کچھ کعبے سے بھی ہے عزو شان کوئے دوست
ہیں غزالان حرم صید سگان کوئے دوست

کیا زمیں پکڑی ہے ظالم نے میان کوئے دوست
چھٹ پڑے دشمن پہ یارب آسمان کوئے دوست

دور سے آئے ہیں ہم اے ساکنان کوئے دوست
دو جگہ ہمکو بھی تھوڑی سی میان کوئے دوست

کی شفقت جسنے پہنچادہ میان کوئے دوست | معتکف جلہ نشیں ہیں ساکنان کوئے دوست
باغ جنت پر بھی دیتا ہوں اسے ترجیح میں | کون ہے مجھ سے زیادہ ورزبان کوئے دوست
رہتے ہیں تسبیح میں تقدیس میں تہلیل میں | قدسیوں سے کم نہیں ہیں سالکان کوئے دوست
الفلاک مثل نرگس دیر سے ہے چشم شوق | جلد دکھلا دے بہار بیخزان کوئے دوست
جھک گئی گردن گریباں کیطرف جب وقت فکر | نحن واقرب سے ملا ہمکو نشان کوئے دوست
ہے یقیں ہو رجعت خورشید سے جلدی سحر | حکم حیدر ہے صدائے پاسبان کوئے دوست
گلشن جنت کی کیا پروا ہے اے رضواں ہمیں | ہیں جو مشتاق بہشت جاودان کوئے دوست
بلبلوں کے چہچہے جب باغ میں جا کر سنے | یاد آئے ہمکو کیا کیا پاسبان کوئے دوست
اے ہما بیفائدہ تو نے قدم رنجہ کیا | مستحق ان ہڈیوں کے ہیں سگان کوئے دوست
دیکھوں اے واعظ کسے سنتے ہیں دلسے سامعیں | وصف تو فردوس کا کر میں بیان کوئے دوست
جب کھلا تفسیر سے مضمون جنات نعیم | میں یہ سمجھا ہے یہ قرآں میں بیان کوئے دوست
میرے اشکوں سے جو دریا موجزن ہے رات دن | مردم آبی بنے ہیں رہروان کوئے دوست
ہے نیا عالم ہی اس عالم سے وہ عالم جدا | اور ہی کچھ ہیں زمین و آسمان کوئے دوست
جب قدم رکھا زمیں پر آسماں پر جا پڑا | بارہا ہم نے کیا ہے امتحان کوئے دوست
نامہ بر میں جانتا ہوں پر بتا سکتا نہیں | دل میں ہے لب تک نہیں آتا نشان کوئے دوست

چاہتے ہو داب لو اس کو بغل میں اے امیر
بوستاں سعدی کی ٹھہرا بوستان کوئے دوست

ردیف ثائے مثلثہ

گریہ بے سود ہے نالے دل ناشاد عبث | دادرس کوئی نہیں شکوۂ بیداد عبث
کھینچ گئی روح بدن سے تری شمشیر کیساتھ | دوسرا وار لگانے کا ہے جلاد عبث

ایک رنگ آتا ہے یاں ضعف سے اک جاتا ہے — رنگ بھرنا مرے نقشے میں ہے بہزاد عبث
بندہ ہوں تیری محبت کا میں جاؤنگا کہاں — بند کرتا ہے قفس میں مجھے صیاد عبث
ایک مشتاق شہادت بھی تو جوہر نہ ہوا — تجھ میں جوہر ہیں یہ اے خنجر فولاد عبث
وہ گل آیا ہے نہ آئیگا کبھی گلشن میں — سرو قد اٹھتے ہیں تعظیم کو شمشاد عبث
داد بھی دیگا وہی جس نے یہ کی ہے بیداد — دوڑتی پھرتی ہے ہر سو مری فریاد عبث
لاکھوں گھر اور ہیں دل میں مرے کیا رکھا ہے — کرتی ہے خانہ خرابی اسے برباد عبث
عمر رفتہ پہ تاسف سے نہیں کچھ حاصل — وہ ہمیں بھول گئے کرتے ہیں ہم یاد عبث
سنکے درد دل عشاق یہ کہتا ہے وہ بت — بندے اللہ کے ہو مجھسے ہے فریاد عبث
بال بال اسکا گرفتار بلا ہوتا ہے — بندۂ عشق کو سب کہتے ہیں آزاد عبث
جان دی کام میں معشوق کے سب کچھ پایا — کون کہتا ہے کہ تھی محنت فرہاد عبث

ابتدا تک رہے پابند شریعت کے امیر
ظاہری قید سے گھبراتے ہیں آزاد عبث

ردیف جیم

ہمنے سے تیرے پاس ہوئی مجھکو یار آج — کل تک تو استقامت کا ہے انتظار آج
مجنوں کی قبر سے جو اٹھا پھر غبار آج — گذرا ادھر سے کیا کوئی محمل سوار آج
تم بھی بناؤ کرکے چلو سیر باغ کو — نکھرا ہوا ہے رنگ عروس بہار آج
قاتل جو یوں ہیں روز ترقی ہے حسن کی — کل تک ہوئے تھے قتل مریں گے ہزار آج
ہاں سچ ہے قید بوسۂ گیسو کی ہے سزا — کل کا نکالتے ہیں وہ مجھ سے غبار آج
کل تک تو میرے سایے سے تم بھاگتے تھے دور — بیٹھے ہو پاس آکے کہو کیا ہے یار آج
حسرت سے بعد مرگ بھی آنکھیں کھلی رہیں — سمجھے تھے ہم تمام ہوا انتظار آج

مدِ نظر بتوں کو مرا امتحاں ہے اب — رہ جائے آبرو مری پروردگار آج

قاضی برہنہ سر ہے تو زخمی ہے محتسب — شاید کہ پی گئے ہیں بہت بادہ خوار آج

مشتاقِ قتل کون ہوا رات کو نثار — کھدتا ہے تیرے کوچے میں کس کا مزار آج

ہمدم دراز ہے شبِ فرقت تو غم نہیں — شب بھر رہے فسانۂ گیسوئے یار آج

کھینچے ہوئے ہیں تیغ وہ بڑھ بڑھ کے رکھ قدم — اے دل یہی تو وقت ہے ہمت نہ ہار آج

روتا ہے باغبان درِ گلشن پہ زار زار — شاید چمن سے ہوتی ہے رخصت بہار آج

کانٹوں میں لیچلا ہے جنوں مجھ کو کھینچتا — باقی رہے گا ایک نہ دامن میں تار آج

کل تک انھیں بھی صاف مٹا دیگا آسماں — باقی کہیں کہیں ہیں جو نقش و نگار آج

قاتل نے ہاتھ روک لیا کیا غضب کیا — مایوس ہو گیا دلِ امیدوار آج

رہ رہ کے ہچکیاں مجھے آتی ہیں کیوں امیر
کرتے ہیں یاد کیا وہ مجھے بار بار آج

گلگشت کر رہا ہے جو وہ گلعذار آج — پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج

پھولیگا خون سے دشت میں پھر لالہ زار آج — چھالوں سے چھیڑ کرتی ہے پھر نوکِ خار آج

بولے وہ عکس دیکھ کے چشمِ سیاہ کا — آئینہ کھیلتا ہے ہرن کا شکار آج

تڑپا رہی ہے ہجر میں لذت وصال کی — کل پی تھی جو شراب ہے اسکا خمار آج

جاگا ہوں عمر بھر کا ذرا اب تو سو رہوں — کہدو رہے خموش چراغِ مزار آج

میری تڑپ کو دیکھ کے ایسی ہے بے قرار — مشتاقِ صبح خود ہے شبِ انتظار آج

جھنجھلا کے بوسۂ لبِ جاں بخش پر کہا — کچھ موت تو نہیں ترے سر پر سوار آج

حوریں جناں میں بیٹھی ہیں دامن سمیٹ کر — اُٹھا ہے کسکی خاک سے یا رب غبار آج

گرمِ خرام رات کو ہوگا لحد پہ یار — ہر نقشِ پا بنے گا چراغِ مزار آج

بسمل نظر سے راہ میں لاکھوں ہیں مرغِ دل — گھر بیٹھے آپ کھیل رہے ہیں شکار آج

منظور کس کا قتل ہے تیغ نگاہ سے — پھر پھر کے دیکھتے ہو کسے بار بار آج
میکش ہیں زیر سایۂ انگور نالہ کش — ساقی چمن میں تیری پڑی ہو پکار آج
وہ کیا شب فراق میں کوئی نہ آئے گا — بیفائدہ ہے موت کا بھی انتظار آج
پہلو میں غیر کے ہے مقرر وہ جان جاں — دل کو کسی طرح نہیں آتا قرار آج
کل تک سواری آئے یقیں ہو بہار کی — نکلا ہے پیش خیمۂ ابر بہار آج
سر پہ ہے ابر ساقی و مطرب ہیں سامنے — اللہ رے جوش رحمت پروردگار آج
قدموں پہ اُسکے ہمکو تڑپ کر گرا دیا — کیا کام آگیا ہے دل بے قرار آج
کل تک جو کچھ دکھایا ہو دیکھا ہو دیکھئے — دکھلائے کیا مشیت پروردگار آج

روتے ہیں پھوٹ پھوٹ کے کیوں آبلے امیر
دیکھو تو ٹوٹی ہے کوئی کیا نوک خار آج

جلے تمہارے رخ آتشیں سے دامن موج — یہ شعلہ وہ ہے جو بجھائے برق خرمن موج
یہ انتظار ہے ساحل کس کے آنیکا — سر حباب ہے اونچا بلند گردن موج
خیال زلف میں کرتے ہیں ہم تری کا سفر — لپٹ نہ جائے کہیں اُڑ کے مار رہزن موج
یہ خوف ہے تری ابرو کی تیغ کا قائل — کہاں جھک نہیں جاتا ہو رعشۂ تن موج
عبث ہے تجھ کو قریبوں سے چشم دادرسی — سنے نہ بحر میں گوش حباب شیون موج
ہمارے رونے پہ آتی نہیں کسے رقت — حباب روتے ہیں آنکھوں پہ رکھ کے دامن موج
یہ خوف ہے تری تیغ نگہ کا دریا میں — کہ چشم مردم آبی ہے زیر جوشن موج
نقط نہ دیدۂ تر سے نگوں ہو چشم حباب — خمیدہ شرم مژہ سے ہوئی ہو گردن موج

ڈبو رہا ہے مجھے بحر کس خطا پہ امیر
حباب کا نہ مخالف ہوں میں نہ دشمن موج

دینار کی نہ ہم کو درم کی ہے احتیاج — بس تیری اک نگاہ کرم کی ہو احتیاج

خط عذار یار رقم بے رقم ہوا ۔۔۔ اس خط کو کیا دوات و قلم کی ہو احتیاج
دل انکے کیف مے میں ہیں جام جہاں نما ۔۔۔ کب میکشوں کو ساغر جم کی ہے احتیاج
اشکوں کیساتھ عشق میں لازم ہے آہ بھی ۔۔۔ جو ہو سیاہ اسکو علم کی ہے احتیاج
ہم سینچتے ہیں آنسوؤں سے اپنی کشت کو ۔۔۔ اے ابر کسکو تیرے کرم کی ہے احتیاج
بے احتیاج کوئی نہیں اس جہان میں ۔۔۔ ناوک کو پر کی تیغ کو دم کی ہو احتیاج
ہر سنگ سجدہ گاہ ہے شوق سجود میں ۔۔۔ ساجد کو دیر کی نہ حرم کی ہو احتیاج
کب بھوک میں ہوں طالب نان تجھسے اے فلک ۔۔۔ ہاں ہو اگر تو سنگ شکم کی ہو احتیاج
وعدہ کیا ہے اس نے تو آئے گا وہ امیر
کچھ اُس سے قول کی نہ قسم کی ہو احتیاج

ردیف حائے حطی

آزماؤ دل کو صاحب آزمانے کی طرح ۔۔۔ کروٹیں تم تو بدلتے ہو زمانے کی طرح
دیدۂ دلمیں مرے رکھا ہے کیا تخم اشک ۔۔۔ رنگ پیدا کر زمیں میں گرکے دانے کیطرح
صورت آئینہ ایدل تا کجا دید ار رخ ۔۔۔ خاک چھان اب کوچۂ گیسو میں شانے کیطرح
درد دل اول تو وہ عاشق کا سنتے ہی نہیں ۔۔۔ اور جو سنتے ہیں تو سنتے ہیں فسانے کیطرح
ناوک انداز نگہ اچھی نہیں یہ تاک جھانک ۔۔۔ اڑ نہ جائے دیکھنا کوئی نشانے کیطرح
بادہ خوار و تمکو کیا خورشید محشر کا ہے خوف ۔۔۔ چھا رہا ہے ابر رحمت شامیانے کی طرح
جب کبھی آتا ہے دلمیں تیری چوٹی کا خیال ۔۔۔ چوٹ پڑتی ہے جگر پر تازیانے کی طرح
چشم فتاں اُٹھنے کبھی ہے اگر ارشاد ہو ۔۔۔ ہم بھی کچھ تیر نگ دکھلائیں زمانے کیطرح
اکبار اے برق تکلیف اور کر جھگڑا مٹے ۔۔۔ پھونک دے مجھکو بھی میرے آشیانے کیطرح
تم تو آتے ہی قیامت کرتے ہو صاحب بپا ۔۔۔ دلمیں آتے ہو تو آؤ گھر میں آنکی طرح

اے جنوں اب اور ہی دکھلا کوئی عالم وسیع — تنگ ہے مجھ پر یہ عالم قید خانے کی طرح
در سے کعبے کے نہیں اٹھتا ہے اپنا اس لئے — اسمیں بھی کچھ کچھ ہے تیرے آستانے کی طرح
چار دن کو کیسی طرح آشیاں آئے عندلیب — ڈالیوں پر کاٹ دیں دن آشیانے کیطرح
او کماں ابرو ادھر بھی سرسری کوئی نگاہ — تیر کے مشتاق ہم بھی ہیں نشانے کی طرح
دلکو آجاتا ہے یاد سوزن مژگاں سے جبین — زخم میں اچھی ہے یہ ٹانکے لگانے کی طرح

کتنے بیدرد اس زمانے کے اطبا ہیں امیر
حال بیماروں کا سنتے ہیں فسانے کیطرح

جسدن وہ رشک مہر مجھے منہ دکھائے صبح — تا روز حشر شام نہو اے خدائے صبح
پیر مغاں کی بزم میں نجت سے کہاں — جنت میں جیسے شام نہیں ہے سوائے صبح
ہنگامہ میکشی کا مناسب ہے گرم ہو — کیا سرد سرد چلتی ہے ساقی ہوائے صبح
ایسا کیا ہے چرخ نے کوتاہ روز وصل — کیا دور ہے جو شام ہو پیدا بجائے صبح
اہل جہاں بخیل ہیں ممسک ہیں نحس ہیں — اللہ مُنہ سے زشت نہ انکا دکھائے صبح
ایسا شب فراق کیا ہم نے انتظار — آنکھیں سفید ہو گئیں اپنی برائے صبح
پوچھو نہ کچھ جوانی و پیری کی سرگذشت — یہ ماجرائے شام ہے وہ ماجرائے صبح
صبح شب وصال یہ روتا ہوں میں لہو — مثل شفق ہے سرخ سراپا ردائے صبح
شادی کی رکھ امید جو غم کا ہو سامنا — بعد سواد شب ہے ظہور ضیائے صبح
مشکل سے ہوتی ہے شب فرقت اگر تمام — ڈرتا ہوں کوئی اور نہ فتنہ جگائے صبح
صورت شب وصال کی آتی ہے کب نظر — تاثیر ایک دن نہیں کرتی دعائے صبح
ہوتے ہی صبح گھر سے سدھارا وہ مہر وش — کیوں آتش شفق سے نہ مجھکو جلائے صبح
میرے جنوں کا نتیجہ خورشید میں ہے رنگ — کرتا ہے چاک چاک بخیہ قبائے صبح
بیجا ہے دخل غیر شب وصل اے امیر — دروازہ بند کیجے آنے نہ پائے صبح

ردیف خائے معجمہ

کیا کیا جلا ہے دیکھ کے رنگ شراب سرخ
غصے سے ہو گیا ہے رخ آفتاب سرخ

ہم رنگ اصل فرع نہ ہو گی کسی طرح
گل ہو ہزار سرخ نہ ہو گا گلاب سرخ

کشتہ جو تھا میں ایک بت سرخ پوش کا
ہاتھ آئی حشر میں مجھے فرد حساب سرخ

ہم دل جلوں کا سینہ ہے میخانے کا جواب
واں ہے شراب سرخ یہاں ہے کباب سرخ

رہتا ہے دل میں بادۂ گلرنگ کا خیال
ساقی رہے نہ کیوں مری چشم پر آب سرخ

غازہ جو اُسنے رات کو منھ پر لگا لیا
مانند آفتاب ہوا ماہتاب سُرخ

فرقت میں یاد وہ رخ گلگوں جو آگیا
خوں روئے اسقدر کہ ہوا فرش خواب سرخ

قاصد سمجھ گیا میں یہ ایما ہے قتل کا
شنجرف سے لکھا مجھے اُسنے جواب سُرخ

چھوئے جو اپنے دست نگاریں سے وہ نگار
یاقوت کیطرح سے ہو دُر خوش آب سرخ

چھنتا ہے نور عارض گلگوں سے اسقدر
ہو جاتی ہے سفید بھی اُسکی نقاب سرخ

اُبھرا جو اُس نگار کا جوبن شباب میں
دریائے حسن میں نظر آئے حباب سرخ

پرتو سے تیرے شان جمال و جلال کی
ہے روئے مہ سفید رخ آفتاب سرخ

مخمور آنکھیں یہ نہیں ساقی کی میکشو
بلور کی پیالیوں میں ہے شراب سرخ

خونریزیاں ٹپکتی ہیں قاتل کی وضع سے
جوڑا گلے میں سرخ کمر میں ہے داب سرخ

مہندی لگا کے ہاتھ جو دھوئے وہ گلبدن
پانی ہو کیوں نہ طشت میں مثل شہاب سرخ

مطلب نہیں اسیر کو حور و قصور سے
ساقی ہو سبز رنگ الٰہی شراب سرخ

ردیف دال مہملہ

کون اُٹھائیگا تمہاری یہ جفا میرے بعد
یاد آئیگی بہت میری وفا میرے بعد

ہوں وہ نالاں کہ ہوا سنے لئے مرنیکی خوشی
چین سے سوئیگی سب خلق خدا میرے بعد

جتنا جی چاہے بلاؤں میں پھنسا لو مجھکو
کوئی پاؤگے نہ مشتاق بلا میرے بعد

ہو وصیت مری مرقد پہ یہ لکھ دیں احباب
کہ کرے کوئی کسی سے نہ وفا میرے بعد

شکر ہے کچھ تو محبت میں ہوا ترک اثر
تیس دن اُسنے لگائی نہ حنا میرے بعد

کون ماتم میں ہو یوں دل کا جلانیوالا
گل ہوئی شمع مزار شہدا میرے بعد

ضعف میں ہے تن مجنوں بھی مہ نو لیکن
ہے وہ عالم میں تو انگشت نما میرے بعد

مرگیا ہوں میں صنم تیری فراموشی پر
یاد کرنا نہ مجھے بہر خدا میرے بعد

تھا وہ بلبل کہ جگر میں مرے کانٹا کھٹکا
چمن حسن میں جو پھول کھلا میرے بعد

خون مرا کرکے بہت ہاتھ ملے قاتل نے
نہ جما پر نہ جما رنگ حنا میرے بعد

تھی مرے دم سے فقط اس کے ستم کی تیزی
نہ رہے جوہر شمشیر جفا میرے بعد

میرے مرتے ہی ملا خاک میں یہ اوج جنوں
دشت میں کوئی بگولا نہ اُٹھا میرے بعد

نگہ ناز سے مارا نہ کسی کو اُس نے
یار سے کھنچ نہ سکی تیغ ادا میرے بعد

خوش خطوں نے نہ کسیکو بھی کیا زیر و زبر
یک قلم چھوٹ گئی مشق جفا میرے بعد

زینت محفل ارباب سخن تھا میں امیر
نہ رہی رونق بزم شعرا میرے بعد

موت بھر جاتی ہے آنکھوں میں اگر آتی ہے نیند
رات بھر ڈرسے یہی ڈر ہے مجھکو دکھلاتی ہے نیند

ہجر میں مجھ تک جو آتی ہے تو گھبراتی ہے نیند
تاک کر پلکوں کے پر آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

دیکھتا ہوں اُنکی پلکوں کو جو آجاتی ہے نیند
جان کر دیوانہ مجھسے تنکے جتواتی ہے نیند

ہجر کی شب ایک تو یوں ہی نہیں آتی ہو نیند   اور یک بیک سے ترے ناصح اُڑ جاتی ہو نیند

دردِ دل کہتا ہوں نہیں جب رات کو کہتے ہیں وہ   ختم کیجے یہ کہانی اب ہمیں آتی ہے نیند

تیرے جلنے کا اگر آنکھوں کو بندھتا ہو خیال   کر کے شب تاب بنکر صاف اڑ جاتی ہو نیند

ایکدم کو تو کرم فرما اگر ہو ہجر میں   اے اجل دیکھوں تو پھر کیونکر نہیں آتی ہو نیند

جاگتے میں جو فرشتوں کو نہیں آتا نظر   وہ تماشا خواب میں انساں کو دکھلاتی ہو نیند

جانتے ہو بند کیوں ہوتی ہیں آنکھیں وقتِ خواب   اہلِ بینش چشم پوشی تم کو سکھلاتی ہو نیند

لیٹتا ہوں روز یہ کہکر میں مشتاقِ جمال   آج دیکھوں سیر کیا کیا مجھکو دکھلاتی ہو نیند

غفلت پیری ہو اب تھی نوجوانی تک ترنگ   رات کے جاگے ہوئے کو جیسے آجاتی ہو نیند

غافلوں کو اور غافل میری صحبت نے کیا   آگئی غفلت کو غفلت نیند کی ماتی ہو نیند

ڈرتی ہو میرے سیہ خانے میں جو آتی ہوئی   موت کو ہمراہ لے لیتی ہو تب آتی ہو نیند

خواب میں ہر شب نظر آتے ہیں کیا کیا ماہرو   اخترِ طالع کو میرے روز چمکاتی ہو نیند

چشم وا ہو شام سے ہر چند دروازے کی طرح   کیا ہجوم رنج ہو آنے نہیں پاتی ہو نیند

عین غفلت میں ہیں خوش اسطرح اہلِ جہاں   جیسے ہنس پڑتے ہیں لڑکو جو آجاتی ہو نیند

سخت جاں ہوں ہجر میں پڑتی ہو گر تیغِ اجل   یوں اُچٹ جاتی ہو وہ جیسے اُچٹ جاتی ہو نیند

ہیں تو کیا محفل میں اٹھ جانے کے سو جاتے ہیں لوگ   نرم بستر پا کے کیسے پاؤں پھیلاتی ہو نیند

ہجر میں آرام کیسا ہم بھی شب بیدار ہیں   کام کیا راحت کا کیوں تکلیف فرماتی ہو نیند

ہجرِ جاناں میں جو سو غمزدوں سے آتی ہو امیر
خفتگانِ خاک کی صورت سلا جاتی ہو نیند

چشم موسیٰ کو دہے برق سرِ طور پسند   ہم کو اُس چہرۂ پر نور کا ہے نور پسند

جتنے میوے ہیں چمنِ دہر میں ہیں ان سب میں   تیرے مجروح کو ہے زخم کا انگور پسند

شکل ملتی ہے تری زلفِ سیہ سے کچھ کچھ   کیوں نہ ہو ہم کو سوادِ شبِ دیجور پسند

اور نغموں سے نہیں بزم جہاں میں کچھ کام — اپنے کانوں کو تو ہے نغمۂ منصور پسند
کاش جرّاح چھڑک دے کہیں تھوڑا سا نمک — میرے زخموں کو نہیں مرہم کافور پسند
تیری تعریف سنے ہیں کان ہمارے مشتاق — ذکر لیلیٰ کا نہ شیریں کا ہے مذکور پسند
تیرہ دل چاہیں نہ کیوں سارے جہاں میں اندھیر — شپرہ کو ہے سواد شب دیجور پسند
ہوں میں شاعر ہے مجھے شعر سے رغبت ایسی — جسطرح مست کو ہو بادۂ انگور پسند
کیوں کہی بات جو کہنے کی سزاوار نہ تھی — خود ہوا دار پہ رہنا تجھے منصور پسند
اک نظر میرے دل صاف کو دیکھے جو کبھی — آئینے کو نہ کرے وہ بت مغرور پسند
کاٹ کر راہ مرے گھر کی چلے اور طرف — یہ طریقہ نہیں مجھ کو کسی دستور پسند

تنگ آیا ہوں بہت اہل وطن سے میں امیر
کیوں نہ ہو دل کو وطن سے سفر دور پسند

آفت ہے یوں جہاں میں اہل ہوس کے گرد — ہو عنکبوت گھات میں جیسے مگس کے گرد
پھولوں کا ڈھیر روز لگاتے ہیں گلفروش — رہتا ہے پھول والوں کا میلا قفس کے گرد
گھیرے ہیں درد و غم دل نالاں کو عشق میں — یہ قافلے کا قافلہ ہے اس جرس کے گرد
ساقی وہ بادہ خوار ملامت پسند ہوں — ساغر بکف پھرا ہوں میں برسوں عسس کے گرد
گھیرے ہیں تیغ یار کو ایذا کشان عشق — مظلوموں کا ہجوم ہے فریاد رس کے گرد
دوران سر ہیں الفت لب کا یہ حکم ہے — بیمار بن کے پھرے مسیحا نفس کے گرد
سر پھر گیا کسی کی پلک یاد آگئی — دیکھا کبھی بھنور کو جو چکر میں خس کے گرد
عالم تمام بحث عقول عشر میں ہے — کیا سیر ہے کہ ایک زمانہ ہے دس کے گرد
سودائے زلف میں میں عزیز جہاں ہوا — الٹا ہوا بلا کہ پھرا سانپ ڈس کے گرد

حسرت ہے دید گنبد مولا کی اے امیر
آنکھوں کی پتلیاں ہوں تصدق کلس کے گرد

پہونچا نہیں کوئے بت دلخواہ میں قاصد — کیا جانے کہاں بیٹھ رہا راہ میں قاصد
اک چاند کے ٹکڑے کو لکھا میں نے خط شوق — لیجا مرے نامے کو شب ماہ میں قاصد
اس بت نے نکالا تھا اگر مجھ تلک آتا — کیوں بیٹھ رہا خانہ اللہ میں قاصد
مکتوب میں اس چاہ زنخداں کی ہے تعریف — ڈر ہے نہ کہیں ڈوب مرے چاہ میں قاصد
کیسا چمن کوچۂ جاناں میں گیا جلد — ٹھہرا نہ کہیں مثل صبا راہ میں قاصد
لے کر خبر یار پھرے جلد الٰہی — بھیجا ہے بڑے صدمۂ جانکاہ میں قاصد
خط لیکے گیا ہے کئی گذرے ہیں مہینے — آتا ہے ادھر دیکھئے کس ماہ میں قاصد
خط اس نے لکھا سچ ہے یہ کہنا تو قسم کو — چل حضرت عباس کی درگاہ میں قاصد
ڈھیلی ہے کمر کس کے ذرا باندھ دوبارہ — گر جائے نہ خط کھل کے کہیں راہ میں قاصد
خط پڑھتے ہی ہوتے وہ ادھر آپ روانہ — ہوتا جو اثر کچھ بھی مری آہ میں قاصد

بھیجا تھا امیر اس کو تو اک بت کی گلی میں
سیدھا گیا اللہ کی درگاہ میں قاصد

ردیف دال مہملہ

خنجر قاتل نہ کر اتنا روانی پر گھمنڈ — سخت کم ظرفی ہے اک دو بوند پانی پر گھمنڈ
شمع کے مانند کیا آتش زبانی پر گھمنڈ — صورت پروانہ کر سوز نہانی پر گھمنڈ
ہے اگر شمشیر قاتل کو روانی پر گھمنڈ — بسملوں کو بھی ہے اپنی سخت جانی پر گھمنڈ
ناز اٹھانیکا ہے اسکے حوصلہ اے جان زار — اب تلک تجھکو ہے زور ناتوانی پر گھمنڈ
نوبت شاہی سے آتی ہے صدا شام و سحر — اور کرلے چار دن اس دار فانی پر گھمنڈ
دیکھ او ناداں کہ پیری کا زمانہ ہے قریب — کیا لڑکپن ہے کہ کرتا ہے جوانی پر گھمنڈ
چار ہی نالے ہمارے سن کے چپکی لگ گئی — تھا بہت بلبل کو اپنی خوش بیانی پر گھمنڈ

عفو کے قابل مرے اعمال کب ہیں اے کریم
تیری رحمت پر ہے تیری مہربانی پر گھمنڈ

شمع محفل شامت آئی ہے تری خاموش ہو
دل جلوں کے سامنے آتش زبانی پر گھمنڈ

طبع شاعر آ کے زوروں پر کرے کیونکر نہ ناز
سب کو ہوتا ہے جوانی میں جوانی پر گھمنڈ

چار موجوں میں ہماری چشم تر کے بہہ گیا
ابر نیساں کو بھی تھا دُر فشانی پر گھمنڈ

دیکھنے والوں کی آنکھیں آپ نے دیکھی نہیں
حق بجانب ہے اگر ہے لن ترانی پر گھمنڈ

عاشق و معشوق اپنے اپنے عالم میں ہیں مست
واں نزاکت پر ہے یاں ہے ناتوانی پر گھمنڈ

تو بھی کلمہ تیرا پڑھوا کے چھوڑوں اے صنم
زاہدوں کو ہے بہت تسبیح خوانی پر گھمنڈ

سبزہ خط جلد یارب رخ پر اُس کے ہو نمود
خضر کو ہے اپنی عمر جاودانی پر گھمنڈ

گور میں کھینچی ہے عبرت قیصر و فغفور سے
کیوں نہیں کرتے ہو اب صاحب قرانی پر گھمنڈ

ہے یہی تاثیر آب خنجر جلاد میں
چشمۂ حیواں نہ کر تو اپنے پانی پر گھمنڈ

حال پر اجداد و آبا کے تفاخر کیا امیر
ہیں وہ ناداں جنکو ہے قصے کہانی پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

کیا رو کے قضا کے وار تعویذ
قلعو ہے نہ کچھ حصار تعویذ

چوٹی میں ہے مشک بار تعویذ
یا فتنۂ روزگار تعویذ

دونوں نے نہ درد دل مٹایا
گنڈے کا ہو رشتہ دار تعویذ

کیا نادعلی میں بھی اثر ہے
چاروں ٹکڑے ہیں چار تعویذ

ڈرتا ہوں نہ صبح ہو شب وصل
ہے مہر وہ زرنگار تعویذ

ہم کو بھی ہو کچھ امید تسکیں
کھوئے جو تپ خیار تعویذ

پستاں کو جو ہماری پہنچی
گاڑا تہ پائے یار تعویذ

حاجت نہیں ان کو نور تن کی — بازو پہ ہیں پانچ چار تعویذ
کھٹکے وہ نہ آئے فاتحے کو — دیکھا جو سبز مزار تعویذ
پی جائیں گھول کر کے آپ — ہے نقش نہ خاکسار تعویذ
اے ترک ٹلیں بلائیں سر سے — اک تیغ کا خط ہزار تعویذ
ڈر ہے تمہیں کنکنوں سے لازم — لایا تو ہے سادہ کار تعویذ
اکسیر کا نسخہ اس کو سمجھوں — کھوئے جو ترا اعتبار تعویذ

مجمع ہے اسیر کی لحد پر
میلے کا ہے اشتہار تعویذ

چوٹی میں اگر ہے بار تعویذ — لا میرے ہی سر سے وار تعویذ
یاں حب کے تو پانچ چار تعویذ — واں بغض کے ہیں ہزار تعویذ
ہے مار سیاہ اُس کی چوٹی — من سانپ کا زرنگار تعویذ
گھر ان کے گڑے تو ہم نے گاڑے — چاروں کونوں میں چار تعویذ
لکھے مرے خون سے جو عامل — دکھلائے نئی بہار تعویذ
جاتی نہیں ہجر کی تپ حار — ناحق ہے گلے کا ہار تعویذ
قاتل نے لکھا جو کوئی پرزہ — سمجھا میں جگر فگار تعویذ
چاندی ہوئی اُس کی جب دیا حکم — سونے میں منڈھے سنار تعویذ
ہو ایک سپر نہ تیغ غم کی — ہیکل میں جو ہوں ہزار تعویذ
لو تار نظر مری اگر ہے — ڈورے کا امیدوار تعویذ
کیوں رشک سے دل جلے نہ میرا — ہو اُس سے جو ہمکنار تعویذ
چوٹی نے ترے جو سر چڑھایا — ہے صاحب افتخار تعویذ
بازوئے صنم کہاں کہاں تو — اللہ رے ترا وقار تعویذ

اللہ رے امیر سوز فرقت
جل جاتا ہے برق دار تعویذ

ردیف رای مہملہ

دل پر داغ کا مسکن نہیں ہے اُسکے گیسو پر
اُگا ہے پھول لالے کا یہ گویا شاخ شب‌بو پر

ہجوم ایسا ہوا گلشن میں اُسکے قد دلجو پر
گرے سرو لب جو ٹوٹ کر سرو لب جو پر

الٰہی شکر رتبہ میرے خط شوق نے پایا
عوض تعویذ کے باندھا ہے اُسنے اپنے بازو پر

کہاں جاتا ہے اپنی فکر سے اس چشم کا مضموں
یقیں ہے صید ہو ڈالا ہے گھوڑا ہم نے آہو پر

سنبھل سکتا نہیں ہے سر غرور ناتوانی سے
اگر تکیے سے اُٹھتا ہے تو آ رہتا ہے زانو پر

امید قتل ترک چشم سے کچھ کچھ تو پڑتی ہے
بڑھا کر دست مژگاں رکھ دیا ہے تیغ ابرو پر

یہ شوق قتل تھا ہمکو کہ مقتل میں گلا رگڑا
کبھی شمشیر کے نیچے کبھی شمشیر کے اوپر

پرستش سے بت پندار کی انکو ہے کب فرصت
مسلماں کیا تجھکو طعنہ زن ہوتے ہیں ہندو پر

مرے رونے نے فرقت میں رُلایا ایک عالم کو
بہائے ابر نے دریا مرے ایک ایک آنسو پر

چمک جاتا ہے درد دل زیادہ ہجر ساقی میں
اگر برسات میں شب کو نظر پڑتی ہے جگنو پر

اگر رخصت ہی ہے مد نظر اتنا ٹھہر جاؤ
کہ اپنے داغ دل کی اشرفی باندھو تمہیں بازو پر

در جاناں پہ مطلب تھا یہ میر النعش پا سے
کہ اس حیلے سے رکھ دوں ہاتھ دروازے کے بازو پر

خبر تجھکو نہیں ہے اے سگ جاناں تعجب ہے
سگ اصحاب کہف آیا ہمارے لاش کے اوپر

پڑا خط بھی نہ میرے تن پہ میری سخت جانی سے
تفاخر تھا بہت قاتل کو اپنے زور بازو پر

امیر انجام کا کب دھیان رہتا ہے محبت میں
مسلماں ہو کے ہم عاشق ہوئے اک طفل ہندو پر

نقط کہتا نہیں میں شعر اس مصرع گیسو پر
رباعی اک نئی ہوتی ہے موزوں چار ابرو پر

نہیں خال سیہ جو ہے نمایاں اُسکے ابرو پر ۔۔۔ نشیمن زاغ نے آکر بنایا شاخ آہو پر

وہ شاہِ حسن تل بیٹھے تو دیوے اوج شرف بخشے ۔۔۔ کہ صدقے ہو ہما پھر پھر کے شاہین ترازو پر

مرض میں اُسکے گھر جا کر عیادت کا مزہ لوٹا ۔۔۔ دعا ہمنے پڑھی جب ہاتھ رکھکر اُسکے بازو پر

معطر مغز جاں تک ہے جو میرے داغ دل سونگھیں ۔۔۔ چمن میں مست ہیں کیا بلبلیں پھولوں کی خوشبو پر

سلام اُس ترک کا لینا ہے ایما قتل کا شاید ۔۔۔ کہ رکھتا ہے وہ پیشانی کے بدلے ہاتھ ابرو پر

ہوا میں سینہ زن فرقت میں سینہ کرکے یاد اُسکا ۔۔۔ خیال آیا جو زانو کا تو مارا ہاتھ زانو پر

نئی وحشت ہے مجھکو وحشیوں سے انس ہو لیا ۔۔۔ کہ آنکھیں دشت میں ملتا ہوں نقش پائے آہو پر

خیال ناوکِ مژگاں نے یہ سو رخنے ڈالے ہیں ۔۔۔ کہ تودے کا گماں ہوتا ہے مجھ کو اپنے پہلو پر

گرے تھے نہر گلشن میں کبھی دو اشک گرم اپنے ۔۔۔ حباب اُنکو نہ سمجھو ہیں یہ تبخالے لب جو پر

نہایت تنگ ہے قاتل ہماری سخت جانی سے ۔۔۔ کہ تن پر خط نہیں پڑتا کوئی اس دست و بازو پر

کیا دلکو جلا کر خاک اپنی بنی وسمہ ۔۔۔ بڑی مشکل سے پایا قبضہ اُسکی تیغ ابرو پر

ملے بازو اگر اس ترک نے دستِ حنائی سے ۔۔۔ جمایا طائر رنگ حنا نے رنگ بازو پر

بہت کرتا تھا رم جب سامنے آیا وہ صید افگن ۔۔۔ نہ سوجھا کچھ پڑے حیرت کے پردے چشم بازو پر

صدف کی کیا حقیقت ہے اگر اُس میں نہ ہو گوہر ۔۔۔ نہ کیونکر آبرو ہو آنکھ کی موقوف آنسو پر

پس مردن یہ بخشی ہمکو رفعت بیقراری نے ۔۔۔ چھپے ہم خاک کے نیچے گئے افلاک کے اوپر

بڑھا جاتا ہے تجھسے دیکھ کوسوں ناقہ لیلےٰ ۔۔۔ سوار اے قیس تو بھی کیوں نہیں ہوتا ہے آہو پر

سہی قد یاد آتے ہیں جو گلشن میں خراماں بھی
بھر آتی ہیں اسیر آنکھیں مری قمری کی کوکو پر

کیا قصد جب کچھ کہوں اُن کو مچل کر ۔۔۔ دبی بات ہونٹوں میں منہ سے نکل کر

گرا میں ضعیف اُسکے کوچے کو چل کر ۔۔۔ زمیں رحم کر تو ہی پہونچا دے ٹل کر

نئی سیر دیکھو سوئے قاف چل کر ۔۔۔ سر راہ بیٹھی ہیں پریاں نکل کر

اِدھر کی نہ ہو جائے دنیا اُدھر کو — زمانے کو بدلو نہ آنکھیں بدل کر
وہ کرتے ہیں باتیں عجب چکنی چکنی — یہ مطلب کہ چوپٹ ہو کوئی پھسل کر
وہ مضطر ہو نہیں کیا مرے ساتھ گھڑیوں — تڑپتا ہے سایہ بھی کروٹ بدل کر
یہ کہتی ہے وہ زلف عمر خضر سے — کہ مجھ سے کہاں جائے گی تو نکل کر
گلستاں نہیں ہے یہ بزم سخن ہے — کہو شاعروں سے کہ پھولیں نہ پھل کر
غضب اوج پر ہے مری بے قراری — زمیں آسماں بن گئی ہے اُچھل کر
پڑا تیر دل پہ جو منہ تو نے پھیرا — نشانہ اُڑایا ہے کیا رخ بدل کر
نہ آئیں گے وہ آج کی شب بھی شاید — کہ تارے چھپے پھر فلک پر نکل کر
چلو وحشیو بزم گلزار مہکے — گل آئے ہیں پوشاک میں عطر مل کر
چھپا کب بہت خاک ظالم نے ڈالی — شفق بن گیا خون میرا اُچھل کر
کمر بال سی ہے نہ لچکے یہ ڈر ہے — جوانی برائے ترک اتنا نہ بل کر
حضور اس کے باتیں جو کیں ڈرتے ڈرتے — کھڑا ہو رہا دور مطلب نکل کر
چھپے حرف گیری سے سب عیب میرے — ہوئی پردہ ہر بات میں تہ نکل کر
وہ ہوں لالہ ساں سوختہ بخت مفلس — کہ مے ہو گئی داغ ساغر میں جل کر

کہے شعر امیرؔ اُس کر کے ہزاروں
مگر رہ گئے کتنے پہلو نکل کر

یہی سوز دل ہے تو محشر میں جل کر — جہنم اُگل دے گا مجھ کو نگل کر
پڑی مجھ پہ اوچھی وہ تلوار چل کر — گئی کس طرف موت کمبخت ٹل کر
نہ وحدت سے مطلب نہ کثرت سے مطلب — نہ گھٹ کر رہوں قطرہ نہ دریا اُبل کر
تری بات بھی تیر ہے ناوک افگن — گڑی میرے دل میں زباں سے نکل کر
جو شام شب ہجر دیکھی تو سمجھے — قضا سر پہ آئی ہے صورت بدل کر

جہاں میں نہ کی قدر غم جب کسی نے — پشیماں ہوا میرے دل سے نکل کر

رخ صاف اس بت کا شاید نکلتا ہے چھپ کر — کہ قدموں پہ گرتی ہیں نظریں پھسل کر

جلا تھا مرا دل جو پروانہ آسا — کہا میں نے بھی شمع رودان کو جل کر

جلانے کو دل داغ سینہ ہے حاضر — مگر تو ہی اے داغ پہلے پہل کر

جو کھینچے گا بھی تیر سینے سے ظالم — تو پیکان لے جائے گا دل بدل کر

انھیں آتے دیکھا تو دوڑیں نگاہیں — گئی آنکھیں اُن سے بھی آگے نکل کر

یہ میری طرف پانوں محفل میں کیسے — ذرا آدمیت سے بیٹھو سنبھل کر

عزیز اس قدر نقد جاں کیوں ہوا دل — خدا دے جو ہمت تو نذر یہ اجل کر

بشر کیوں نہ ہو بے وطن ہو کے مضطر — تڑپتی ہے دریا سے مچھلی نکل کر

وہ بسمل ہوں جب ہاتھ قاتل نے کھینچا — گلے پر مرے گر پڑی تیغ اُگل کر

مرا دل بھی آئینہ انجمن ہے — دکھاتا ہے سو رنگ صورت بدل کر

قدم جب خوشی نے در دل پہ رکھا — صدا غم نے دی دیکھ ظالم سنبھل کر

امیر اہل مسجد سے اظہار تقوے
ابھی آئے ہو مے کدے سے نکل کر

دکھائی ادا طرفہ ظالم نے چل کر — دوپٹہ گرا سر پہ شانوں سے ڈھل کر

ارادہ ہے خود اُن سے پوچھوں میں چل کر — یہ خط تم نے پھاڑا کہ قاصد نے جل کر

جو یہ سات میں تا در یار پہونچے — بہانہ کیا خود گرے ہم پھسل کر

توقع ہے دھوکے میں اگر وہ پڑھ لیں — کہ لکھا ہے نامہ انھیں خط بدل کر

کہیں محتسب چونک اُٹھے نہ غش سے — نہ جا بوئے میکدے سے نکل کر

یہ مہر و مہ و لالہ و گل نہ سمجھو — دکھاتے ہیں جلوے وہ شکلیں بدل کر

زمیں پر نہیں پانوں رکھتا ہے قاتل — کہو خون دامن پکڑ لے اُچھل کر

وہ نیرنگ پرداز ہے عمر انساں ۔۔۔ دکھاتی ہے یہ تین شکلیں بدل کر
نکالا جو پیر مغاں نے تو کیا غم ۔۔۔ بلا لے گی پھر دختر رز مچل کر
کھنچے دل نہ کیونکر حسینوں کی جانب ۔۔۔ جو پارہ بھی دوڑے کنوئیں سے نکل کر
دم فکر ہے دھیان کس خوبرو کا ۔۔۔ کہ سانچے میں آتے ہیں مضمون ڈھل کر
پڑا ہے جو بے آب چاہ زنخداں ۔۔۔ ہوا کیا عرق تیرے رخ سے نکل کر
نفس دار کی ایک جا آمد و شد ۔۔۔ کہ مقصود اپنا تھکا نا تھا چل کر
حسیں کیوں نہ جوش جوانی کو روئیں ۔۔۔ کہ جوبن مٹا آفتاب کی طرح ڈھل کر
وہ منقل ہے تیرا کہ آتے ہیں قاتل ۔۔۔ جواں دوڑ کر گھٹنیوں طفل چل کر
نہ جائے کبھی وار قاتل کا خالی ۔۔۔ جگر دب رہے روک لے دل اچھل کر
یہ خواہاں ہے شل نگیں بے نشانی ۔۔۔ نہ جائے کہیں نام ہم سے نکل کر
مرے قتل سے وہ کمر کب ہے منکر ۔۔۔ خطر کیا ہے بیٹھی ہے کیوں ناف ٹل کر
یہی سوز غم ہے تو اشکوں کی صورت ۔۔۔ کسی روز بہ جائے گا دل پگھل کر

امیر اپنے تن کی بڑھی یہ حرارت
کہ جن ہو گئی خاک ساقی سے جل کر

نہ جاتا تھا اس تک کبوتر دہل کر ۔۔۔ روانہ کیا روغن قاز مل کر
تھکے مدتوں راہ میں جن کے چل کر ۔۔۔ وہ در تک بھی آئے نہ گھر سے نکل کر
شب تار ہو جائے گا روز روشن ۔۔۔ زمانے کو بدلو نہ آنکھیں بدل کر
کرے وہ جو بندے کی اپنے حفاظت ۔۔۔ تو یوسف جواں بھیڑیوں میں ہو پل کر
ضعیفوں کو ہے باعث زیست بستر ۔۔۔ کہ مٹتا ہے عکس آئینے سے نکل کر
قدا گرم نظروں سے دیکھے جو ساقی ۔۔۔ ابھی مے سے پتلا ہو شیشہ پگھل کر
نگاہ سینے دو در سے بیتاب دل کو ۔۔۔ کہاں جائے بازو سے مچھلی نکل کر

گریں گرم آنسو جو دریا میں میرے — صدف میں گہر پھر ہو قطرہ پگھل کر
عجب خاک تیرہ بھی ناگن ہو موذی — کہ بے غم ہے بچوں کو اپنے نگل کر
مے گرم نے کر دیا گرم ساقی — صراحی پلا کوئی شورے سے نکل کر
یقیں ہے کہ پھر جان ہی لیں یہ موذی — جو بیٹھیں کبھی مثل بیچاپ نکل کر
جو وہ اُٹھ چلے اہل محفل تو کیسے — بچھڑے سپند اس کا دامن اُچھل کر
رقیبوں سے کیا راہ ہے ڈاکیوں کو — کہ دیتے ہیں مجھ کو خط اُس کا بدل کر
وہ مجنوں ہوں شب کو جو صحرا میں بھٹکوں — چراغ سر راہ ہو گھاس جل کر
ابھی جان دیدوں جو دے مجھ کو مٹی — غبار اُس ستمگر کے دل سے نکل کر
اُٹھا ایدل آنکھوں سے اتنا نہ طوفاں — کنوئیں بیٹھ جاتے ہیں اکثر اُبل کر
نظر چشم دل کو وہ بے پردہ آئے — جلایا جو پردوں کو آنکھوں نے جل کر
جھنکائی لحد گل رخوں کو فلک نے — پڑے کس شکنجے میں نازوں سے پل کر
مرے آنسوؤں نے مجھے بخشوایا — بڑے کام آئے یہ لڑکے مچل کر
کہو میرا مرنا نہ اُس گلبدن سے — مٹادے نہ رنگ حنا ہاتھ مل کر
وہ لاغر تھا میں ہفت قلزم میں ڈوبا — گرا آنکھ سے ایک آنسو جو ڈھل کر

امیر آسماں بھی کھلاڑی ہے شاطر
دکھاتا ہے کیا کیا یہ نقشے بدل کر

آستیں سے جو ہوا دست ستمگر باہر — میں یہ سمجھا کہ ہوا میاں سے خنجر باہر
ڈر سے آسکتے نہیں میرے سیہ خانے میں — ماہ و خورشید چلے جاتے باہر باہر
داغ الفت مرے دل میں کوئی چھپ سکتا ہے — شمع فانوس کا نور ایک ہے اندر باہر
غیر قاتل سے جدا ہو نہیں آتا ہے یقیں — ہو گا سگ کوچۂ قصاب سے کیونکر باہر
کیا ہوا خط کا جو اُس چاہ ذقن پر ہے ہجوم — مور روزن سے نکلتے ہیں برابر باہر

شوق ہوتا جو نہ اُس چاہِ ذقن کا رہبر — کبھی ظلمات سے ہوتا نہ سکندر باہر

ایک گھر میں نہیں رہ سکتے ہیں یاں دو انساں — حشر کو ہوں گے ہر اک قبر سے سَتّر باہر

ہوں وہ دیوانہ جو رکھتا ہوں نہیں زنداں میں قدم — غل یہ زنجیر مچاتی ہے کہ باہر باہر

مجمرِ چشم سے کیوں دانۂ اشک آئے نہ تُند — کہ سپند آگ سے آتا ہے چٹاک کر باہر

ہوں وہ جانباز میں آیا تو پئے استقبال — تیر ترکش سے چلا میان سے خنجر باہر

چاہتا ہے کہ وہ بے پردہ ہو آنکھوں کے حضور — اتنا جامے سے نہ ہوا یہ دلِ مضطر باہر

قاصدی کیا جو خط اُس تیر نگہ کو میں لکھوں — چاہ سے ڈر کے نہ ہو کوئی کبوتر باہر

شیخ صاحب نے جو رندوں کی سنی ہے آمد — کیسے گھبرائے پڑے پھرتے ہیں اندر باہر

بھوں چڑھاتا ہے عبث جان بھی دی ہے دیا — کب ہوا تجھ سے میں اے ترکِ ستمگر باہر

بادہ خوار و نکار زمانے سے جدا ہے عالم — بھٹیاں ہوتی ہیں آبادی سے اکثر باہر

روح سے قدر ہے اس پیکرِ خاکی کی امیر
کیا حقیقت ہے صدف کی جو ہو گوہر باہر

موجِ وحشت نے ہزاروں کو پنھائی زنجیر — رنگ لائی تری گردن کی طلائی زنجیر

ہے ہمارے دلِ صد چاک کا عقدہ زلف — شانہ ہے کون جو چھوتا ہے پرائی زنجیر

آج منت ہوئی پوری ترے دیوانے کی — ملک الموت نے پانوں کی بڑھائی زنجیر

اے جنوں مان خدا کو نہ کڑی کر مجھ پر — عرش ہل جائیگا میں نے جو ہلائی زنجیر

ہے خوشی مجھکو جو زنداں سے رہائی کی تو یہ — تنگ ہے قید سے پائے گی رہائی زنجیر

تیری رہ تو نے پر یوں نہیں نالاں میں فقط — کھینچتی ہے مرے پانوں کی دہائی زنجیر

قید خانے کیطرح وادیِ وحشت میں بھی قید — ہو گئی مجھ کو مری آبلہ پائی زنجیر

یاد گیسو نے دکھایا ہے تماشا کیسا — شیشۂ دل میں ہمارے اُتر آئی زنجیر

کس پری کے گلِ عارض کا میں دیوانہ تھا — کہ مرے پانوں میں پھولی نہ سمائی زنجیر

قید خانہ نظر آیا مجھے وحشت میں چمن
موج گل آئی تو سمجھا کہ میں آئی زنجیر

اے پری دست حنائی کا میں دیوانہ ہوں
چاہیئے ہو مری گردن میں طلائی زنجیر

پانوں پر آ کے گری ہو کے پریشاں کاکل
میری وحشت نے پری کو بھی پنھائی زنجیر

اپنے ابرو کا وہ دیوانہ جو سمجھا مجھ کو
یار نے توڑ کے شمشیر بنائی زنجیر

پھیلے یوں ترے وحشی کو قیامت میں ملک
ہتکڑی ہاتھوں میں پانووں میں پنھائی زنجیر

اک حسیں کا ہوں میں دیوانہ تکلف ہے ضرور
نقرئی طوق ہو زیبا تو طلائی زنجیر

تیرا وحشی جو کبھی جانب صحرا گذرا
طوق گرداب نے موجوں نے پنھائی زنجیر

ہر گھڑی نعل در آتش ہوں جو اے آہنگر
آہن برق سے کیا تو نے بنائی زنجیر

اے جنوں پانوں ہیں مجروح تو گردن میں خراش
طوق گلرنگ لہو سے ہے حنائی زنجیر

اپنے دیوانے کے مدفن پہ جو آیا وہ امیر
جائے گل سایۂ گیسو سے چڑھائی زنجیر

تیغ قاتل بھی نہیں چلتی کبھی مجھ زار پر
وائے بیرحمی کہ پانی بند ہے بیمار پر

جا بجا سبزہ نہیں اے دل یہ قصر یار پر
بال کھولے پریاں پھرتی ہیں در و دیوار پر

ہوں وہ وحشی جب قدم رکھا در دلدار پر
چڑھ گیا سایہ پری بن کر سر دیوار پر

جور ہفت افلاک ہیں انساں کے جسم زار پر
بوجھ ان ساتوں چھتوں کا ہے اسی دیوار پر

یہ مرے بیت الحزن پر چھائی ہے بوسیدگی
ڈرتے ڈرتے سایہ رکھتا ہے قدم دیوار پر

کہہ گئی گل کر کے میری شمع بالیں کو صبا
کوئی او ناداں روتا ہے سر بیمار پر

بے نقاب آؤ چمن میں تم تو ہر برگ حنا
ہاتھ رکھ دے بڑھ کے چشم نرگس بیمار پر

ہوں وہ بلبل یہ کیا گلشن کو دو نغموں میں مست
دست گلچیں پڑ گیا اکثر [illegible] رخسار پر

وار کرنے ہی نہ قاتل کو ملی گلشن میں بار
دوڑ کر خود رکھ دیا میں نے گلا تلوار پر

باغ سے پہنچا میں وحشی بے تکلف تا بہ دشت
پانوں بھی رکھا نہ مثل بوئے گل دیوار پر

مے سے کپڑے زاہدانِ خشک نے دھو کر لیے
چل کے ہم نے آگ رکھ دی جبہ و دستار پر

وہ حسیں ہو تو ہوا زنداں میں جس دم جلوہ گر
کھنچ گئی تصویرِ یوسف ہر طرف دیوار پر

بیٹھتے ہی بیٹھتے سر پر ہوا اقبالِ ہما
جو کبوتر اُڑ کے آ بیٹھا تری دیوار پر

گر دگل کانٹے نہیں ہوتے مرے گلشن میں نمود
انگلیاں اُٹھنے لگی ہیں عندلیبِ زار پر

کی نظر قاتل نے جب میری طرف کی میں نے آہ
وار رد کے سیکڑوں تلوار کے تلوار پر

زیر و بالا یہ کیا مرغانِ گلشن نے ہجوم
اور اک دیوار اٹھی باغ کی دیوار پر

آنکھ اگر آئینۂ وحدت نما سے ہو دوچار
ہے یہ طوطی کا عالم سبزۂ زنگار پر

باغ سے باہر تو کیا جاؤں نکلیں پر بال و پر
اُڑ کے پہنچوں بھی تو پہنچوں باغ کی دیوار پر

شمع ساں گریاں ہو قاتل میرے بالیں پر اسیر
موت کو روتے ہوئے دیکھا اسی بیمار پر

لڑتے ہیں عشاق کیا کیا ابروئے خمدار پر
روز یاروں کے گلے کٹتے ہیں اس تلوار پر

جلوہ گر ہو خود وہ اپنے طالبِ دیدار پر
دھوکے کی ٹٹی ہو پردہ یار کے رخسار پر

دیکھ کر چھاتی سراپا میرے جسمِ زار پر
کیسے جھنجھلائے وہ اپنے موتیوں کے ہار پر

شان اُسکی ہے کہ ڈر ڈر جاتے ہوا کی زیر بار
چھت جو ٹپکتی ہے تو کڑیاں پڑتی ہیں دیوار پر

سمجھے ہم پہنچی جو ابرو تک پلک اُس آنکھ کی
باڑھ دیکھی رکھ کے اُنگلی ترک نے تلوار پر

بند آنکھوں کی دکانیں ہو گئیں ہنگامِ مرگ
آخرِ شب کیا اُداسی چھا گئی بازار پر

اوجِ دولت میں بھی کیسے شاد ہیں کتنے حزیں
لالہ داغی کباب دیکھیے خندہ زن کہسار پر

ہو نہیں وہ محرومِ راحت گر نہ پاؤں فرشِ خواب
گر پڑے دیوار پھٹ کر سایۂ دیوار پر

ہے بلند و پست کی کب تیغِ قاتل کو تمیز
سیل کی ہے چال یکساں راہِ ناہموار پر

ہوں وہ طائر لذتِ غم کب ہوئی پوری ہے
نوچتے ہیں رہ گئے صیاد سے دوچار پر

اسلئے تا دور ہی سے دیکھنے والے ہوں مست
بوتلوں کے ٹکڑے ہیں میخانے کی دیوار پر

کر کے گلگشت چمن گھر کو چلا جب دم وہ گل — ابر کے بدلے اداسی چھا گئی گلزار پر

ہے یہی باعث جو ہے رنگ بدن طوطی کا سبز — زہر کھایا ہے تمہارے سبزۂ رخسار پر

نیزۂ قاتل سر بسمل پہ خنداں زخم تن — کیا اُگا ہے نخل ماتم قہقہہ دیوار پر

اے پری آتے سلیماں بھی عیادت کو اگر — سورۂ جن پڑھ کے دم کرتے ترے بیمار پر

تیز پڑتی ہے نظر اُس ترک کی مجھ پر امیر
تُل رہا ہے باز کیا گنجشک کے آزار پر

ہو اگر ناز سے وہ بزم میں رقصاں جھک کر — چوم لے پاؤں سر گوشۂ داماں جھک کر

مرتبہ بیش خدا ہوتا ہے اُتنا ہی بلند — جس قدر ملتا ہے انساں سے انساں جھک کر

خاکسارانِ زمیں کا ہے یہ شوقِ پابوس — رہ گئی ہے کمر گنبد گرداں جھک کر

رفعتِ قصر تواضع سے اگر واقف ہوں — آئیں پھر خانۂ درویش میں سلطاں جھک کر

میں وہ عاشق ہوں صفاکیش پریزادوں کا — ہوتے ہیں مجھ سے بغل گیر سلیماں جھک کر

دیکھ پائے جو اسی ٹھاٹھ سے تجھ کو اے ترک — لے قدم دوڑ کے رستم سر میداں جھک کر

تم وہ لیلےٰ ہو جو آئے تو برائے تسلیم — بید مجنوں ہوئے شمشاد گلستاں جھک کر

بیڑیاں بھی جو کشیں ہوں وہ اسیر لاغر — پاؤں میں میرے پھنسے طوق گریباں جھک کر

سرکشی اہل تواضع سے کوئی چلتی ہے — پست دروازے سے آتا ہے خود انساں جھک کر

تو وہ گل رو ہے اگر باغ میں رکھتا ہے قدم — چوم لیتی ہے قدم شاخ گلستاں جھک کر

قد خم گشتہ پہ کس طرح نہ روئیں انساں — سب سمجھتے ہیں کہ گر جاتے ہیں ایواں جھک کر

آئی پیری تو ملی خاک میں تعمیر حیات — چار دیوار عناصر ہوئے ویراں جھک کر

ہے یہ ایماں کہ چلا چاہتے ہیں زیر زمیں — چلتے ہیں موسم پیری میں جو انساں جھک کر

کہہ دو صیاد سے کیا ہاتھ بڑھانے سے ہے کام — خود نہ یاد گی مجھے شاخ گلستاں جھک کر

یاد رکھ مصرعِ اُستاد یہ ہر وقت امیر — دوست دشمن سے ملے چاہئے انساں جھک کر

دلکو رہتی ہے جو یادِ روئے جاناں رات بھر | ہم بھی حافظ کی طرح پڑھتے ہیں قرآں رات بھر
یادِ زلفِ یار میں جمعیتِ خاطر کہاں | خواب آتے ہیں نظر ہمکو پریشاں رات بھر
اندنوں ہوتی ہیں یوں اپنی بسر لیل و نہار | یادِ رخ دن بھر خیالِ زلفِ پیچاں رات بھر
کچھ شبِ فرقت نہ پوچھو حال اشک و آہ کا | برق چمکی صبح تک برسا ہے باراں رات بھر
بندھ گیا ہے شام سے کس زلف کی افشاں کا دھیان | جگنوؤں سے ہے مری آنکھوں میں چراغاں رات بھر
باغباں ہوتا ہے مجھ گریاں سے کیوں چیں بر جبیں | مثلِ شبنم ہو نہیں اس گلشن میں مہماں رات بھر
نیت بد ہے تو کار نیک سے حاصل ہے کیا | جاگتے ہیں دزد بھی مثلِ نگہباں رات بھر
عالمِ افلاس میں کیا روشنی کی احتیاج | ہے چراغِ خانہ اپنا ماہ تاباں رات بھر
اور بیماری میں ہوتا ہے شریکِ درد کون | شمع رہتی ہے مرے بالیں پہ گریاں رات بھر
تیرے وحشی کی سواری کا ملا کچھ تو پتا | پھر گئے ہیں مشعلیں غولِ بیاباں رات بھر
آتشِ شوق اور میرے قصہ خواں نے تیز کی | کیوں سنایا ذکرِ بلقیس و سلیماں رات بھر
کی عبادت صبح تک بھیجا کئے ہم بھی سلام | حکم حیدر تھی جو آوازِ نگہباں رات بھر
پوچھتے ہو کیا شبِ فرقت کی تاریکی کا حال | اپنی آنکھوں سے رہے ہم آپ پنہاں رات بھر
ذرہ دیپروانہ آسا گردشِ ایام سے | ہیں پریشاں حال دن بھر ہم تو سوزاں رات بھر

کشوروں میں لکھ کے خط احباب کو بھیجے امیر
کیسے کیسے طے کئے خامے نے میداں رات بھر

غنچہ ساں بیٹھو دلا سر در گریباں ہو کر | رخِ یار آئے گا آنکھوں میں گلستاں ہو کر
روحیں کشتوں کی گلے ملتی ہیں شاداں ہو کر | عید سے عید ہوئی یار پہ قرباں ہو کر
پتلیاں کب تری آنکھوں میں ہیں اے غیرتِ حور | دیکھنے آئی ہیں پریاں تجھے انساں ہو کر
عشقِ عارض میں مرے تارِ نظر جاتے ہیں | رہیں قرآن میں شیرازۂ قرآں ہو کر
ناتوانی نے مری مجھکو بنایا کانٹا | چشمِ مردم میں کھٹکتا ہوں نہیں انساں ہو کر

ہو کے محمود میں ہوں بندۂ فرمان ایاز ۔۔۔ ناز پریوں کے اٹھاتا ہوں سلیماں ہو کر
ابھی اتنا ہے حجاب ان کو جو کچھ کہتا ہوں ۔۔۔ نیچی کر لیتے ہیں آنکھیں وہ پشیماں ہو کر
جل گیا اُگتے ہی دانا جو مری قسمت کا ۔۔۔ آسیا رہ گئی انگشت بدنداں ہو کر
ہو جدا تم سے تو کیا خاک رہے عاشق ہیں ۔۔۔ جسم پیوند زمیں ہوتا ہے بے جاں ہو کر
ہوں وہ وحشی مجھے نظروں سے گرائے جو جہاں ۔۔۔ چشم عالم میں پھروں خواب پریشاں ہو کر
دل ملا خاک میں ایسا کہ ملا پھر نہ پتا ۔۔۔ سیکڑوں دانے اُگے خاک میں پنہاں ہو کر
گل ہوا غنچہ تو آواز یہ اُس سے آئی ۔۔۔ جمع پھر دل نہیں ہوتا ہے پریشاں ہو کر
کچھ اٹھایا نہ تڑپنے کا مزہ تڑپا کر ۔۔۔ چل دیا زخموں پہ قاتل نمک افشاں ہو کر
خون دل کوچۂ گیسوئے سیہ میں جو بہے ۔۔۔ جلوہ گر ہو شفق شام غریباں ہو کر
ہو تماشا جو مرے داغ چمن میں چمکیں ۔۔۔ چل اٹھیں شہپر طاؤس چراغاں ہو کر
چاہتے ہیں تری تلوار کے جوہر او ترک ۔۔۔ دہن زخم میں ہم بیٹھتے دنداں ہو کر
باغ سے ہم کو نکالا تو ہماری آنکھیں ۔۔۔ رہ گئیں رخنۂ دیوار گلستاں ہو کر

موسم گل میں تقاضا ہے جنوں کا یہ اسیر
چاک ہو پیرہن زیست گریباں ہو کر

زار ایسا میں ہوا بادیہ پیما ہو کر ۔۔۔ ذرہ چاہے تو تھکا دے مجھے صحرا ہو کر
اس قدر تھک گئے ہم بادیہ پیما ہو کر ۔۔۔ کف پا اٹھ نہ سکے نقش کف پا ہو کر
ہم مریضوں سے یہ اغماض مسیحا ہو کر ۔۔۔ کیسے نادان بنے جاتے ہو دانا ہو کر
لذت درد سے جینے کا مزہ ملتا ہے ۔۔۔ چھیڑتا کیوں ہے مجھے زخم دل اچھا ہو کر
بعد مرنے کے بندھی ہے مرے نالوں کی ہوا ۔۔۔ گنبد قبر اڑے کیوں نہ بگولا ہو کر
سرو گل سے تمہیں تشبیہ میں کب دیتا ہوں ۔۔۔ لال آنکھیں نہ کرو آگ بگولا ہو کر
یاد کس ترک کی آئی کہ مرا زخم جگر ۔۔۔ رہ گیا دیدۂ بسمل کی طرح وا ہو کر

ہالۂ ماہ کا دل شوق سے ایسا پھیلا — آرہا کان میں اس مہر کے بالا ہوکر
اوپچے آڑتے ہیں کبوتر تری ٹکری کے غضب — جا لگے چرخ سے کیا عقد ثریا ہوکر
حسرتِ دست حنائی میں ہم ایسا روئے — بہ گیا آنکھ سے دل خون تمنا ہوکر
دل حسینوں کی محبت میں لگا ہے رہنے — غرق کر دے نہ یہ قطرہ مجھے دریا ہوکر
دیکھ لے وہ جو کڑی آنکھ سے گلشن کیطرف — چور ہر دانہ انگور ہو مینا ہوکر
بھیجئے مال امیروں سے فقیروں کے لئے — لوٹئے دولت دیں طالب دنیا ہوکر
آکے وحشت میں جو کہتا ہوں نہیں سہہ جاتا ہے — ناز مجنوں کے اٹھاتا ہے وہ لیلیٰ ہوکر
بے دہن ہنتے ہو تا قم سے جلانا نہ پڑے — خوب دم دیتے ہو مردوں کو مسیحا ہوکر
نہ محبت نہ تلطف نہ عنایت نہ وفا — تم ہی کہدو کہ رہے پھر کوئی کس کا ہوکر
لیکے وہ تیر کماں جاتے ہیں جب بہر شکار — قاف سے آتے ہیں جن آہوئے صحرا ہوکر

خرمن جان و جگر مزرع امید امیر
دل نے پھونکا شررِ آتش سودا ہوکر

کبھی تو بھول کے رکھدے قدم مرے سر پر — پڑا ہوں صورتِ نقشِ قدم ترے در پر
جو ذبح بھی ہو تو احسان نہ رکھ ستمگر پر — یہ ذکر خیر رہے گا زبانِ خنجر پر
وہ مست ہوں کہ رگڑتا ہوں سینہ خنجر پہ — وہ شکستہ ہوں کہ ٹپکتا ہوں سر کو پتھر پہ
وہ مست جب کبھی گذرا ہو میکدے کیطرف — بھاگ کے دست سبو جا پڑا ہے ساغر پہ
دل شکستہ نے اس بت کے دل کو نرم کیا — کیا ہے ٹوٹ کے شیشے نے زور پتھر پہ
بر نگ سایہ رہا پائے مال ساری عمر — میں جسکے پاؤں پڑا پاؤں رکھدیا سر پہ
لکھا جو خط میں سگِ یار کو سلام نیاز — ہماتے سایہ پروں سے کیا کبوتر پہ
ہوا ئے بوسہ لب ہے یہی تو مرگ کے بعد — حباب بن کے رہوں گا میں آبِ کوثر پہ
ازل سے طبع ملاحت پسند رکھتا ہوں — چھڑک لیا تھا نمک میں نے شیر مادر پر

پھڑک رہا ہے مرا مرغِ روح اے قاتل — کہ جوہروں نے بچھایا ہے جال خنجر پر

وہ زار ہوں کہ جو لیٹوں تو شک یہ ہوتا ہے — پڑا ہوا ہے فقط رختِ خواب بستر پر

نگہ کو دیتے ہیں گردش جو آئینے میں یہ ترک — چھری کو کرتے ہیں در پردہ تیز پتھر پر

جو آبرو کا ہے خواہاں تو خاکساری کر — یہ قول گرد یتیمی ہے روئے گوہر پر

صفِ مژہ کو بھی ہے تاک چشمِ ساقی کی — گرے ہیں سیکڑوں مے خوار ایک ساغر پر

چلا ہے نامہ مرا لے کے نامہ بر یارب — ترے حبیب کا سایہ مرے پیمبر پر

سوال سے ہے یہ نفرت نہ ہاتھ اٹھاؤں امیر
پڑھوں جو فاتحہ میں تربت تونگر پر

وہ ناتواں ہوں جو لیٹا کبھی میں بستر پر — گماں ہوا کہ شکن پڑ گئی ہے چادر پر

پھریں گے حشر میں کھولے ہوئے وہ زلف دراز — بڑی بلا تو پڑے گی یہ اہلِ محشر پر

کچھ اس میں شان نکلتی ہے تیرے مژگاں کی — نثار ہو رگِ جاں ایک نوکِ نشتر پر

کیا عدو نے جو گیسوئے یار میں شانہ — ہوا یہ رشک کہ آرے چلے یہاں سر پر

پیا تھا جوشِ جنوں میں کبھی لہو میرا — وہی مزا ہے ابھی تک زبانِ خنجر پر

ہوا تلون اہلِ دول سے یہ ثابت — قدم ٹھہر نہیں سکتے ہیں آبِ گوہر پر

میں سخت جاں ہوں وہ کرتا ہے سنگسار مجھے — خطر ہے ضرب نہ آ جائے اس کی پتھر پر

لیے ہیں دفترِ عصیاں کو کاتبِ اعمال — مرے گناہوں کی گٹھڑی ہے غیر کے سر پر

یہ مجھ کو حسرتِ دیدارِ یار تھی دمِ قتل — پسِ فنا نہ چڑھا خون بھی مرا سر پر

جو ایک دم کو بھی غرفے میں آپ آ بیٹھے — ہجومِ خلق سے دیوار اٹھ گئی در پر

وہ ناتواں ہوں نکالے جو گھر سے یار مجھے — چلوں وہ چال کہ پہنچوں نہ حشر تک در پر

ہجومِ اشک سے دانتوں کے عشق میں یہ کھلا — بندھا ہے موتیوں کا پل یہ آبِ گوہر پر

وہ ناتواں ہوں کہ آئے جو نیند کا جھونکا — تو اڑ کے مثلِ پرِ کاہ جاؤں بستر پر

شکر ہے آئے بھی میرے گھر میں جہاں بھی ہوئے
یہ عنایت پر عنایت بندۂ درگاہ پر

دم میں مٹ جائیں گے یہ مثل حباب اب اے امیر
ہیں عبث مغرور منعم خیمہ خرگاہ پر

کون وحشت کا ہوا سلسلہ جنباں چل کر
آ رہا جو مرے دامن میں گریباں چل کر

تھا وہ دیوانہ کہ زنداں کی محبت نہ گئی
رہ گیا چار قدم سوئے بیاباں چل کر

جمع عشاق ہیں نکلو کہ گرے لاش پہ لاش
تیغ کی چال دکھاؤ سر میداں چل کر

ابر آیا ہے بہت بیٹھ چکے مسجد میں
کیجئے بادہ کشی آج گلستاں چل کر

قصد اس بزم کا کیجے کہ ملے بوسۂ لب
لیجئے مول کوئی لعل بدخشاں چل کر

جانتا ہوں کہ مجھے یاد دلاتا ہے وہ چال
چال مجھ سے نہ کرے کبک خراماں چل کر

باغ باغ اس کی گلی میں ہے مرا غنچۂ دل
کیا کروں میں طرف روضۂ رضواں چل کر

سخت جاں ایسے ہیں عاشق کہ نکلتا نہیں دم
پانی پانی ہے ترا خنجر براں چل کر

تو خراماں ہو جو گلشن میں تو تیرے آگے
کبک و طاؤس نہ کیونکر ہوں پشیماں چل کر

دل بھر آتا ہے احباب کی فرقت میں امیر
روئیے خوب سر گور غریباں چل کر

طرفہ دولت کا نشاں زلف رسا ہے سر پر
تو شہ حسن ہے یہ ظل ہما ہے سر پر

سارے عالم میں پھرے ہم نہ ملی امن کی جا
پہنچے جس شہر میں دیکھا کہ قضا ہے سر پر

واقعی کتنی ہے معشوقۂ دنیا بے شرم
رخ پہ اس کے ہے نہ برقع نہ ردا ہے سر پر

شمع ساں سوزش غم سے نہیں دنیا کو نجات
کیا تکلف ہے اگر تاج طلا ہے سر پر

دھوپ میں چل کے دکھایا ہے نیا تم نے فروغ
آفتابی ہے کہ داماں قبا ہے سر پر

روبرو اس کے جھپکتی ہے سدا مہر کی آنکھ
چاند سورج کی وہ چوٹی میں ضیا ہے سر پر

کہکشاں چرخ پہ دیکھی تو یہ سمجھے شب ہجر
ترک کھینچے ہوئے شمشیر جفا ہے سر پر

سلطنت کو ترے درویش سمجھتے ہیں وبال
سایۂ بال ہما ابر بلا ہے سر پر

رخ ٹوپی نہیں پہنی ہے مرے قاتل نے
خون ناحق کسی کشتے کا چڑھا ہے سر پر

حسب ارشاد نبی فقر حقیقت میں ہے فخر
ابر رحمت کہ گلیم فقرا ہے سر پر

دشت میں گرمی رفتار و بخار دل سے
بجلیاں پانوں کے نیچے ہیں گھٹا ہے سر پر

حامل کوہ غم ہجر ہوں کیا راہ چلوں
پانوں اٹھ سکتے نہیں بوجھ بڑا ہے سر پر

کوئے جاناں میں گرایا مجھے اے لغزش پا
بارک اللہ یہ احسان ترا ہے سر پر

میکشو پانوں اٹھائے ہوئے گلشن کو چلو
ساتھ چلتی ہے ہوا سرد گھٹا ہے سر پر

محتسب دل لیے ہے شیشے کی پری کا دشمن
سخت دیوانہ ہے جن اسکے چڑھا ہے سر پر

واعظ شہر بھی رکھتا ہے کنہیا کا مکٹ
واہ عمامہ عجب جلوہ نما ہے سر پر

اہل دنیا ہیں غرض کے لیئے دیندار امیر
وقت سوگند کے قرآں کی جا ہے سر پر

اور بھی تیر لگا دل پہ مری جاں دو چار
ساتھ پیکاں کے نکل جاتے ہیں ارماں دو چار

ذکر اس مصحف عارض کا بھی ہوتا ہے ضرور
جمع ہوتے ہیں جہاں حافظ قرآں دو چار

ساکنان حرم و دیر کو ہم دیکھ آئے
رخ کے حیراں ہیں تو گیسو کے پریشاں دو چار

جب نکلتے ہیں مکاں سے وہ بدل کر کپڑے
چاک ہو جاتے ہیں رستے میں گریباں دو چار

مجلس گور غریباں نہیں رہتی خالی
روز آ رہتے ہیں اسمیں نئے مہماں دو چار

جھانک کر روزن دیوار سے دیکھو تو ذرا
در پہ ہیں خاک نشیں بے سر و ساماں دو چار

عاشق عارض و لب قید سے چھوٹے بیدم
گئے دس بیس حلب کو تو بدخشاں دو چار

ہوں وہ وحشی کہ ٹھہرتا نہیں دل روز مرا
جب تلک طے نہیں کرتا ہوں بیاباں دو چار

رخ کے عشاق سے وابستہ گیسو ہیں سوا
لاکھوں ہندو نظر آتے ہیں مسلماں دو چار

ہوں وہ بسمل مرے زخموں کو مزہ درد کا ہے
نہ بھرے جی جو نہ خالی ہو نمکداں دو چار

امتحاں مردمِ دنیا کا کیا ہم نے امیر

دیو خصلت جو ہزاروں ہیں تو انساں دو چار

تمہیں کو جانا تمہیں کو سمجھے تمام عالم سے تنگ ہو کر — دوئی کا وحدت میں دخل کیسا رہے ہمیشہ الگ ہو کر

ادا تو دیکھو کہ وقتِ زینت ہر ایک بال نکالا اُسکے — چبھا رگِ جاں میں مثلِ نشتر جگر پہ بیٹھا خدنگ ہو کر

ٹھہر گیا ہے ہمارے دلمیں ہزار منت سے دردِ الفت — مگر یہ ڈر ہے کہ اٹھ نہ جائے مکاں کی تنگی سے تنگ ہو کر

قدم جو اسکے مکاں میں رکھوں نہیں یہ ممکن کہ ہوں نہ زخمی — لگانے دروں کے مجھکو چھرے ہر ایک روزن تفنگ ہو کر

جو سخت دل گردشوں سے چھوٹے تو پہنچے اوروں کو اس سے ایذا — بدوں کو زخمی کرے مقرر جدا فلاخن سے سنگ ہو کر

عبورِ دریا میں ساتھ میرے ہے میری تقدیر کی برائی — بجا ہے کشتی پہ دانت پیسے جو ارہ پشت نہنگ ہو کر

نہاں تھا آنا کہ ہو نہ ظاہر عیاں تھا جانا کہ سب میں ماہر — وہ دلمیں آئے امنگ ہو کر گئے تو چہرے کا رنگ ہو کر

بہت فرنگی بچوں کی صحبت کا شوق لے جا رہا ہے ہمکو — حرم کو تم سیدھی راہ جاؤ ہم آ رہیں گے فرنگ ہو کر

کہاں طریقِ جنوں میں ہمسا ہے کوئی آنا ہے جگا دا آفت — چھپا جو تلوے میں اپنے کانٹا وہ دل پہ بیٹھا خدنگ ہو کر

غضب ہے انساں دمِ مصیبت کرے جو انساں سے بیوفائی — کہ دیکھو چکی کے پاٹ کیسے ہیں ہم گردش میں سنگ ہو کر

ہوئے تھے بند دریچوں کے عاشق شہید ہونگی کیا خبر تھی — نہ جانتے تھے کہ خوں ہمارا اٹھیگا ہولی کا رنگ ہو کر

اثر نہ جائے کسطرح سے مرے مقدر کی کوتہی کا — فلک جو تصویر سینچے بھی دے وہ تیر پہنچائے تنگ ہو کر

گیا وہ موسم کشادگی کا کہ غنچہ ہوتا تھا ہاتھ میں گل — وہ فصل ہے اب اگر میں سونگھوں تو پھول غنچہ بنیگا ہو کر

جواب خط وہ اُدھر سے آیا کہ دل کیا اسنے تیر زخمی

ہوا کی صورت گیا کبوتر پھرا وہاں سے خدنگ ہو کر

نہ کیجیو باطن ہوا ہے برہمن ذرا تو چشمِ تمیز وا کر — خدا کا بندہ بتوں کو سجدہ خدا لحاظ کر خدا لحاظ کر

جو اٹھکے پہلو سے انجمن میں وہ دور بیٹھے ہیں مجھسے جا کر — تڑپ نے دردِ جگر کے دل کو پٹک دیا ہے اٹھا اٹھا کر

شرر سے کہدو کہ پست فطرت بھبکتا ہے کیوں تو تجلی کو پا کر — یہ کیا سمجھ پر پڑے ہیں پتھر ارادۂ منزل فنا کر

قدم کو لغزش زباں کو لکنت سرکو رعشہ ہاتھوں کو جنبش — کدھر گئی ہائے نوجوانی ان آفتوں میں ہمیں پھنسا کر

جو آنکھ کھولی تو کچھ نہ دیکھا سحر کو سنسان سب الٹتی
ہوا نہ ہمراہیوں سے اتنا کہ ساتھ لیتے مجھے جگا کر

نہ بھول اس زندگی پہ غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اسکا
کہ راہ لیگی یہ اپنی اک دن عدم کا رستہ تجھے بتا کر

بپا ہے طوفان بے ثباتی ردا ردی میں ہیں گرم موجیں
ہوا ہیں ناحق بھرا ہوا ہے حباب دریا میں گھر بنا کر

چمن ہے کشتوں کا تیرے مدفن یہ لالہ و گل نہیں شگفتہ
صبا نے گویا کہ تربتوں پر چراغ روشن کئے ہیں لا کر

نہیں ہے کوئی جہاں میں باقی چلیگی اب تیغ ناز کس پر
مگر ترے قتل گہ میں لائیں مسیح مُردے جلا جلا کر

اسی کا ہے رنگ یاسمیں میں اسی کی بو باس نسترن میں
جو کھڑکے پتا بھی اس چمن میں خیال آوارہ آشنا کر

بلا ہے حرص و ہوائے دنیا کہ جس سے چکر میں ہیں سب انساں
کیا پریشان ان آندھیوں نے تمام ذرّوں کو خاک اڑا کر

جو آئینہ ہو تو ٹوٹ جائے جو آنکھ ہو وہ تو پھوٹ جائے
خدا نہ منہ غیر کا دکھائے فروغ عارض ترا دکھا کر

سخنوروں سے معاملے میں سوائے ذلت حصول کیا ہے
چمن میں بکتے جو کوئی ہمسے تو ہنس پڑے پھول کھلکھلا کر

یہ کسکی تیغ جفا کا یارب ہر ایک دلیر ہے رعب غالب
ہلال کی ہے خمیدہ گردن سپہر چلتا ہے سر جھکا کر

شبیہ مد نظر ہے کس کی کہ کوئی پوری نہیں اترتی
مٹا دیئے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر

زمانہ ہے دل جلوں کی محفل سپند سے کم نہیں تو اے دل
کوئی تو ہنگامہ تو بھی غافل اس انجمن میں کبھی بپا کر

ہے تیغ جاناں میں حشر برپا تڑپ کا دیکھے یہ تھا تقاضا
مگر بڑی مشکلوں سے روکا ادب نے زانو دبا دبا کر

جواب رقعے نہیں ہیں اپنا فسوں گری ہیں تمہاری آنکھیں
فریب دیتی ہیں اک جہاں کو نئے نئے شعبدے دکھا کر

ذرا سے کھٹکے نے نیند اڑا دی کہ چوٹ تھی یہ جیب لگائی
صدا یہ گوش شرر میں آئی کہ خواب سنگیں سے چشم وا کر

امیر میری رگ گلو کو یہ تیغ قاتل کی آرزو تھی
ملے وہ آ کر جو بعد مدت تو خوب روئے گلے لگا کر

ہوا سودا ہمکو جوش وحشت چمن میں روز بہار جا کر
گلوں نے ہنس ہنس کے مار ڈالا رلایا غنچوں نے مسکرا کر

وہ پست ہیں ہم کہ پانوں اپنے تلے ہیں عرش بریں بچھا کر
کبھی جو چوکھٹ پہ میکدے کی گرے ہیں تو شیشے لنڈھا کر

عبث ہے مغرور تجھکو نخوت نہیں غریبوں کو تیری پروا
خدا ہے سر مور ناتواں کا جو تو سلیماں ہے تو ہوا کر

یہ ظلم سارے ہیں چند روزہ ہے ایکدن انتقام کا بھی
امیر حکام گرم کر لیں فقیر کا جھونپڑا جلا کر

خیال گیسو میں دل ہمارا جو آجکی شب اُلجھ رہا ہے
کہاں سے لایا ہے یا الٰہی یہ گھر میں کالی بلا لگاکر

شب جدائی ہوئی یہ حالت رہی تپ درد و غم کی شدت
جو ہوش آیا تو ہم نے پٹکا زمیں پہ تکیے سے سر اٹھاکر

خدا ہی باندھے ہوا کچھ ایسی کہ دل ہو اس گرم خو کا پانی
کیا ہے لوگوں نے آگ اسکو لگا لگاکر بجھا بجھاکر

عیاں جو سرخی شفق کی دیکھی ہمارے دلکو ہوا یہ دھوکا
ترے شہیدوں میں ترک گردوں ہوا ہے شامل لہو لگاکر

نکیر و منکر جو آئینگے اب تو راہ ہو لینگے بے تامل
ہماری تربت پہ اقربا نے کیا ہے اندھیر خاک اُڑاکر

نبی نے چھوڑا جہاں نہیں قرآں نہ سمجھے کوئی تو خود ہی جاہل
قصور رہرو کا ہے جو اندھا گئے خضر راستہ بتاکر

طبیب سے کوئی جاکے کہدے دوا کی ہے فکر تجھکو بیجا
یہ درد دل ہے علاج کیسا خبر ہے کچھ ہوش کی دوا کر

بجا ہے چاہِ ذقن کو تیرے کہے اگر خلق چاہِ زمزم
مریض اچھے ہوئے ہیں اکثر اسی کنوئیں میں نہا نہاکر

جدا ہے پہلو سے کسکا پہلو کہ سارے اعضا ہوئے ہیں دشمن
فشار دیتے ہیں زندگی میں ہمارے پہلو ہمیں دباکر

رقیب نے تیرے گھر سے ہمکو صنم نکالا اگر نکالا
زمیں پہ آئے جناں سے آدم فریب شیطاں سے داغ اٹھاکر

بہار آئی چمن میں ساقی ہمیں بھی کر دور جام سے خوش
نسیم گلشن لٹا رہی ہے گلوں کو کیا کیا ہنسا ہنساکر

اسیر قسمت میں جو لکھا ہے اُسی کا ہر روز سامنا ہے
خدا ہے مالک خدا ہے رزاق کسی سے ہرگز نہ التجا کرنا

ردیف رائے ثقیلہ

منھ پھیر نہ کر وطن کیطرف یوں وطن کو چھوڑ
چھوٹے جو بوئے گل کیطرح سے وطن کو چھوڑ

اے روح کیا بدن میں پڑی ہے بدن کو چھوڑ
میلا بہت ہوا ہے اب اس پیرہن کو چھوڑ

کیا لطف اگر کجی پہ فلک ہم بھی آگئے
سیدھی طرح سے راہ پہ آ اُس چلن کو چھوڑ

ہے روح کو ہوس کہ نہ چھوڑے بدن کا ساتھ
غربت پکارتی ہے کہ غافل وطن کو چھوڑ

کہتی ہے بوئے گل سے صبا آکے صبحدم
اب کچھ ادھر اُدھر کی ہوا کھا چمن کو چھوڑ

تلوار چل رہی ہے کہ یہ تیری چال ہے
اے بت خدا کیواسطے اس بانکپن کو چھوڑ

نقاش فکر یار کا رخ کھینچ زلف پیچ — کھینچا نہ جائیگا کبھی اُسکے دہن کو چھوڑ

بندہ ترا ہوا ہے خدا کو وہ چھوڑ کر — اے بت امید خیر نہ رکھ برہمن کو چھوڑ

عریاں محض مجھکو نہ کر کچھ خدا سے ڈر — چادر تو اے فلک کوئی میرے کفن کو چھوڑ

ناداں سوائے حق ہے کسیکا کہاں وجود — باتیں خودی کی خوب نہیں ما و من کو چھوڑ

بیباک میرے سامنے پھرتا ہے چوکڑی — اے وحشت اب ٹھکانے غزال ختن کو چھوڑ

بسمل کو تیری تیغ سے کرتی ہے کیا جدا — دولھا سے کہہ رہی ہے قضا اس دلہن کو چھوڑ

راحت سے بیٹھ کوچۂ محنت سے ہاتھ اٹھا — اے دل ہوائے زلف شکن در شکن کو چھوڑ

شاعر کو فکر شعر میں راحت کہاں امیر
آرام چاہتا ہے تو مشق سخن کو چھوڑ

ردیف زائے معجمہ

کیا ہوش ربا ہیں تری تلوار کے انداز — سیکھے ہے یہ شاید تری رفتار کے انداز

اک جلوہ میں غش کر گئے اے حضرت موسیٰ — ہوتے ہیں یہی طالب دیدار کے انداز

ہنگام غضب منھ میں زباں کرتی ہے لغزش — ہیں محتسب شہر میں مے خوار کے انداز

طوبیٰ کے تلے برسوں ہی فردوس میں بیٹھے — پائے نہ ترے سایۂ دیوار کے انداز

کیا ناز ہیں صاحب تمہیں یکتائے جہاں ہو — دیکھو تو ذرا اور بھی دو چار کے انداز

بوسہ کوئی مانگے تو نہیں کہتے ہو ہنس کر — انکار میں بھی صاف ہیں اقرار کے انداز

کس شوق سے ملتا ہے گلے خنجر قاتل — ظالم کی کھنچاوٹ میں بھی ہیں پیار کے انداز

جب چوکڑیاں بھرتے ہوئے جاتے ہوئے آہو — یاد آتے ہیں مجھکو تری رفتار کے انداز

انصاف تو فرمایئے کیونکر میں اٹھاؤں — ہر بار کے یہ ناز یہ ہر بار کے انداز

آنکھیں تہ خنجر بھی ہیں دیدار کی طالب — دیکھو تو ذرا طالب دیدار کے انداز

ہر موج سے اک لغزشِ مستانہ ہویدا ہیں آبِ رواں میں تری رفتار کے انداز
کن آنکھوں سے دیکھوں میں نزاکت رگِ گُل کی پھرتے ہیں نظر میں کمرِ یار کے انداز
عیسیٰ میں تری چال ترے ناز کہاں ہیں ہاں باتوں میں البتہ ہیں گفتار کے انداز
گھبرا کے مسیحا جو چلا ہو سوئے گلشن اچھے نہیں کچھ نرگسِ بیمار کے انداز
کہتی ہے امیرؔ اس سے اجل میرے سرہانے
اچھے نہیں عیسیٰ ترے بیمار کے انداز

ہے یہ تیری کاکل پیچاں دراز عمرِ خضر ایسی کہاں جاناں دراز
ہر مصیبت میں رہی میرے شریک یا خدا عمرِ شبِ ہجراں دراز
سینہ خالی رہ گیا دل لے گئے کر کے دستِ ظلم وہ مژگاں دراز
کیوں نہ دعویٰ تیرے قامت سے کرے قدِ صنوبر کا ہے اے جاناں دراز
اہلِ دنیا کی ہوس ہے اے امیرؔ
مثلِ موئے قیدیِ زنداں دراز

ردیف سین مہملہ

جاتا ہوں اس لیے صنمِ بیوفا کے پاس پہنچا جو اس کے پاس وہ پہنچا خدا کے پاس
یوں دل مرا ہے اس صنمِ بیوفا کے پاس جس طرح آشنا کسی ناآشنا کے پاس
پہلو میں دل کے چاہیے تصویرِ یار کی بتخانہ بھی بنے حرمِ کبریا کے پاس
بولا وہ بیت سرہانے مرے آ کے وقتِ نزع فریاد کو ہمارے چلے ہو خدا کے پاس
ثابت ہوا یہ گرمِ نگاہی سے یار کی نکلی نہیں ہے ہو کے وہ شوخی حیا کے پاس
تلوار کے تو دور سے کتنے لگائے وار جلاد کوئی ہاتھ چھری کا بھی آ کے پاس
سنبل کو چھیڑ کر جو پریشان کر دیا کیا بوئے زلفِ یار بھی تھی کچھ صبا کے پاس

توفیق اتنی دے مجھے افلاس میں خدا
حاجت نہ لیکے جاؤں کبھی اغنیا کے پاس

انصاف کر کہ ہجر میں کیونکر میں جان دوں
قاتل کہاں ہیں تیری ادائیں قضا کے پاس

مجروح لاکھوں جنبش مژگاں سے ہوگئے
کیا کیا کٹاریاں ہیں تمہاری ادا کے پاس

مرنیکی آس بھی نہ رہی عاشقوں کو اب
جب پوچھیے قضا کو ہے انکی ادا کے پاس

رہتے ہیں ہاتھ باندھے ہوئے گلرخاں دہر
یارب ہے کس غضب کا فسوں اس حنا کے پاس

نظارہ چاہتے ہیں ہم حسن و عشق کا
آئینہ دیکھتے ہیں وہ مجھ کو بٹھا کے پاس

آئی قضا جو حسرت پابوس میں تو خیر
بنتا مزار کاش ترے نقش پا کے پاس

لٹکا کے مار رکھتی ہے عشاق کو ترے
لٹکا عجب یہ ہے تری زلف رسا کے پاس

پیچھے پڑا ہے انکی گیسو کے دل امیر
جاتا ہے دوڑ دوڑ کے یہ خود قضا کے پاس

آئیں پہن پہن کے نئے گلبدن لباس
یارب ہزار رنگ کے بدلے چمن لباس

کرتے ہیں کیا لباس سے آرائش بدن
اک روز فرش خاک ہے مسند کفن لباس

کیا کیا بتوں کو دہر میں آراستہ کرے
اترا ہوا جو پائے ترا یہ ہمن لباس

بھاڑوں میں اپنا جامۂ ہستی تو دے کفن
پہنائے یوں حیا مجھے چرخ کہن لباس

کہدو قریب آئی سواری بہار کی
پہنے نیا اتارے پرانا چمن لباس

دزدِ کفن کا گور کی منزل میں خوف ہے
اس راہ میں بھی لوٹتے ہیں راہزن لباس

نافے لبائیں قیمت مشک ختن بڑھے
پائیں ترا جو تاجر ملک ختن لباس

یاد آئے مجھ غریب کی عریاں تنی اگر
پہنیں کبھی نہ بھول کے اہل وطن لباس

زیبا ہو خاک عشق کا جامہ رقیب کو
کیونکر خوش آئے مرد کا پہنے جو زن لباس

ہے عید گاہ میں بھی تماشائے بوستاں
کیا لعل لعل پہنے ہیں گل پیرہن لباس

عریاں تنوں پہ تیرے ہے اللہ کا کرم
گزری ہیں مدتیں نہیں ہوتا کہن لباس

ہے ٹکڑے ٹکڑے یاد وطن میں دل امیر
کیونکر کرے نہ چاک غریب الوطن لباس

بیتاب ہجر یار میں اپنا جگر ہے دل کے پاس
بسمل تڑپتا ہو کوئی جیسے کسی بسمل کے پاس

تعبیر ظاہر ہے کہ وہ جائیں گے بزم غیر میں
دکھلایا نہ وصل کو خواب میں مجھے مہ کامل کے پاس

لیلیٰ حسین تم نازنیں وقت سفر اے مہ جبیں
ناقہ ہو ناقے کے قریں محمل ہے محمل کے پاس

ہوں وہ گدائے مجتمع گھر میں ہے مرے خلق خدا
گویا کہ نقش بوریا ہے نقش حب عامل کے پاس

کیونکر نہ ہو اس رخ پہ خط چاہ ذقن سے خوشنما
سرسبز رہتا ہے بہت جو کھیت ہو ساحل کے پاس

پیری میں باقی ہے کہاں ہوش و خرد تاب و تواں
لوٹا گیا یہ کارواں پہنچے جو ہم منزل کے پاس

زاہد جو تنہائی میں تھا مجھ کو تجھ کو باتوں کا مزہ
لازم تھا کنج انزوا منجوار دنکمی منزل کے پاس

نزدیک وصل دلربا دل کو تسلی ہے بجا
لنگر سفینے کو ہوا پہنچا اگر ساحل کے پاس

یہ فوج غم آکر گری اک دم میں ساری لٹ گئی
جتنی متاع صبر تھی مجھ خستہ جاں کی دل کے پاس

جیسیں سما جائیں اگر اس چشم تر کے سر بسر
دامن دریا نے چشم تر الیا کہاں ساحل کے پاس

بیمار ہجر یار ہوں عیسیٰ سے میں بیزار ہوں
دیوانہ ہشیار ہوں جاتا ہوں کب عاقل کے پاس

ناوک فگن شکر خدا سینہ ہدف تو نے کیا
پیکان تیر بے خطا منزل جگر ہے دل کے پاس

جیتا کہ ہے سر دوش پر جائیگا کیونکر درد سر
صحت کہاں عیسیٰ کے گھر چلیے کسی قاتل کے پاس

آنکھیں تری سفاک ہیں خونریز ہیں چالاک ہیں
دو ساحر بیباک ہیں بیٹھے ہیں دونوں ملکے پاس

کیا ذکر اہل سیم و زر سلطاں گدا ہوں بیشتر
دہ کیسا دینے کو اگر آئیں بھی سائل کے پاس

دنیا سے راحت دور ہے سرکش بہت مغرور ہے
تاج سر فغفور ہے کاسہ نہیں سائل کے پاس

محفل میں وہ زہرہ جبیں گرد اسکے سارے نازنیں
گویا کہ ہیں محفل نشیں انجم مہ کامل کے پاس

کیا حسن فرخ فال ہے جادو کی وہ تمثال ہے
چاہ ذقن پر خال ہے زہرہ چہ بابل کے پاس

مرتا ہوں خواب عیش پر پھولوں نہ میں تن قتل کر
پہنچے مقرر لوٹ کر سر زانوئے قاتل کے پاس

سُن جو امیرا یدل کہے تا ثیر نہ تو صدمے سہے
ناقص نہ پھر ناقص رہے بیٹھے اگر کامل کے پاس

ردیف شین معجمہ

رہی جو یوں ہیں مرے یپک آہ کی گردش
دہائی دے گی رسالت پناہ کی گردش

ازل میں کس نے دکھائی نگاہ کی گردش
کہ ساری خلق کو ہے ایک راہ کی گردش

کسی کا ساتھ زمانے میں کون دیتا ہے
پھرا جو سر تو نہ دیکھی کلاہ کی گردش

جو گرد باد کو دیکھا یقیں ہوا دل کو
اسی طریق سے ہے چترِ شاہ کی گردش

بجا ہے تیغ نگہ ہے جو آب دارا ے ترک
کہ سان ہے تری چشم سیاہ کی گردش

ہزار بار ادھر کی اُدھر کرے دنیا
فلک نہ پائے گا تیری نگاہ کی گردش

گلی گلی اسے چکر ہے اس کو شہر بہ شہر
کہیں فقیر سے افزوں ہے شاہ کی گردش

پھنسیں گے حشر میں فریادرس جو غافل ہیں
بنے گی طوق گلو دادخواہ کی گردش

صف مژہ کو وہ دیتا ہے جنبشیں ہر دم
پسند شاہ کو ہے خود سپاہ کی گردش

تمہاری گرمی رفتار سے یہ بھڑکی آگ
نئی ہے شعلہ جوالا راہ کی گردش

اٹھاؤ پردہ رخ کب سے دوڑتے ہیں یہ
کہیں ٹھکانے لگے مہر و ماہ کی گردش

دھوئیں اُڑائے زحل سے مقابلہ کرکے
بڑھی رہی مرے بخت سیاہ کی گردش

فلک نے جب کوئی چکر بڑا دیا مجھ کو
نظر میں پھر گئی تیری نگاہ کی گردش

بنیں گے نہ ورقِ چرخ پر دوائر داغ
رہی جو یہ ہیں مرے کلک آہ کی گردش

وہ لالہ رو در گلشن سے جا کے پھر آیا
امیر طالع مردم گیاہ کی گردش

پھنسائے گی طلب عز و جاہ کی گردش
بنے گی حلقۂ زنجیر راہ کی گردش

نہیں ہے چرخ پہ بے وجہ ماہ کی گردش
پھرا رہی ہے کسی کی نگاہ کی گردش

جو آئی حشر میں یاد اُس نگاہ کی گردش
زبان بھول گئی دادخواہ کی گردش

مکان یار میں تب دخل ہم نے پایا
جب اُسکے کوچے میں دو چار ماہ کی گردش

کسی کے ساتھ نہ سیدھا چلا یہ کج رفتار
زمانہ ہے کہ تمہاری نگاہ کی گردش

لگا کے سرمہ نظر اُس نے پھیر لی ہم سے
اثر دکھا گئی بخت سیاہ کی گردش

کسی کے کوچۂ گیسو میں دل ہے سرگرداں
گدا کے پانوں ہیں اور کوئے شاہ کی گردش

جو کچھ نصیب میں ہے اے ہوس وہ ملتا ہے
پھرا ہے سر جو اٹھاؤں میں راہ کی گردش

خدا کی شان کی نیرنگیاں دکھاتی ہے
بتوں کی چشم سفید و سیاہ کی گردش

یوہیں زمانہ ہے اندھیر میری آنکھوں میں
فلک بناتی ہے کیوں دود آہ کی گردش

تمہاری سیدھی نظر نے تو یہ دیے چکر
خدا دکھائے نہ ترچھی نگاہ کی گردش

برنگ جادۂ صحرا ازل سے اے وحشت
مرے نصیب میں لکھی ہے راہ کی گردش

جنوں میں ضعف سے یہ شکل نگینی ہے اسیر
لپٹ کے پانوں سے روتی ہے راہ کی گردش

حیوان کو بھی ہے وصل کی اوقات کی تلاش
طاؤس کو ہمیشہ ہے برسات کی تلاش

یہ ایک حسن لاکھ شرافت سے بڑھ کے ہے
ناداں ہے دیکھے دل جو کرے ذات کی تلاش

بوسے کی آرزو ہے ہمیں مفلسی میں یوں
جیسے گدا کو ہوتی ہے خیرات کی تلاش

پیری میں چاہیئے نہ جوانی کی آرزو
بے عقل ہے جو دن کو کرے رات کی تلاش

جز ذات بے نیاز کوئی یاں غنی نہیں
عالم کو ہے کسی نہ کسی بات کی تلاش

کب بھولتی ہے یاد خط و زلف یار انھیں
دن رات عاشقوں کو ہے آفات کی تلاش

حضرت کو گر نہیں مری پروا تو غم نہیں
بندے کو کب ہے قبلۂ حاجات کی تلاش

ہے میکشی کا دھیان عبادت کے وقت میں
مسجد میں بیٹھ کر ہے خرابات کی تلاش

شہرے سے حسن کے ہوئے مشتاق یار ہم
سن کر صفات ہم کو ہوئی ذات کی تلاش

ہم اور بوسۂ لب محبوب سبزہ رنگ
کرتا ہے کون پردۂ ظلمات کی تلاش

اے شیخ ہے اسیر تو دیدار کا فقیر
اس کو نہ کشف کی نہ کرامات کی تلاش

ردیف صاد مہملہ

دل کو ہے زلف سیہ فام کی حرص
ورنہ کس مرغ کو ہے دام کی حرص

میری آنکھوں کو مرے کانوں کو
ہے ترے نام و پیغام کی حرص

ذوق دل مست مجھے رکھتا ہے
جم نہیں ہوں جو کروں جام کی حرص

باغ عالم میں ہے عنقا کی طرح
بے نشانی میں مجھے نام کی حرص

ہے عجب دردِ محبت میں مزا
اس مرض میں نہیں آرام کی حرص

نام محبوب رہے وردِ زباں
کام کی ہے تو یہ ہے کام کی حرص

نظر آجائے جو وہ مصحفِ رُخ
ہندوں کو بھی ہو اسلام کی حرص

عاشق خانہ خرابی ہیں ہم
کسکو ہے زیب در و بام کی حرص

خط کے لایا ہے وہاں سے پُر زے
اس پہ قاصد کو ہے پیغام کی حرص

ابھی پختہ نہیں وہ سیب ذقن
کیجئے کیا طمع خام کی حرص

لب شیریں پہ ترے خط نکلا
اب نہ بوسے کی نہ دشنام کی حرص

عشق نے سب سے کیا بے پروا
ننگ کی ہے نہ مجھے نام کی حرص

ہجر جاناں میں نہانا کیسا
خاک مردے کو ہو حمام کی حرص

خوش ہیں ہم جامۂ عریانی میں
کس کو ہے جامۂ احرام کی حرص

پھول دیکھے ہیں جو چوٹی میں ترے
عندلیبوں کو ہے گلدام کی حرص

ہجو میکش ہے لب واعظ پر　　　دل میں پوشیدہ ہے مے و جام کی حرص

لے گئی ہند سے تا شام امیر
ہم کو اس زلف سیاہ فام کی حرص

سیدھی نگاہ میں ہیں ترے تیر کے خواص　　　ترچھی ذرا ہوئی تو ہیں شمشیر کے خواص

مشہور ہیں جہاں میں جو اکسیر کے خواص　　　وہ سب ہیں خاک روضۂ شبیر کے خواص

حیرت مجھے ملی ہے جو تم کو ملا ہے حسن　　　دونوں طرف ہیں ایک سی تصویر کے خواص

دنیا سے بے نیاز ترے خاکسار ہیں　　　ہیں تیری خاک پا میں بھی اکسیر کے خواص

کرتی ہے یہ بھی اس کی طرح سے مخالفت　　　تدبیر میں بھی ہیں مری تقدیر کے خواص

ابرو دکھا کے دل کو وہ کر لیتے ہیں شکار　　　یہ طرفہ ہیں کمان میں بھی تیر کے خواص

ترکش میں تیر میان میں شمشیر مضطرب　　　دیکھو تو بے قراری نخچیر کے خواص

اترے نہ مر کے بھی ترے عاشق کے پاؤں سے　　　زنجیر میں ہیں زلف گرہ گیر کے خواص

آتی ہے خاک گور غریباں سے یہ صدا　　　غافل ہیں مجھ میں سرمۂ تسخیر کے خواص

بھیجا جو نامہ تو نے مسیحا میں جی اٹھا　　　تحریر میں بھی ہیں ترے تقریر کے خواص

مشکل پڑی حضور کو گھر رات کاٹنی　　　دیکھے ہمارے نالۂ شبگیر کے خواص

کہتا ہے شعر سن کے کوئی واہ کوئی آہ　　　کچھ میرزا کے مجھ میں ہیں کچھ میر کے خواص

برزخ سے بڑھ کے شغل نہیں ہے کوئی امیر
آجاتے ہیں مرید میں بھی پیر کے خواص

ردیف ضاد معجمہ

مکاں سے ہے نہ کچھ ہمکو لامکاں سے غرض　　　جہاں حضور ملیں ہمکو ہے وہاں سے غرض

تمہارے جلوے کے مشتاق ہیں جہاں ہو نصیب　　　زمیں سے کام نہ کچھ ہمکو آسماں سے غرض

تمہاری ذات سے مطلب ہے دین و دنیا میں | نہ کچھ یہاں سے غرض ہے نہ کچھ وہاں سے غرض
ہر ایک فصل میں مانند سرو ایک ہے رنگ | بہار سے ہے نہ مطلب نہ کچھ خزاں سے غرض
خیال ہے کہ جو برق آئے منفعل ہو پھرے | نہیں کچھ اور خس و خار آشیاں سے غرض
پتا مکاں کا جو پوچھا تو اس نے ہنس کے کہا | کہ آپ کون ہیں کیا ہے مرے مکاں سے غرض
جو تو ہو پاس تو ناصح کی کون سنتا ہے | شب وصال میں ہے کس کو قصہ خواں سے غرض
تمیز عشق و ہوس میں کہاں وہ کمسن ہیں | نہ جھوٹ سچ پہ نظر ہے نہ امتحاں سے غرض
نہ پھولنے کی توقع یہاں نہ پھلنے کی | نہال خشک ہوں کیا مجھکو باغباں سے غرض
زمین کوچۂ جاناں میں دفن ہو جاؤں | اگر غرض ہو تو اتنی ہے آسماں سے غرض
ہجوم اشک سے جان عزیز کھینچی ہو | وہ یوسف اور تھے جنکو تھی کارواں سے غرض
حرم سے کام نہ مطلب ہے دیر سے ہمکو | سر نیاز کو ہے تیرے آستاں سے غرض

کسے ہے فکر مضامین تازہ کی فرصت
امیر ہے مجھے شیرینی زباں سے غرض

جلے دل عاشقوں کے کیونکر نہ وقت نظارہ تاب عارض | وہ روز روشن ہے مہر محشر تو صبح محشر نقاب عارض
عیاں ہے اعجاز حسن سب پر ہو نہ زمانہ مطیع کیونکر | جمال اسکا ہے وہ پیمبر کہ جسپہ نازل کتاب عارض
بیان توصیف خال خط میں جو کوئی لکھے تو بس یہ لکھے | یہ خط گلزار صفحۂ رخ وہ نقطۂ انتخاب عارض
خدا نے نور و ضیا سے کیسے کیے ہیں پر نور دونوں عالم | فلک پہ ہے آفتاب خاور زمیں پہ ہے آفتاب عارض
حسین کوئی کہاں ہے ایسا کہ ہوں مناسب تمام اعضا | اسیکا گیسو جواب گیسو اسیکا عارض جواب عارض
ہزار خواہش کوئی جتائے وہ چہرہ بے پردہ کیا دکھائے | جو خواب عاشق کو بھی نہ آئے کبھی اٹھے گا نقاب عارض
کہوں بہشت بریں میں گلبن تو نامناسب نہیں ہے کہنا | ہزار و شمشاد و بید کا عد میں کیا ہے جنے حساب عارض
شراب پی کر وہ مہر طلعت گر اک کا مستی میں ہے جو طالب | کباب پائے کی مچھلیوں کو کہتے دہیں التہاب عارض
عرق جو رخ سے ٹپک رہا ہے یہ رشحہ ہے آب بار اسکا | غلط نہیں اب خطے یہ جو ہو گمان سحاب عارض

پڑے ہیں ہم محو حسن ایسے کہ علم ہے اور طاق نسیاں
بیاض اپنی بیاض گردن کتاب اپنی کتاب عارض

نہیں ہے ممکن میان فانوس ہو جو پوشیدہ شمع روشن
اگر پڑینگے ہزار پردے نہوں گے دیچھپا عارض

ہر ایک ذرہ لبان شبنم ہزار امیدوار کے ہیں طالب
دکھائیے آفتاب عارض دکھائیے آفتاب عارض

تو خطا یہ اگر ہے تو بوسہ عاشق کو ہو عنایت
ضرور ہے تم کو صدقہ دینا گہن میں ہے آفتاب عارض

کہیں مہ چار دہ اگر ہم تو ہے یہ تشبیہ محض بیجا
کہ دہر نصف النہار سب ہے سنا ہے ہم نے خطاب عارض

امیر کی احتیاط ہم نے وگرنہ ممکن تھا ہم بھی کہتے
شراب عارض کباب عارض ثواب عارض عذاب عارض

ردیف ط

آیا ہے بندھ کے تیر میں مجھ کو ادھر سے خط
لکھنا پڑا جواب میں خون جگر سے خط

کرتا ہوں میں کبوتر روانہ ادھر سے خط
لکھا نصیب کا نہیں آتا ادھر سے خط

مضمون اس میں ہیں کمر یار سے رقم
آتا نہ باندھ بیچ کے قاصد کمر سے خط

غربت میں کس طرح نہ پریشاں ہوں میں غریب
اک عمر ہو گئی نہیں آیا ہے گھر سے خط

مضمون شوق کچھ ہیں قلم سے نکل گئے
ڈر ہے نکل نہ جائے کبوتر کے پر سے خط

چڑھتے ہیں نہ ماہتابی پہ الٹے ہوئے نقاب
لکھوائیے غلامی کا پہلے قمر سے خط

غربت نے تمام اہل وطن کے بھلا دیئے
بھیجوں کسے میں لکھ کے الٰہی سفر سے خط

میں تھام لوں جگر کو بہت ہے یہ بیقرار
قاصد ٹھہر نہ کھول ابھی تو کمر سے خط

بہتے ہیں اشک آنکھ سے فرط سرور میں
اے دل نہ شاد ہو کے لگا چشم تر سے خط

ان کو غرور حسن ہے مجھ کو غرور عشق
آئے کبھی ادھر سے نہ جائے ادھر سے خط

آیا جو تیری روح نے غالب سے یہ کہا
میری طلب میں دیکھ یہ آیا ادھر سے خط

آنسو رواں نہیں دم تحریر خط شوق
تحریر کر رہا ہوں میں آب گہر سے خط

پڑھنے دیا نہ دل کی تڑپ نے مجھے امیر
ایسے ہجوم شوق میں آیا اُدھر سے خط

لکھتا ہوں فرط شوق میں میں بار بار خط / لکھتا نہیں ہے ایک مجھے وہ نگار خط
جھنجھلا کے ایک بھی نہ پڑھیگا یقین ہے وہ / لکھے ہیں ایک روز میں میں نے ہزار خط
کیا شوق ہے بنا کے کبوتر کو نامہ بر / ایک ایک پر میں باندھ دیئے چار چار خط
لکھوں ذرا کدورت دل کا اگر میں حال / خط غبار کیا ہو سراپا غبار خط
ممکن نہیں کسی کو کرے نامہ وہ رقم / جبتک نکالتا نہیں اس کا غدار خط
بھیجا جو یار تک نہیں پہنچا یہ کیا ہوا / ڈوبا کہ جل گیا مرے پروردگار خط
لکھا ہے اپنے ہاتھ سے اس نے یہ نامہ بر / آنکھوں سے کیوں لگاؤں نہ میں بار بار خط
یٰسین کے بدلے اُسکو پڑھو میرے سامنے / آجائے یار کا جو دم احتضار خط
وہ سخت جان ہوں چھڑتی ہیں تیغیں ہزارہا / پڑتا نہیں ہے تن پہ مرے زینہار خط
نقلیں مری رقیبوں نے کیں سیکڑوں امیر
لکھا جو اُس نے مجھ کو ہوا اشتہار خط

ردیف ظائے معجمہ

جان بزم مے و معشوق غنیمت واعظ / خلد میں ہاتھ نہ آئیگی یہ صحبت واعظ
توبہ سو بار میں کر لوں گا کچھ انکار نہیں / مے کشی سے تو ذرا ہو مجھے فرصت واعظ
کانپنا خوف سے مستوں کا ہے عیاں بعیاں / کچھ زباں سے نہیں توبہ کی ضرورت واعظ
دل جلوں سے نہ جہنم کا کیا کر مذکور / کہیں ان کو بھی نہ آجائے حرارت واعظ
حق بجانب ہے جو زہاد کی تولیف کرے / تو نے رندوں کی اٹھائی نہیں صحبت واعظ
درد دل کون سنے ذکر جو میں کرتا ہوں / اور اُلٹی مجھے کرتا ہے نصیحت واعظ

فیض ساقی سے یہاں پیر جواں ہوتے ہیں
در میخانہ نہیں ہے در جنت واعظ

ہم سے دیوانوں کے آگے یہ قیامت کا بیان
کہیں آ جائے تجھی پہ نہ قیامت واعظ

تو جو رندوں کی حقیقت نہیں سمجھا نہ سمجھ
رند سمجھے ہیں تری خوب حقیقت واعظ

جام مے دیکھ کے جامے سے ہوا تو باہر
پی لے دو گھونٹ تو کیا ہو تری صورت واعظ

بات کیا سیدھی نظر سے نہیں لیتا ہے سلام
گھر ہیں اللہ کے رہ کر یہ مشیخت واعظ

دیکھ میخانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے
سر پہ مستوں کے ہے اللہ کی رحمت واعظ

ایسے پڑھنے سے تو اچھا تھا کہ جاہل رہتا
نہ حیا تجھ میں ہے باقی نہ مروت واعظ

مست ہم دختر رز کے ہیں وہ حوروں کا امیر
کبھی سمجھیگا نہ رندوں کی حقیقت واعظ

صبح کے وقت صبوحی کی مذمت واعظ
کیا ہوا ہے تجھے کیوں آئی ہے شامت واعظ

فصل گل میں بھی ہو محروم مے گلگوں سے
دل تو اچھے ہیں بری ہے تری قسمت واعظ

ابھی کچھ کہہ مری کچھ سن تو مزہ بھی اٹھے
تا کجا تذکرۂ دوزخ و جنت واعظ

دو گھڑی بادۂ گلرنگ کا بھی چرچا ہو
ختم کر ختم کر اب وعظ کی صحبت واعظ

بے سبب آہ پہ ہر دور سے و جام نہیں
کچھ تو ملتی ہے زباں کو ترے لذت واعظ

نشۂ بادۂ وحدت کے اٹھائے جو مزے
تو کرے پیر خرابات کی خدمت واعظ

ذوق پر اپنے ہے موقوف عذاب اور ثواب
ہے یہی میکدہ دوزخ یہی جنت واعظ

ذکر تو دختر رز کا ہو کسی رنگ سے ہو
وعظ میں تیرے بھی کچھ ملتی ہے لذت واعظ

قبر پہ سنگ کی جا چاہیے خشت سر خم
کر اٹھا آج بیباک کر یہ نصیحت واعظ

ایکدم ذکر سے اسکی نہیں تھمتی ہے زباں
دختر رز سے ہے تجھ کو بھی محبت واعظ

مسجد و خانہ کعبہ تو بہت دیکھ چکا
میکدے کی بھی مناسب ہے زیارت واعظ

دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے کہ ہے کیا چیز
نہ بصیرت ہے تجھے اور نہ بصارت واعظ

میکدہ چھوڑ کے جنت کی طرف جائے امیر
چڑھ کے منبر پہ یہ کی خوب عدالت واعظ

چپ بھی ہو بک رہا ہے کیا واعظ — مغز رندوں کا کھا گیا واعظ
تیرے کہنے سے رند جائیں گے — یہ تو ہے خانۂ خدا واعظ
اللہ اللہ یہ کبر اور یہ غرور — کیا خدا کا ہے دوسرا واعظ
بے خطا میکشوں پہ چشم غضب — حشر ہونے دے دیکھنا واعظ
ہم ہیں محظوظ شراب سے بیمار — کس مرض کی ہے تو دوا واعظ
رہ چکا بتکدے میں ساری عمر — کبھی میخانے میں بھی آ واعظ
ہجو مے کر رہا تھا منبر پر — ہم جو پہنچے تو پی گیا واعظ
دخت رز کو برا مرے آگے — پھر نہ کہنا کبھی سنا واعظ

آج کرتا ہوں وصف مے میں امیر
دیکھوں کہتا ہے اس میں کیا واعظ

ردیف عین مہملہ

پیش رخ پہ نور ہے ہر دم سفری شمع — کیوں شام ہی سے ہو نہ چراغ سحری شمع
دن رات یہ روشن ہے وہ روشن ہے تو شب بھر — پائے ترے کانوں کی کہاں جلوہ گری شمع
کس مہر درخشاں کی طرف دیکھ رہی ہے — بے وجہ نہیں ہے تری آنکھوں کی تری شمع
پروانوں سے ہونا ہے جو رخصت تجھے ہو لے — آتی ہے کوئی دم میں نسیم سحری شمع
ظاہر میں ہے معشوق تو باطن میں ہے عاشق — سیرت میں ہے دیوانہ تو صورت میں پری شمع
وہ جل کے ہوا خاک خبر تک نہیں تجھ کو — پروانے سے اچھی نہیں یہ بے خبری شمع
بیچارے پتنگوں کے پر و بال جو پھونکے — یہ بھی ہے کوئی شیوۂ بیدادگری شمع

سبزہ تمہارے کانوں کا اگر عکس نگن ہو — شمشاد کی صورت ابھی ہو جائے ہری شمع

کیا میری طرح تو بھی کسی مہ کی ہے عاشق — زردی ترے چہرے پہ ہے آنکھوں میں تری شمع

بلبل سے کہو آئے وہ پروانے کے بدلے — گل کر گئی محفل میں نسیم سحری شمع

پروانے کریں کس سے بیاں حال دل اپنا — سنتی ہی نہیں شکوۂ بے بال و پری شمع

معشوق کرے کیا جو مرے آپ ہی عاشق — پروانہ جلے خود تو خطا سے ہے بری شمع

محفل میں کھلے بالوں حسیں کیا کوئی آیا — ہے وجہ نہیں تیری پریشاں نظری شمع

بہتے ہیں امیر اشک جو اس کے تو اثر کیا
ہے سوز دگر از غم الفت سے بری شمع

میرے دل میں نہیں ہیں ارمان جمع — گھر میں اللہ کے ہیں مہمان جمع

سیکڑوں عشق کے ہیں سامان جمع — پر نہیں خاطر پریشان جمع

جوشش سودا خیال خط غم زلف — ہیں پریشانیوں کے سامان جمع

آرزو داغ ہے کسی حسرت — کیسے کیسے ہیں دل میں مہمان جمع

ہم کوئی رو کنے سے رکتے ہیں — در جاناں پہ کیوں ہیں مہمان جمع

ایک دل کے ہزار دل ہو جائیں — اس لیے کر رہا ہوں پیکان جمع

ہنس پڑو تم ہمارے رونے پر — لطف دیں ہوں جو برق و باراں جمع

آرزوئیں تری ہیں دل میں بھری — یاں پری خانے میں ہیں پریاں جمع

اے جنوں کب سے دونوں ہیں مشتاق — آج ہو جائیں جیب و داماں جمع

آج اٹھیں گے زخمیوں کو مزے — ہو رہے ہیں وہاں نمک داں جمع

گر یہی طبع کی روانی ہے — چار دن میں ہے اپنا دیوان جمع

اب ملے گی سخن کی داد امیر
آج محفل میں ہیں سخن داں جمع

ردیف غین معجمہ

دیکھنا ہمدم یہ بجلی ہے جو چمکاتی ہے تیغ
یا پری کہسار سے کھینچے ہوئے آتی ہے تیغ

جب گنہگاروں پہ تیرے رحم فرماتی ہے تیغ
ابر رحمت بنکے مقتل میں برس جاتی ہے تیغ

واہ رے شوق شہادت ایک پر گرتا ہے ایک
عمر گذری ہے کہ دم لینے نہیں پاتی ہے تیغ

چین پیشانی پہ ابرو پہ شکن اچھی نہیں
دیکھیے بیکار ہو جائیگی بل کھاتی ہے تیغ

روحیں قالب سے نکل آتی ہیں مارے شوق کے
میان سے اُسکے نکلنے بھی نہیں پاتی ہے تیغ

یہ لگاوٹ یہ کھنچاوٹ یہ چلن یہ بانکپن
قہر کی چالیں تجھے اے ترک سکھلاتی ہے تیغ

سخت جانی نے خجل کس کس کو مقتل میں کیا
اُس سے شرماتا ہوں میں اور مجھ سے شرماتی ہے تیغ

بسملوں کا جذبۂ شوق شہادت دیکھنا
میان سے بیتاب ہو کر خود نکل آتی ہے تیغ

آبروئے الفت دنداں قاتل میں ملی
اپنا مالا اب گلے میں میرے پہناتی ہے تیغ

چاہتی ہے بے مشقت سر خرو ہو جائے
قتل ہو جانیکا بیڑا مجھ سے اٹھواتی ہے تیغ

ہے یہ بازار جزا اے تیغ زن اپنی خبر
دیکھ وہ تیری قضا کھینچے ہوئے آتی ہے تیغ

سخت عاجز ہے ہماری سخت جانی دیکھ کر
پیستی ہے دانت سر تیغ سے ٹکراتی ہے تیغ

حال سارا آبداری کا ابھی کھل جائیگا
منھ مرے زخموں کا کیوں بند کر کے کھلواتی ہے تیغ

کیا عروس مرگ کا دولہا بنائیگی اسے
سرخ جوڑا تیرے کشتے کو جو پہناتی ہے تیغ

ہے پری آنے میں بجلی سے سوا جانے میں ہے
ناز سے آتی ہے اور انداز سے جاتی ہے تیغ

خضر وہ بھی ہے فقط رہزن نہ اسکو جانیے
جان لیتی ہے تو منزل پر بھی پہنچاتی ہے تیغ

اور میری تشنہ کامی پر کسے آتا ہے رحم
حلق میں دو بوند پانی آ کے ٹپکاتی ہے تیغ

تشنۂ دیدار ہوں پیاسا نہ مجھکو ذبح کر
دیکھ قاتل شرم سے پانی ہوئی جاتی ہے تیغ

مجرمانِ عشق کو کوئی دم میں بیڑا پار ہے
آجکل دریائے رحمت بن کے لہراتی ہے تیغ

بسملوں کے خون سے قاتل اسے سیراب کر / دیکھ تو کب سے زبانِ خشک دکھلاتی ہے تیغ

رعب ایسا چھا گیا ہے سخت جانی کا امیر
موت میری دور ہی سے مجھ کو دکھلاتی ہے تیغ

تیرے آگے کیا حسینوں کا جلے مہرو چراغ / انجم و مہتاب پروانے ہیں یا تیرے تو چراغ

ہاتھ سے اپنے جلائے تو جو اے گلرو چراغ / گل بھی ہو جائے تو پھر پھولوں کی دے خوشبو چراغ

وقت گریہ یاد گیسو بخت دل ہمراہ اشک / رات کو برسات میں ہوں جس طرح جگنو چراغ

نور عرفاں کیلئے آنکھوں میں آنسو ہیں ضرور / نور تب دیتا ہے جب روغن سے ہو مملو چراغ

قصر سلطاں خانۂ درویش پر ہے طعنہ زن / اے مہ تاباں ہو گردوں پر نکلکر تو چراغ

فرحت محبوب میں کیسی بہار بزم عیش / تیرہ آتا ہے نظر مثل گل شب بو چراغ

جوش وحشت میں بیاباں کی قسمت نے کیا / قبر پر راتوں کو ہوگا دیدۂ آہو چراغ

تل کے مہندی پاؤں میں جب وہ ہوئے گرم خرام / نقش پا سے شب کو روشن [illegible] ہر سو چراغ

نور کا پتلا بنایا کیا تجھے اللہ نے / ساق سیمیں شمع روشن کا سر زانو چراغ

چہرے کی افشاں زلف میں شب کو چراغاں ہو گیا / ہو گئے روشن میانِ کوچۂ گیسو چراغ

[illegible] شب کو تصور کس کے عارض کا رہا / گاہ اس پہلو تھا روشن گاہ اس پہلو چراغ

[illegible] ایک کو اس محفل عالم میں ہیں / شب کو ہے آنکھوں کے حق میں قوت بازو چراغ

اسکی زلف مشک سا کی لائی ہے خوشبو صبا / مشکبو شمعیں سر محفل ہیں عنبر بو چراغ

صاف محراب حرم ہے ابروئے خمدار یار / کیوں نہ کہئے خال روشن کو تہ ابرو چراغ

روشنی اسکی ہے شب بھر یہ بہشت راتدن / کیا چراغ داغ دل کا ہوگا ہمپہلو چراغ

شمع کافوری مبارک منعموں کی بزم کو / ہیں ہمارے خانۂ تاریک میں جگنو چراغ

سینہ ہے یہ داغ اشکوں میں ہیں لخت دل امیر
باغ میں گویا کہ روشن ہیں کنار جو چراغ

نہ آئے شب کو میسر اگر نہ آئے چراغ — کہ داغ سینے کے روشن ہیں یاں بجائے چراغ

گلہ نہیں ہے اگر اقربا نہ لائے چراغ — کہ جگنوؤں نے مری قبر پہ جلائے چراغ

نقاب ڈال کے آئے ہیں وہ تو کیا پروا — چھپے نہ پردۂ فانوس میں ضیائے چراغ

لنڈھے شراب کے ساغر جو محتسب آیا — ہوا غضب کی چلی یک قلم بجھائے چراغ

ہوئے جو ہم تو مرادیں بر آئیں عالم کی — بتوں نے خانۂ اللہ میں جلائے چراغ

یہ اپنی عمر کا عالم ہے عہد پیری میں — نسیم صبح سے جس طرح جھلملائے چراغ

تمیز ہو کہ نہ ہو شرط دل کا آنا ہے — خدا کی شان کہ پروانہ آشنائے چراغ

جہاں کو فیض ہو مجھ سے میں قید کلفت میں — مکان میں نور اندھیرا ہو زیر پائے چراغ

وہ صاف دل تھا جلے بے فتیلہ و روغن — جو کاسہ گر نے مری خاک سے بنائے چراغ

عبث ہے سامنے جاہل کے شعر کا پڑھنا — وہ بے تمیز ہے اندھے کو جو دکھائے چراغ

جنوں رہا یہی تا صبح یاد عارض میں — کبھی جلائے کبھی رات کو بجھائے چراغ

خدا ہے دل جو بچے حادثوں کے جھونکوں سے — کہاں تلک نہ دامن کوئی چھپائے چراغ

رہے نہ داغ جوانی امیرؔ پیری میں
جلائے شب کو سحر ہو گئی بجھائے چراغ

ردیف فا

زلفیں آئی ہیں لٹک کر رخ جاناں کی طرف — پاؤں پھیلائے ہیں اس کافر نے قرآں کی طرف

گھر سے اٹھے تھے کہ جائیں گے گلستاں کی طرف — وحشت دل لے چلی ہم کو بیاباں کی طرف

پھول مرجھا جائیں شاخوں پہ شجر ہو جائیں خشک — میں جگر تفتہ جو جاؤں گلستاں کی طرف

مل کے اک اک گور سے ہم دیر تک رو آئے — لے گئی عبرت جو کل گور غریباں کی طرف

رہ گیا ہے آسرا تیری عنایت کا مجھے — تو ہی اب اے یاس ہو جا میرے ارماں کی طرف

ہوں وہ زخمی دل کو میرے درد کا ہے یہ مزہ — دیکھتے ہیں زخم حسرت سے نمکداں کیطرف

ہو چکیں وہ دست وحشت کی جو تھیں چالاکیاں — ہاتھ اب ہوں نہیں اٹھتا گریباں کیطرف

حشر ہے شہر خموشاں میں جو برپا دیکھتا — کسکی میت آئی ہے گور غریباں کی طرف

کچھ تو تمکو چاہیے اپنے اسیروں کا خیال — سو ذرا آ نکلا کرو دم بھر کو زنداں کیطرف

زاہدا تسبیح میں زنار کا ڈورا نہ ڈال — یا برہمن کیطرف ہو یا مسلماں کیطرف

آپ سے جاتا نہیں ہر بار میں مجبور ہوں دل — دل کھنچا جاتا ہے میرا کوئے جاناں کیطرف

چاہتا ہوں وصل اس سے جو دو عالم میں نہیں — مجھکو دیکھو اور میرے دیکھئے ارماں کی طرف

اب کہیں یاران رفتہ کا نشاں ملتا نہیں — شوق دل لے چل مجھے گور غریباں کیطرف

جا کے اب یاروں کی تنہائی میں دیکھوں گا امیر
لے چلی ہے بیکسی گور غریباں کی طرف

شوخیاں کہتی ہیں ہم ہیں اسکی چتون کیطرف — چتونیں کہتی ہیں ہم ہیں چشم پرفن کیطرف

سیر دیکھو دل بھی ہے اس شوخ پرفن کیطرف — دوست ہو کر بولتا ہے میرے دشمن کیطرف

دیکھ قاتل جذب شوق قتل کا منکر نہ ہو — وہ چلے تلوار تیری میری گردن کی طرف

اس رخ رنگیں پہ زلفیں دیکھکر کہتی ہے خلق — جھوم کر کالی گھٹا آئی ہے گلشن کی طرف

ہاتھ جب اوپر اٹھاتا ہے مرا دست جنوں — بڑھکے کہتا ہے گریباں میں ہوں دامن کیطرف

عارض گلگوں سے الٹی ہے جو اس گل نے نقاب — بلبلیں اب رخ نہیں کرتی ہیں گلشن کیطرف

گر پڑا کیا کوئی لخت دل کا لعل اے چشم تر — ڈھونڈنے کو اشک آتے ہیں جو دامن کیطرف

کھینچ لیتا ہے جو قاتل ہاتھ میرے قتل سے — دیکھتی ہے تیغ کس حسرت سے گردن کیطرف

کوئی گل توڑا کہ گلچیں نے کیا بلبل کو ذبح — اے صبا ہنگامہ کیسا ہے یہ گلشن کیطرف

دونوں آنکھوں سے ہے میری آبرو برسات کی — ایک بھادوں کی طرف ہے ایک ساون کیطرف

ناقبول خلق مجھسا کوئی عالم میں نہیں — برق بھی آتی نہیں ہے میرے خرمن کیطرف

میاں سے کھینچا جو خنجر یار نے اللہ رے شوق
روح سارے جسم کی کھنچ آئی گردن کیطرف

میرے گھر آتے نہیں اچھا نہ آؤ خوش رہو
خاک اڑاتے آؤ گے اک روز مدفن کیطرف

پھول مرجھا جائیں تو مجھ سے نہ کرنا کچھ گلہ
اے صبا چلنے کو میں چلتا ہوں لے گلشن کیطرف

آجتک خورشید کا منھ اس طرف ہوتا نہیں
دیکھنا آساں نہیں اس روئے روشن کیطرف

جب میں کہتا ہوں دم آخر کوئی اپنا نہیں
تیغ کہتی ہے کہ میں ہوں تیری گردن کیطرف

جب بہت تعریف سنتا ہوں میں چشم حور کی
دیکھ لیتا ہوں ترے کمرے کے روزن کیطرف

تیغ ابرو تیر مژگاں دونوں حامی ہیں مرے
ایک سینے کیطرف ہے ایک گردن کیطرف

لاابالی جب نکل چلتے ہیں پھر رکتے نہیں
بوئے گل کب دیکھتی ہے پھر کے گلشن کیطرف

لاکھ ابھارے وحشت دل کوئے جاناں سے امیر
میں نہ صحرا کی طرف جاؤں نہ گلشن کیطرف

کیونکر نہ مرغ دل ہو ہمارا شکار زلف
رشتہ جو دام کا ہو وہ ایک ایک تار زلف

افسوں پڑھو ہزار اترتا نہیں یہ زہر
ہے اسکی موت ہی جسے ڈس جائے مار زلف

چوٹی ہیں اپنے پھول جو رکھے ہیں یار نے
دکھلا رہی ہے طرفہ تماشا بہار زلف

کرتا ہے پھنس کے گیسوؤں میں دل خدا کی یاد
مصروف ذکر میں ہے یہ شب زندہ دار زلف

حاضر ہے میری آنکھوں سے لو دامن مژہ
منظور جھاڑنا ہو جو تم کو غبار زلف

جاؤ گے تم جو کھولے ہوئے بال سوئے دشت
آہو کریں گے مشک کے نافے نثار زلف

سوداگر اپنا دل ہے ٹھکانے میں اسکے دو
یا سبزہ زار خط ہے وطن یا تتار زلف

گلزار روئے یار کی کیا بڑھ گئی ہے زیب
آیا ہے گھر کے اس پہ جو ابر بہار زلف

چھٹ جائیں دل غریب ہیں بچے اے شانہ کر کلاک
گھبرا رہے ہیں قیدی زندان تار زلف

جاتا نہیں ہے رہرو دل اب کسی طرف
آیا پسند جب سے سواد دیار زلف

بڑھ جاتی اللہ چشم بصیرت کی روشنی
دیتا ذرا جو کحل جواہر غبار زلف

اے دل سمجھ کے کوچۂ الفت میں رکھ قدم
ڈر ہے نہ کاٹ کھائے کہیں اُڑ کے مارِ زلف

بہتر کہیں یہ قید رہائی سے ہے امیرؔ
ہوں پائے بند سلسلۂ تابدارِ زلف

ردیف قاف

ہیں تری زلفِ رسا کے عاشق
ہم بھی ہیں یار بلا کے عاشق

تیرے معشوق خدا کے معشوق
تیرے عاشق ہیں خدا کے عاشق

غمزے حوروں کے اٹھاتے ہیں کوئی
آپ کے ناز و ادا کے عاشق

منھ دکھاؤ نہ سناؤ آواز
کان اپنے ہیں صدا کے عاشق

پاؤں رکھتے نہیں بالائے زمیں
تیرے نقشِ کفِ پا کے عاشق

ان جفاؤں پہ دیں ذوقِ وفا
ہم تو ہیں اپنی وفا کے عاشق

کھینچے رہ جائیں نہیں اے تیغِ قضا
ناز کرتے ہیں ادا کے عاشق

شوخ چشمی نہ کر اتنی ظالم
گڑے جاتے ہیں حیا کے عاشق

مہندی ملواؤ نہ تم غیروں سے
رنگ لائیں گے حنا کے عاشق

دیکھیے حشر میں کیا ہوتا ہے
ہم ہیں محبوب خدا کے عاشق

رغبت اے دل کو ہے یوں جانِ غم
جیسے معشوق کو تا کے عاشق

رات دن ہوتے ہیں اس بت پہ امیرؔ
سیکڑوں بندے خدا کے عاشق

ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں کمر کے عاشق
نہ ادھر کے ہوئے الٰہی نہ اُدھر کے عاشق

ہو دہی آنکھ جو مشتاق ترے دید کی ہو
کان وہ ہیں جو ہیں تیری خبر کے عاشق

جتنے ناوک ہیں کماندار ترے ترکش میں
کچھ مرے دل کے ہیں کچھ میرے جگر کے عاشق

برہمن دیر سے کعبے سے پھر آئے حاجی　　تیرے در سے نہ سرکنا تھا نہ سرکے عاشق

آنکھ دکھلاؤ انھیں مرتے ہوں جو آنکھوں پہ　　ہم تو ہیں یار محبت کی نظر کے عاشق

چھپ رہے ہو گئے نظروں سے کہیں عنقا کی طرح　　توبہ کیجے نہیں مرتے ہیں کمر کے عاشق

بے جگر معرکہ عشق میں کیا ٹھہریں گے　　کھاتے ہیں خنجر معشوق کے چرکے عاشق

تجھ کو کعبہ ہو مبارک دل ویراں ہم کو　　ہم ہیں زاہد اسی اُجڑے ہوئے گھر کے عاشق

کیا ہوا نیتی ہیں پریاں جو بلائیں تیری　　کہ پری زاد بھی ہوتے ہیں بشر کے عاشق

بیکسی درد و الم داغ تمنا حسرت　　چھوڑے جاتے ہیں پس مرگ یہ ترکے عاشق

بے سبب سیر شب ماہ نہیں ہے یہ امیر
ہو گئے تم بھی کسی رشک قمر کے عاشق

جادۂ راہ عدم ہے رہ کاشانۂ عشق　　ملک الموت ہیں دربان در خانۂ عشق

مرکز خاک ہے دُردِ تہ پیمانۂ عشق　　آسماں ظرف بر آوردۂ میخانۂ عشق

کم بلندی میں نہیں عرش سے کاشانۂ عشق　　دونوں عالم ہیں دو مصراع در خانۂ عشق

ہے جو واللیل سراپردۂ کاشانۂ عشق　　سورۂ شمس ہے قندیل در خانۂ عشق

دل مرا شیشہ ہوا آنکھیں مری پیمانۂ عشق　　جسم یا جوش محبت سے ہو میخانۂ عشق

ہم تھے اور پیش نظر جلوۂ مستانۂ عشق　　جس زمانے میں نہ محرم تھا نہ بیگانۂ عشق

غرق ابھی بحر فنا میں یہ دو عالم ہو جائیں　　ایک اشارہ جو کرے نرگس مستانۂ عشق

ہم وہ فرہاد تھے کاٹا نئی صورت سے پہاڑ　　حسن کا گنج لیا کھود کے ویرانۂ عشق

کچھ گرہ میں نہیں گرمی کے سوا مثل سپند　　برگ بر دود و شرر ہوں جو اُگے دانۂ عشق

عین مستی میں ملے ہیں مجھے گوش شنوا　　سن رہا ہوں میں صدائے لب پیمانۂ عشق

آ رہے باغ جناں سے جو زمیں پر آدم　　فی الحقیقت تھی وہ اک لغزش مستانۂ عشق

معتقد کون نہیں کون نہیں اسکا مرید　　پیر ہفتاد و دو ملت کا ہے دیوانۂ عشق

دل نے تسبیح بنا کر وہ کئے زیب گلو — ہاتھ آئے جو کوئی گوہر یک دانۂ عشق
زلف معشوق نہ گھٹ جائے ادب کا ہو مقام — بڑھ چلیں اتنے نہ موئے سر دیوانۂ عشق
سننے والوں کے یہ ڈر ہے نہ جلیں پردۂ گوش — کیا سناؤں کہ بہت گرم ہے افسانۂ عشق
خاک در کار ہے وہ لوٹ کھاسے جو ہو پاک — ورنہ ہر خاک سے اُگتا ہے کوئی دانۂ عشق
کہتے ہیں مرگ جوانی جسے سب اہل جہاں — اپنے نزدیک ہے وہ بازی طفلانۂ عشق
آہ عاشق سے ہوئی غفلت معشوق نہ کم — خواب تھا حسن فسوں ساز کو افسانۂ عشق
بخت برگشتہ ہوں تب بھی نہیں جاتا یہ مزہ — نہ گرے بادہ جو واژدوں بھی ہو پیمانۂ عشق
طور پر کہتی ہے یہ شمع تجلی کی زباں — سرمۂ حسن ہے خاکستر پروانۂ عشق
طالب درد ہے اس درجہ مرا طائر دل — ٹوٹ پڑتا ہے یہ جس دام میں ہو دانۂ عشق
ہوں وہ دیوانہ کہ قدموں سے لگا ہے مرے حسن — ہو مرے پاؤں میں زنجیر پری خانۂ عشق
مرکے دے روح کو میری یہ الٰہی قدرت — ہنس بن بن کے چگے گوہر یک دانۂ عشق
کیا فلاطوں کو ہو نسبت ترے دیوانے سے — آشنا ہے یہ محبت کا وہ بیگانۂ عشق

ہم تھے اور چہرۂ محبوب کا نظارہ امیر
شعلۂ حسن تھا جس روزنہ پروانۂ عشق

حلد آجاؤ کہ ہیں گور کنارے مشتاق — دم میں آجائیں نئے جوروں کے تمہارے مشتاق
دل صد چاک بھی چلمن ہے کسی کمرے کی — سر جھکاتے ہیں تو کرتے ہیں نظارے مشتاق
مست ہونگا انھیں حکم ہے اے نرگس یار — خوب پہچانتے ہیں تیرے اشارے مشتاق
نہ وبالا ترے دیدار کا طالب نہیں کون — گل زمیں پر ہیں تو گردوں پہ ستارے مشتاق
استخواں تو کہیں جلد کہ ہو بدن سے باہر — ہیں ہما وسگ محبوب تمہارے مشتاق

بیخودی تا بکجا آپ میں آؤ بھی امیر
دیر سے بیٹھے ہیں احباب تمہارے مشتاق

ردیف کاف تازی

آئی جو کھل کے زلف رسا سر سے پانوں تک ۔۔۔ لپٹنے لگی بلائیں ادا سر سے پانوں تک
لاغر ہوں اس قدر مجھے پہچانتی نہیں ۔۔۔ رو رہ کے دیکھتی ہے قضا سر سے پانوں تک
رخ نور جبہہ نور شکم نور ساق نور ۔۔۔ تھا اے صنم ہے نور خدا سر سے پانوں تک
کھائے ہیں ہم نے گل ترے چھلوں کے اسقدر ۔۔۔ خالی نہیں ہے جسم میں جا سر سے پانوں تک
گرتا نظر گذر کا چھپائے گی آپ کو ۔۔۔ قد ناپتی ہے زلف رسا سر سے پانوں تک
دلکش ہے مجھ ضعیف کا ہر عضو جسم یار ۔۔۔ میں کاہ ہوں وہ کاہ ربا سر سے پانوں تک
دوران سر کے ساتھ ہے چکر بھی پانوں میں ۔۔۔ ہوں مبتلائے رنج و بلا سر سے پانوں تک
موقوف شمع پر نہیں کچھ سوزش دروں ۔۔۔ جس پر گرے یہ برق جلا سر سے پانوں تک
ادنیٰ یہ خار وادی وحشت کی ہے خلش ۔۔۔ ایک آبلہ ہے جسم مرا سر سے پانوں تک
میرے نگاہ شوق کی اللہ رے گرمیاں ۔۔۔ وہ گل عرق میں ڈوب گیا سر سے پانوں تک
کچھ تجھکو میرے طوق و سلاسل کی ہے خبر ۔۔۔ زیور میں غرق رہتے ہو کیا سر سے پانوں تک
اچھی کسی کی آنکھ کسی کی نگاہ ہے ۔۔۔ یکتا ہیں آپ نام خدا سر سے پانوں تک
گرمی سے حسن کے وہ ہوا ہے عرق عرق ۔۔۔ دیکھو ٹپک رہی ہے ادا سر سے پانوں تک
زلف دوتا سے آپ ہے الجھن میں انکا دل ۔۔۔ گھیرے ہے دو طرف سے بلا سر سے پانوں تک
گریاں اگر میں نہر بدن سے گذر گیا ۔۔۔ فوارہ آب آب ہوا سر سے پانوں تک
تڑپے شب وصال نہ کیونکر نگاہ شوق ۔۔۔ گھیرے ہوئے ہے انکو ادا سر سے پانوں تک
جب میں نے فکر کی ترے دانتوں کے وصف میں ۔۔۔ آب گہر میں ڈوب گیا سر سے پانوں تک

پہنچائے کربلا میں جو بخت رسا امیر
ملیئے بدن میں خاک شفا سر سے پانوں تک

کروں ضبط نفس بہ دم کہاں تک
لگی ہے آگ اک دل سے زباں تک

دھواں دل سے مرے اٹھا ہے ایسا
اندھیرا ہے زمیں سے آسماں تک

کروں کس شوق سے ہر بار سجدہ
جو پہنچے سر تمہارے آستاں تک

تجھے ملتا نہیں گھر ان کا قاصد
گئے کیونکر پیمبر لامکاں تک

غش آیا ہے مجھے مسجد میں بے مے
چلو لے کر مجھے پیر مغاں تک

جو موت آئے تو پہچانے نہ مجھ کو
ہوا ہوں ہجر میں لاغر یہاں تک

ایسا اب مہرباں ہے مجھ پہ صیاد
خبر پہنچے نہ اس کی باغباں تک

ردیف کاف فارسی

مرے ہر عضو کو ہے اس بت خونخوار سے لاگ
دلکو ہے تیر سے گردن کو ہے تلوار سے لاگ

اس دلارام کو ہے میرے دل زار سے لاگ
مژدہ اے مرگ مسیحا کو ہے بیمار سے لاگ

رو بھی لیں کھو کے دل تو بھی کچھ آنسو چھپائیں
ضبط غم تجھکو ہے کیوں دیدۂ خونبار سے لاگ

کن تلوار سے کرتا ہے جو عاشق کو حلال
دلمیں رکھتا ہے وہ جلاد گنہگار سے لاگ

جھانک کر دیکھ لیا کرتے ہیں چلمن سے کبھی
ہے جو در پردہ انھیں طالب دیدار سے لاگ

پھولنے پھلنے کی نوبت نہیں آنے پاتی
کیا خزاں کو ہے الٰہی مرے گلزار سے لاگ

شانے کیطرح سے صد چاک ہوا کرتا ہے
جیسے ہے دلکو ترے گیسوئے خمدار سے لاگ

دو قدم یار چلا اور قیامت آئی
فتنۂ حشر کو ہے یار کی رفتار سے لاگ

ہم نہ ہیں دوست کسی کے نہ کسی کے دشمن
یار سے ہمکو لگاوٹ ہے نہ اغیار سے لاگ

مدد اے پیر مغاں المدد اے پیر مغاں
بڑھ گئی ہے بہت اب چرخ ستمگار سے لاگ

تارے گن گن کے شب ہجر بسر کرتا ہوں
کیا کروں خواب کو ہے دیدۂ بیدار سے لاگ

کیوں حیا اُن کو نکلنے نہیں دیتی باہر   حسن یوسف کو ہے کیوں گرمیٔ بازار سے لاگ
بندۂ عشق ہوں میں ایک سے دونوں ہیں مجھے   کچھ نہ کافر سے محبت ہے نہ اغیار سے لاگ

بے طرح حال تمہارا جو میں پاتا ہوں امیرؔ
ہو گئی کیا کسی معشوق طرحدار سے لاگ

ردیف لام

سنتا نہیں وہ دل سے کبھی داستانِ دل   کس سے بیاں کرے کوئی دردِ نہانِ دل
کرتا ہے آپ آپ جگر کو بیانِ دل   افسانے کی طرح نہ سنو داستانِ دل
اے شاہ کشورِ دل و جانِ جہانِ دل   قربان ہر ادا پہ دل و جان و جانِ دل
کس بے نشاں کی یاد نے ایسا مٹا دیا   سینے میں نام کو نہیں باقی نشانِ دل
ہمراہ دوڑتا ہوں میں اُس شہسوار کے   ہے دست اختیار سے باہر عنانِ دل
جب سے کہ تیر یار کی سینے میں ہے جگہ   خالی نہیں ہما سے مرا آشیانِ دل
حوا کا عشق قسمت آدم میں جو لکھا   پہلا تھا نقطۂ تمام امتحانِ دل
بے شبہہ اس زمین سے جدا ہے زمینِ عشق   اس آسمان سے ہے الگ آسمانِ دل
پھنک جائے صورِ حشر جو ہونا ہو جلد ہو   کب تک کروں میں ہجر میں ضبطِ فغانِ دل
پھولے ہیں کیسے لالہ و گل فیضِ عشق کے   قابل ہے تیری سیر کے یہ بوستانِ دل
جیسے کہ دھیان ہے رخِ تابانِ یار کا   ہے آفتابِ حشر چراغِ مکانِ دل
جائے گا کیا تصورِ خالِ سیاہ یار   آنکھوں میں مردمک ہے سویدا میانِ دل
حسرت وہی فروغ وہی ہے جلا وہی   کچھ کچھ تو آئنے سے ہے آئینہ شانِ دل
تو ہے وہ ماہِ مصر کہ جاتا ہے جس طرف   رہتا ہے ساتھ ساتھ ترے کاروانِ دل
غصے میں آکے ہاتھ سے پھینکا پٹک دیا   آئینے پہ ہوا اُنھیں شاید گمانِ دل

ممنون ضعف عالم پیری ہوا ہے امیر
جھکتا چلا ہے سر طرف آستانِ دل

داغوں سے گلرخوں کے دوبالا ہے شان دل — بے ماہ و آفتاب نہیں آسمان دل

عنقا سے ہے بلند کہیں آشیانِ دل — سنتے ہیں نام پر نہیں ملتا نشان دل

فیض قدم سے تیرے ہی ہے یہ شانِ دل — ہیں ساتوں آسمان تہِ آسمانِ دل

دوزخ شرار نالۂ آتش فشاں دل — فردوس برگ ریزِ گل بوستانِ دل

کعبہ ادب سے آتا ہے میرے طواف کو — جیسے ہما میں گوشہ نشین مکان دل

غنچے کے توڑنے کو سمجھتا ہے معصیت — سونگھی ہے جسنے بوئے گل بے خزان دل

اتنے لیے پسند ہے مجھ کو چمن کی سیر — گل شکل داغ دل ہے صنوبر بسان دل

رہتے ہیں وقت فکر سکندر سے کم نہیں — کرتا ہوں سر جھکا کے میں سیر جہان دل

آئے نظر نہ عالم غم ہو اگر مکیں — خالق نے کیا وسیع بنایا مکانِ دل

سختی نہیں ہے اہل صفا کے خمیر میں — دیکھا کہاں کسی نے کبھی استخوان دل

کیا آنسوؤں نے پردۂ الفت کیا ہے فاش — آنکھوں سے آشکار ہے راز نہان دل

کریں گے یاد ہم دُرِ دندانِ یار کو — اس طرح موتیوں سے بھرینگے دہانِ دل

ممکن نہیں کہ وہم کسی کا پہنچ سکے — کوسوں ہے لامکاں سے بلند آستان دل

مانند شمع نطق کی طاقت نہیں مگر — روشن مری زبان سے ہے میرا بیان دل

دو ٹکڑے ہوا بھی جگر بوالہوس امیر
کھینچوں جو معرکے میں میں تیغ زبانِ دل

گل وہ رخ نازک ہے پسینا عرق گل — شبنم سے ہے لبریز گہر یا طبقِ گل

بلبل کا قفس چھائے کبھی ہو جو نہ صیاد — اس چہرے پہ بھی چاہیے پھولے شفق گل

تا زیست تھا مجھ زار کو عشق رخ رنگیں — ہو غسل و کفن کو عرق گل ورقِ گل

اس روئے کتابی کا ہو ذکر اور دہن اپنا — بلبل کو فراموش نہ ہوگا سبق گل
ہو فصل خزاں میں بھی وہی رنگ بہاراں — گل سینۂ بلبل میں ہے داغ قلق گل
کسکے رخ رنگیں کا سنا ہم نے فسانہ — گل کان ہوئے کان سے گر پڑے ورق گل
کب خار الجھ سکتے ہیں داماں صبا سے — گلشن کی قلمرو میں ہے نظم و نسق گل
آہوں نے کئے لخت جگر یوں درہم — کیا تند ہوا میں ہیں پریشاں ورق گل
آمد ہے یہ گلزار میں کسکی کہ صبا نے — صدقے کے لئے زر سے بھرے ہیں طبق گل
وہ رنگ کہاں اب کہ خزاں باغ میں آئے — بیکار ہے اب تذکرۂ ناسبق گل
تحریر کرے وصف رخ اسکا تو یہ لازم — پھولی ہو عجب موسم گل میں شفق گل

پائے گا امیر اس رخ گلرنگ کا بوسہ
بلبل کے سوا کوئی نہیں مستحق گل

بجا ہیں بلبل و گلچیں خراب خندۂ گل — دو آتشہ ہے چمن میں شراب خندۂ گل
گرائے برق اگر التہاب خندۂ گل — تو کیوں نہ ہو دل بلبل خراب خندۂ گل
ہنسی ہے اس گل تر کی جواب خندۂ گل — تبسم نمکیں انتخاب خندۂ گل
کرے گی بلبل نالاں جو حشر میں فریاد — صبا سے ہوگا حساب و کتاب خندۂ گل
محال ہے کہ چڑھے عشق حسن کے منہ پر — کہاں ہے نالۂ بلبل جواب خندۂ گل
چمن میں نالہ کشی ہے قبول اے صیاد — پر اس چمن میں نہیں مجھکو تاب خندۂ گل
ابھی تو صورت شبنم ہوں اشک بلبل خشک — چمک دکھائے اگر آفتاب خندۂ گل
جو کاسۂ سر بلبل ملے وہ منصف ہوں — بھر دئیں اسمیں لبالب شراب خندۂ گل
شراب نغمۂ بلبل کو پی کے کیوں نہ ہو مست — ابھی تو نام خدا ہے شباب خندۂ گل
سمند ہوش ہو بلبل کا کیوں نہ برق خرام — جو تازیانہ ہو موج شراب خندۂ گل
دیا ہے وہ مجھے اللہ نے دل نازک — کہ آب آب کرے جسکو تاب خندۂ گل

نہ جانتی تھی صبا یہ کہ ہوگی غش بلبل — کھلا کے غنچہ اٹھائے نقاب خندۂ گل

ذرا نہیں کسی بلبل کو ہوش صورت مست — غضب کی تند بھی ہے شراب خندۂ گل

غش آ گیا مجھے غنچوں کے مسکرانے سے — کسے ہے حوصلۂ انتخاب خندۂ گل

یہی ہے شام سے مضمون گریۂ بلبل — سحر کو دیکھیے گا اضطراب خندۂ گل

نظیر گریۂ بلبل ہے گریۂ مینا — ہنسی ہے جام کی ساقی شراب خندۂ گل

امیر خیر ہو گلشن میں جان بلبل کی
کھنچی ہے صبح سے تیغ خوشاب خندۂ گل

پر تو رخ سے ترے ہے جو منور محفل — ہے تجلی کدۂ طور سے بڑھ کر محفل

جذب دل کھینچ کے گل پیرہنوں کو لے آ — عطر مجموعہ سے ہو جائے معطر محفل

رشک پروانہ میں ہم تم ہوا گر غیرت شمع — امتحان کے لیے ہو جائے مقرر محفل

بت فراہم ہوئے اس درجہ سوم میں میرے — بن گئی غیرت بت خانۂ آذر محفل

پھر رہیں چار ادھر چار ادھر روتے ہیں — جس طرح ماہ محرم میں ہو گھر گھر محفل

صاف فانوس خیالی کا گماں ہوتا ہے — کھا رہی ہے یہ ترے رقص سے چکر محفل

باغ کس کام کا جس میں گل شمشاد نہ ہوں — لطف دیتی نہیں بے شیشہ و ساغر محفل

رقص کے وقت قیامت ہے تمہاری ٹھوکر — کیوں الٹ جائے نہ مثل صف محشر محفل

لیکے ناؤں کے علم ہم بھی ضرور آئیں گے — ہوگی جس روز محرم میں ترے گھر محفل

جا چکا عہد جوانی کا چلیں سوئے عدم — شمع ساں دیکھ چکے دہر میں شب بھر محفل

شمع فانوس میں پھولی نہ سمائی اے گل — تیرے آتے ہی ہوئی جائے سے باہر محفل

ہل گیا یار کا ابرو جو ذرا رقص کے وقت — ایک ہم کیا کہ ہوئی کشتۂ خنجر محفل

گذر اس ماہ دو ہفتہ کا بھی شاید ہو امیر
کیجئے چودھویں تاریخ مقرر محفل

فرقت یار میں ماتم کدہ ہے ہر محفل — بلکہ ہنگامۂ محشر کے برابر محفل
ہو عجب شمع کی صورت دل قاتل نہ جلے — بسملوں کے ہو تہ سایۂ خنجر محفل
چاہیے آئینہ رویوں کا بھی قاتل ہو جائے — کیجیے چل کے سر قبر سکندر محفل
ہم بغل مجھ سے ہو غیروں کو لگائے رکھو — گھر میں خلوت ہی رہے جمع ہو باہر محفل
کس پری رو کا تصور نہیں دل میں اپنے — جمع رہتی ہے اس آئینے کے اندر محفل
سب مکانوں سے جدا پیر مغاں کا ہے مکاں — میکشوں کی ہے الگ شہر سے باہر محفل
اے پری حسن سے تیرے ہے جہاں کی رونق — جس طرح شمع سے ہوتی ہے منور محفل
تمکو پروا ہے نہ افشا کی نہ اخفا کا خیال — گھر کے باہر کبھی خلوت کبھی اندر محفل
بہر دل سوختگاں روز الم ہے شب عیش — چشم پروانہ میں آتشکدہ ہے ہر محفل
دل کے جاتے ہی ہوئی انجمن چشم اداس — محفل آرا نہ ہو کوئی تو ہے ابتر محفل
شمع محفل میں ہے پروانے ہیں گرد سر شمع — کیا تکلف ہے کہ محفل کے ہے اندر محفل
ہم ہیں پروانہ دل سوختۂ بزم خیال — شمع رویوں سے یہاں گرم ہے شب بھر محفل
سرفروش آئے ہیں مشتاق شہادت اے ترک — جمع کرتا ہے ہمیشہ ترا خنجر محفل

اس کے عنبر کانے سے برہم ہوئی یہ غیر امیر
شمع کیا ہم پہ ہوئی دست بہ خنجر محفل

جب یار ہوا جفا کے قابل — تب ہم نہ رہے وفا کے قابل
ہے خوف سے سارے تن میں رعشہ — اب ہاتھ کہاں دعا کے قابل
آئے ہیں مجھے دیکھنے اطبا — جب میں نہ رہا دوا کے قابل
بولے مرے دل پہ پیس کر دانت — یہ دانہ ہے آسیا کے قابل

کلفت سے امیر صاف کر دل
یہ آئینہ ہے جلا کے قابل

ایلی مجھے پیش جہلا بات سے حاصل | خالی ہو مکاں تہمت و حکایات سے حاصل
تسکین مجھے دیتے نہیں اے حضرت واعظ | کیا اور مجھے قبلہ حاجات سے حاصل
پھر ہو ترا دل میں کبھوں حالت دل کیا | کعبے میں جو بت ہو تو مناجات سے حاصل
ہے زیست کا حاصل تو فقط وصل کی لذت | جس رات کا وعدہ نہ ہو اس رات سے حاصل
روتا ہوں لہو بھی تو مجھے مے نہیں ملتی | کیا بندگی پیر خرابات سے حاصل
ظاہر میں دیا بوسہ تو کیا دل ہو مکدر | نیت ہی نہیں ٹھیک تو خیرات سے حاصل
تقدیر مری تو نہ بدل دے گا دعا سے | اے شیخ پھر اس کشف و کرامات سے حاصل
قسمت میں جو ہے وہ بہر کیف ملے گی | پھر قاضی و مفتی کی ملاقات سے حاصل

پہچانتے ہیں اہل سخن خوب سخن کو
خاموش امیر اتنی مباہات سے حاصل

ردیف میم

کیوں نالے کریں بلبل گلشن تو نہیں ہم | اے ضبط جنوں عقل کے دشمن تو نہیں ہم
دلکو جو بچاتا ہوں تو کہتی ہیں وہ آنکھیں | کیا لوٹ ہی لینگے کوئی رہزن تو نہیں ہم
خالق نے تمہیں مہر بنایا ہمیں شبنم | دکھلاؤ جو تم چہرۂ روشن تو نہیں ہم
خط دیکے تجھے کوچۂ جلاد میں بھیجیں | کچھ خیر ہے قاصد ترے دشمن تو نہیں ہم
ذلت سے کبھی لینگے نہ ہم بوسۂ گیسو | صدقے کیے دیتے ہو برہمن تو نہیں ہم
کیا ضعف سے حاصل کہ ترے گھر میں نہ پہنچے | ذرے ہیں مگر ذرۂ روزن تو نہیں ہم
دل کھینچے لیے جاتا ہے قاتل کی گلی میں | کچھ آپ روانہ سوئے مدفن تو نہیں ہم
رہ جائینگے پیچھے نہ کبھی ساتھ سے تیرے | سایہ ہیں غبار سم توسن تو نہیں ہم
سو بار کہیں گے ارنی طور پہ جاکر | کیا سمجھے ہیں موسیٰ ہیں الکن تو نہیں ہم

کرتا ہوں جو کنگھی تو یہ کہتے ہیں وہ گیسو
کانٹوں میں نہ کھینچو کسی دامن تو نہیں ہم

ظاہر ہیں تو نرگس کی طرح پانی ہیں آنکھیں
پر قابل نظارۂ گلشن تو نہیں ہم

بخیے کا دیا حکم تو بولے دہن زخم
سلواتے ہو کیوں قابل سیون تو نہیں ہم

موسیٰ سے یہ کہدو کہ بہت بڑھ کے نہ بولیں
کچھ نابلد وادیٔ ایمن تو نہیں ہم

کہتا ہے حیا سے وہ دہاں آلودہ
کیا دیکھتے ہیں سب گل سوسن تو نہیں ہم

غیروں کے جو دشمن ہیں تو کیا تیری طرح سے
اے دوست کسی دوست کے دشمن تو نہیں ہم

کیا نالہ کشی کی ہمیں بت دیتے ہیں ترغیب
انسان ہیں ناقوس برہمن تو نہیں ہم

کرتی ہیں یہ طنز اُسکے خیابان پہ آنکھیں
کچھ پیر مغاں خضر میں رہزن تو نہیں ہم

کیا حوصلہ اُنکا ہے جو زنداں میں یہ سمجھیں
زندانی تاریکیٔ مدفن تو نہیں ہم

بے منت احباب یہاں قبر ہے روشن
محتاج چراغ سر مدفن تو نہیں ہم

بوئے گل فردوس امیر اپنا ہے مردہ
سرکا جو ذرا تختۂ مدفن تو نہیں ہم

ہوئے جو رنگ وصل یار میں ہم
اچھے چھوٹے بھلے بہار میں ہم

ہو گئے مردہ ہجر یار میں ہم
گھر میں اپنے ہیں یا مزار میں ہم

اُسکو لائینگے خاک قابو میں
کہ نہیں اپنے اختیار میں ہم

کون پوچھے گا ہم غریبوں کو
روز محشر میں کس شمار میں ہم

فرش سے عرش تک نشان نہیں
دور پہنچے ہوائے یار میں ہم

حضرت دل جو تم ہو پہلو میں
مر کے بھی رہ چلے مزار میں ہم

وصل میں بھی شکستہ خاطر ہیں
توبہ مست ہیں بہار میں ہم

پیش رخسار یار خار ہیں گل
ایک دو کیا ہیں ہزار میں ہم

قاصد آیا ہے پر نہیں پاتا
گم ہوئے ایسے انتظار میں ہم

گھر میں ہیں لیکن اپنے نام کی طرح — ہیں ہر اک ملک ہر دیار میں ہم
زلف و رخسار کے تصور سے — ہیں حلب میں کبھی تتار میں ہم

جبر جو چاہیں ہم پہ وہ کر لیں
ہیں امیر ان کے اختیار میں ہم

ہوا کہ زندہ رہا نامہ بر نہیں معلوم — کچھ آج تک ہمیں اسکی خبر نہیں معلوم
مکان دل میں ہے کسکا گذر نہیں معلوم — یہ بیخودی ہے کہ گھر کی خبر نہیں معلوم
کیا ہے بے خبری نے جہان سے فارغ — فلک کہاں ہے زمیں ہے کدھر نہیں معلوم
میں جسکو دیتا ہوں اس فتنہ گر کے نام کا خط — وہ ٹالتا ہے کہ مجھ کو تو گھر نہیں معلوم
تری گلی ہے کہ میدان حشر ہے قاتل — یہاں کسی کو کسی کی خبر نہیں معلوم
ہوا شہید تبسم جگر کہ دل یارب — گری تڑپ کے یہ بجلی کدھر نہیں معلوم
کیا ہے ذوق شہادت نے محو یہ دم قتل — لگے ہیں زخم کہاں جسم پر نہیں معلوم
شب وصال ہوں بوس و کنار سے محروم — دہن کہاں ہے کدھر ہے کمر نہیں معلوم
پڑا ہے تیغ کے نیچے کہ پائے قاتل پہ — کدھر کو اڑ کے گیا تن سے سر نہیں معلوم
شب وصال سر شام سے وہ کہتے ہیں — کہ آج کیوں نہیں ہوتی سحر نہیں معلوم
ادھر کو منہ جو نہیں پھیرتا کبھی خورشید — یہ کسکا گھر ہے بازار ادھر نہیں معلوم
جو کل تھے ساتھ گئے آج کسطرف یارب — کسی کا حال کسی کی خبر نہیں معلوم
خضر ہو راہبری ہے ثواب اے زاہد — کہ ہم کو بادہ فروشوں کا گھر نہیں معلوم
ہمیشہ نالہ دل بے اثر ہے کیا باعث — یہ نخل کیوں نہیں لاتا ثمر نہیں معلوم
جہاں میں اب نظر آتا ہے رات دن اندھیر — فلک سے کیا ہوئے شمس و قمر نہیں معلوم

بھٹکتے پھرتے ہیں ہم مثل گرد راہ امیر
ہوا ہے قافلہ راہی کدھر نہیں معلوم

تیرے جور و ستم اٹھائیں ہم — یہ کلیجا کہاں سے لائیں ہم
جی میں ہے اب وہاں نہ جائیں ہم — دل کی طاقت بھی آزمائیں ہم
نالے کرتے نہیں یہ الفت میں — باندھتے ہیں تری ہوائیں ہم
اے لب یار کیا ترے ہوتے — لب ساغر کو منھ لگائیں ہم
دل میں تم دل ہے سینہ سے خود گم — کوئی پوچھے تو کیا بتائیں ہم
آب شمشیر یار اگر مل جائے — اپنے دل کی لگی بجھائیں ہم
اب جو منھ موڑیں بندگی سے تری — اے بت اپنے خدا سے پائیں ہم
زندگی میں ہے موت کا کھٹکا — قصر کیا مقبرہ بنائیں ہم
توبہ سے کیا پشیماں ہیں — زاہدو دیکھکر گھٹائیں ہم
دل میں ہے مثل ہیزم و آتش — جو گھٹائے اسے بڑھائیں ہم

زار سے زار ہیں جہاں میں امیر
دل ہی بیٹھے جو لطف اٹھائیں ہم

ردیف نون

کیا دیر ہے امیر کے عفو گناہ میں — اللہ کیا کمی ہے تری بارگاہ میں
آئے ہو تیغ کھینچ کے تم قتل گاہ میں — تولو تو پہلے موئے کمر کو نگاہ میں
کانٹا ہوا ہوں سوکھ کے لیکن نہال ہوں — کھٹکوں گا اور اپنے عدو کی نگاہ میں
بیہوش کوئی بزم خرابات میں نہیں — مشہور یہ خبر ہے غلط خانقاہ میں
خالی شرارتوں سے نہیں ظلمت جہاں — لپٹی ہوئی ہے برق گلیم سیاہ میں
پیری میں قد نگوں جو ہوا دانت بھی چلے — بھاگڑ پڑی شکست علم سے سپاہ میں
مدت ہوئی پھرے ہوئے آنکھوں کی پتلیاں — صورت تمہاری پھرتی ہے اب تک نگاہ میں

نکلا نہیں ہے خط ترے عارض پہ حسن نے — کانٹے بچھائے ہیں یہ محبت کی راہ میں

کشتی ضرور ساتھ رہے تیرے اے فقیر — ڈوبے نہ قلزم کرم بادشاہ میں

بے قصد بد سے بھی کبھی ہوتا ہے کار نیک — شب کو چراغ غول دکھاتے ہیں راہ میں

دعویٰ بہت تھا سنگدلی کا حضور کو — کیوں دل پکڑ کے بیٹھ گئے ایک آہ میں

اللہ رے جذب میری تڑپ کا کہ چرخ سے — تاثیریں دوڑی آتی ہیں آغوش آہ میں

اعلیٰ کو کیوں نہ صحبت ادنیٰ سے ہو حذر — دیکھا کبھی نہ پرتو خورشید چاہ میں

یوسف سے بھی سوا ہے مرے دل کا مرتبہ — ڈوبا ہوا ہے چاہ زنخدان کی چاہ میں

بے داغ عشق اوس سے تا آسمان ہے کون — ہالہ میں قلس ہے تو کلف جرم ماہ میں

ہے نقش دل پہ صورت توحید اے امیر
ہوں محو ذکر اشہد ان لا الہ میں

ہوں زار اس قدر کہ تری جلوہ گاہ میں — چھپ جاؤں گا میں پردۂ گرد نگاہ میں

ہیں جلوہ گر شرار مرے دود آہ میں — یہ تخم چھپتے ہیں کوئی ابر سیاہ میں

وہ توڑ اسے فلک ہے مرے تیر آہ میں — چاہوں تو رخنے ہوں سپر مہر و ماہ میں

سمجھے سر و تاج کو کشکول دے دیا — ہو فقر کا مزہ جو دل بادشاہ میں

آہ اس دہن سے نکلے تو کیونکر حسیں ہو — بنجائے ماہ میم جو مل جائے آہ میں

سایہ پڑا مگر مرے بخت سیاہ کا — یہ تیرگی نہ تھی تری زلف سیاہ میں

افعال نیک کیلئے اچھی جگہ بھی ہو — مے پیجئے تو جیں کے کسی خانقاہ میں

آنے نہ دے حیا کو یہ ہے رات وصل کی — کیا کام غیر کا ہے تری جلوہ گاہ میں

دیوانہ تیرا آتا ہے لرزاں ہیں اہل شہر — رستم کی دھاک سے ہے تزلزل سپاہ میں

کیوں مثل رخ نہ ہمکو خط سبز ہو پسند — پھولوں کی ہمکو آتی ہے خوشبو گیاہ میں

اہل زمانہ بنکے بگڑتے ہیں کیسے جلد — ہے ماہ کو زوال و کمال ایک راہ میں

ہم رہروان عشق کو محشر کا خوف کیا | پڑتے ہیں ایسے کتنے ہی میدان راہ میں
زلفوں کی آڑ میں نہیں کرتے وہ چشمکیں | بجلی تڑپ رہی ہے یہ ابر سیاہ میں
کیا سمجھے قدر ساغر جمشید کی وہ چشم | دنیا نہیں سماتی ہے جسکی نگاہ میں
تونے تو اسے سیاہی شبہائے تار ہجر | دھبا لگا دیا مرے بخت سیاہ میں
اٹھے جو نشہ توبہ کریں ہم شراب سے | لغزش نہ تازیاں کو ہو عذر گناہ میں

آئے وہ گور پر جو ہوئے دفن ہم اثیر
جاگے نصیب ہوئے اگر خوابگاہ میں

کس کام کی ہو آنکھ ترے جلوہ گاہ میں | کیا احتیاج شمع تماشائے ماہ میں
ہیں شوخیاں یہی جو تمہاری نگاہ میں | بجلی گرے گی چار طرف جلوہ گاہ میں
محراب اسکی تیغ کو سمجھا پڑھی نماز | پہنچا میں قتل گاہ میں یا عیدگاہ میں
فریاد کس سے تیرے سوا اے اجل کریں | ساتھی ہمارے چھوڑ گئے ہمکو راہ میں
چہرہ دکھا جو حسن کا شاہد ہے آئینہ | قرآن ضرور چاہیئے دست گواہ میں
اس ترک کج کلہ پہ اٹھیں کیوں نہ انگلیاں | انداز ماہ نو کا ہے طرف کلاہ میں
دیکھو حیا کے آنکھ تو دیکھو رقیب کو | چھریاں بھری ہوئی ہیں تمہاری نگاہ میں
برگشتہ بخت وہ ہوں جو منزل چلا کبھی | گھیرا ادھر ادھر سے بگولوں نے راہ میں
کوچے سے تیرے اٹھ گیا شاید ترا فقیر | کملی سی اک پڑی ہوئی دیکھی ہے راہ میں
اعضا تمام صوم میں رہتے ہیں روزہ دار | روزے ہزار رکھتے ہیں ہم ایک ماہ میں
پست و بلند دائرہ عشق میں نہیں | پائیں و صدر ایک ہے اس بارگاہ میں
ہے راست رو وہی جو ہے دین رسول پر | ہوتی ہے کوئی راہ غلط شاہراہ میں
غواص آئیں بحر سے موتی نکالنے | پرتو اگر پڑے ترے دانتوں کا چاہ میں
یوں روئے یار دیکھ کے مجروح دل ہوا | ہو جائے جیسے چاک کتاں نور ماہ میں

متواضع دونوں پانوں ہیں وحشت کیے جوش ہیں کچھ ماندگی سے کام نہیں قطع راہ میں

نشہ کے ڈورے یار کی آنکھوں میں ہیں امیر
یا چند سرخ پوش مکان سیاہ میں

وہ تو سنتا ہی نہیں میں دادخواہی کیا کروں کس کے آگے جا کے سر پھوڑوں الٰہی کیا کروں

مجھ گدا کو دے نہ تکلیف حکومت اے ہوس چار دن کی زندگی میں بادشاہی کیا کروں

رشک دیکھو غیر میرا محضر خوں دیکھ کر سوچتا ہے اس پہ میں اپنی گواہی کیا کروں

دھوتے دھوتے آنسوؤں سے ہو گئیں آنکھیں سفید بخت بد جاتی نہیں تیری سیاہی کیا کروں

مجھ کو ساحل تک خدا پہنچائیگا اے ناخدا اپنی کشتی کی بیاں تجھ سے تباہی کیا کروں

نزع میں آنکھیں ملا کر یار نے مجھ سے کہا اب تری آنکھوں میں دم ہے کم نگاہی کیا کروں

ترک لذت سے جدائی میں زباں ہے آشنا بادۂ صاف و کباب مرغ و ماہی کیا کروں

شوق کہتا ہے پہنچ جاؤں گا میں کعبے میں جلد راہ میں بتخانہ پڑتا ہے الٰہی کیا کروں

کل گیا تھا عیش زاہد سوچتا ہوں دل میں آج خدمت پیر مغاں میں عذر خواہی کیا کروں

فرض کردم آہ رک سکتی ہے تھم سکتے ہیں اشک چھپ نہیں سکتا ہے لیکن رنگ کاہی کیا کروں

وہ مرے اعمال بد و نیک سے واقف ہیں امیر
پیش خالق ادعائے بیگناہی کیا کروں

گلے میں ہاتھ تھے شب اُس پری سے راہیں تھیں سحر ہوئی تو وہ آنکھیں نہ وہ نگاہیں تھیں

نکل کے چہرے پہ میدان صاف خط نے کیا کبھی وہ کوچہ تھا ایسا کہ بند راہیں تھیں

فراق میں ترے عاشق کو جا کے کل دیکھا کہ وہ تو ہیچ تھا کچھ اشک تھے کچھ آہیں تھیں

بگولے اب ہیں یہ غربت ہے گور شاہاں پر سروں پہ چتر جلو میں کبھی سپاہیں تھیں

ہزاروں لوٹ گئے کل اُٹھی جو وہ چلمن خدنگ تو تھے مژہ برچھیاں نگاہیں تھیں

کیا یہ شوق نے اندھا مجھے نہ سوجھا کچھ وگرنہ رابطے کی اُس سے ہزار راہیں تھیں

یہ ضعف ہے کہ نکلتی نہیں ہیں اب دل سے
کبھی فلک سے بھی اونچیں ہماری آہیں تھیں

جگر میں ہجر کی گو چھپ رہی تھیں کچھ پھانسیں
مگر جو غور سے دیکھا تری نگاہیں تھیں

پہنچ گئے سر منزل چلے جو چال نئی
اُنھیں میں پھر تھا دیکھی ہوئی جو راہیں تھیں

فلک کے دور سے دنیا بدل گئی ورنہ
جہاں بنے ہیں یہ میخانے خانقاہیں تھیں

یہ ضعف اب ہے کہ ہلنا گراں ہے قدموں کو
سبک روی میں کبھی انکو دستگاہیں تھیں

مشاعرے سے حسیں کیوں نہ چھین لیجاتے
رباعیاں مری ہیچو گوشہ کلاہیں تھیں

حسین زر کے ہیں طالب کہ اب ہیں گرد امیر
غریب ہم تھے تو یہ پیار تھا نہ چاہیں تھیں

جب کبھی اُسکو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں
دل ہی واقف ہے جس ارمان سے ہم دیکھتے ہیں

داغ سے بڑھکے نہیں دل میں کسی کا جلوہ
گھر کی رونق اسی مہمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے پری تو نہیں پریوں کی مگر خو تجھ میں
انس تجھ کو بہت انسان سے ہم دیکھتے ہیں

ضعف کا پاس کرے دست جنوں کے ہوتے
یہ بہت دور گریبان سے ہم دیکھتے ہیں

ہے اگر طالب مقصود تو مٹ جا اے دل
نفع تیرا ترے نقصان سے ہم دیکھتے ہیں

حشر میں ہاتھ سے رضوان کے اُسے بھی ہو نصیب
ذلتیں جو ترے دربان سے ہم دیکھتے ہیں

مظہر خاص تجھے حق نے بنایا ہے صنم
شان اس کی تری ہر شان سے ہم دیکھتے ہیں

گرد ابرو پہ ہے منھ لال ہے چتون ہے بھری
آج اُنھیں اور ہی سامان سے ہم دیکھتے ہیں

جب نظر بندہ نوازی پہ تری جاتی ہے
مور کو بڑھ کے سلیمان سے ہم دیکھتے ہیں

دل یہ کہتا ہے بدخشاں میں شفق پھولی ہے
سرخ جب ہونٹھ ترے پان سے ہم دیکھتے ہیں

خاک پر پاتے ہیں غلطاں اُسے حسرت کے سبب
جو گہر دور ترے کان سے ہم دیکھتے ہیں

بار بار آتی ہے زلف اُس رخ روشن کی طرف
ربط کافر کو مسلمان سے ہم دیکھتے ہیں

ہو کہیں لالہ و گل اور کہیں شمس و قمر
ہر جگہ تم کو نئی شان سے ہم دیکھتے ہیں

کنہ باری کو پہنچ جائے دلا فکر سے تو — یہ تو باہر ترے امکان سے ہم دیکھتے ہیں
ہر طرف اپنی ہی صورت ہمیں آتی ہے نظر — آئینہ خانہ میں حیران سے ہم دیکھتے ہیں
کیا سواری کسی قاتل کی پھری مقتل سے — لاشے آتے ہوئے میدان سے ہم دیکھتے ہیں

کچھ تمھیں سے نہیں کاوش ہے حسینوں کو امیر
چھیڑ پریوں کی ہر انسان سے ہم دیکھتے ہیں

تیغ جلاد کو ارمان سے ہم دیکھتے ہیں — موت کو اپنی عجب شان سے ہم دیکھتے ہیں
اب بھی قاتل تجھے ارمان سے ہم دیکھتے ہیں — زیر خنجر بھی اُسی آن سے ہم دیکھتے ہیں
دیکھتے تھے رخ امید کو جس حسرت سے — یاس کو بھی اُسی ارمان سے ہم دیکھتے ہیں
سنکے حال دل عشاق کہا اس کان سے وہ — صاف اُڑا دیتے ہیں اُس کان سے ہم دیکھتے ہیں
آنکھ آئینے سے کیوں اُنکی پھری رہتی ہے — کیا یہ سمجھے ہیں کہ حیران سے ہم دیکھتے ہیں
مدح کرتا ہے جو تو میر کی دانائی کی — پھر دل منھ کو ترے نادان سے ہم دیکھتے ہیں
شکل آئینہ بنایا ہے ہمیں حیرت نے — دیکھتے ہیں جسے حیران سے ہم دیکھتے ہیں
شک یہ ہوتا ہے کہ حلقے میں ہے ناگن کے پھنسا — زلف لپٹی جو ترے کان سے ہم دیکھتے ہیں
جان باقی نہیں گو دل میں ہماری لیکن — تجھ پہ قرباں اُسے سو جان سے ہم دیکھتے ہیں
خط نمایاں کبھی کرتا ہے کبھی خال وہ رخ — رونق معجزہ قرآن سے ہم دیکھتے ہیں
بھر گیا جی غم دلدار سے شاید اے دل — کچھ کشیدہ تجھے جہان سے ہم دیکھتے ہیں
رشک ہوتا ہے کہ شاید ہے تمھارا عاشق — تنگ ایمان جسے جان سے ہم دیکھتے ہیں
ساغر بادہ بھی ہے جام جہاں بیں ساقی — سیر عالم ترے احسان سے ہم دیکھتے ہیں
جی میں آتا ہے کریں ہاتھ کلائی سے قلم — جب الگ اسکو گریبان سے ہم دیکھتے ہیں
ہو گیا میل کچھ آپس میں کہ اب غیروں کو — جھانک کے ملتے ترے دربان سے ہم دیکھتے ہیں
لحن داؤد سے آہن جو ہوا موم تو کیا — دل کو پانی تری ہر تان سے ہم دیکھتے ہیں

عرش کا حال دل صاف سے آتا ہے نظر — رفعت بام کو دالان سے ہم دیکھتے ہیں

دور بینی کہیں کیا چشم بصیرت کی امیر
صاف سیر قدم امکان سے ہم دیکھتے ہیں

بخت سیہ سے گو کہ گلیم گدا ہوں میں — شاہوں کے سر پہ سایۂ بال ہما ہوں میں

صحرا میں مثل موج ہوا کم نما ہوں میں — دریا میں نقش آب کی صورت فنا ہوں میں

واکردہ چشم دل صفت نقش پا ہوں میں — ہر رہگذر میں راہ تری دیکھتا ہوں میں

مطلب جو اپنے اپنے کیے عاشقوں نے سب — وہ بت بگڑ کے بول اٹھا کیا خدا ہوں میں

اے انقلاب دہر مٹاتا ہے کیوں مجھے — نقشے ہزاروں مٹ گئے ہیں تب بنا ہوں میں

وحشت میں گو کہ قیس سے بڑھ کر نہیں مگر — اتنا کہوں گا ایک وہ تھا دوسرا ہوں میں

افتادگی میں اس سے نہ سمجھو جدا مجھے — سایہ صفت قدم بقدم زیر پا ہوں میں

محنت یہ کی کہ فکر کا ناخن بھی گھس گیا — عقدہ یہ آج تک نہ کھلا مجھ پہ کیا ہوں میں

اس دل کا مبتلا ہوں جو رکھتا ہے داغ عشق — پروانۂ چراغ حریم خدا ہوں میں

کشتہ کیا ہے مجھ کو محبت کے جوش نے — مذبوح خنجر نگہ آشنا ہوں میں

اعضائے تن کو بسکہ ہے زخموں کا اشتیاق — آہن ہے تیغ یار تو آہن ربا ہوں میں

کہتی ہے ہر بلا تری زلف دراز سے — چھوٹے سے قد پہ میرے نہ جانا بلا ہوں میں

رسوا ہوئے جو آپ تو میرا قصور کیا — جو کچھ کیا وہ دل نے کیا بیخطا ہوں میں

زندہ کیے ہیں میں نے دل مردہ سیکڑوں — فیض سخن سے عیسیٰ معجز نما ہوں میں

مقتل ہے میری جان کو وہ جلوہ گاہ ناز — دل سے ادا یہ کہتی ہے تیری قضا ہوں میں

لذت ہے آب تیغ میں آب حیات کی — زندہ لسان خضر ہوں گو مر چکا ہوں میں

مانند سبزہ اس چمن دہر میں امیر
بیگانہ وار ایک کنارے پڑا ہوں میں

دامن سے لوگ اسکے اکثر لگے ہوئے ہیں
کوچے میں سیکڑوں کے بستر لگے ہوئے ہیں

کیونکر نہ ہوں نگاہیں قاتل کی تیز ایسی
تیلے کی سان پر یہ خنجر لگے ہوئے ہیں

نکلیں گے حشر کے دن ہم ناتوان کیونکر
قبروں کے منھ پہ بھاری پتھر لگے ہوئے ہیں

کیا دیکھیے عاشقوں کے وہ داغدار سینے
پھولوں کی کشتیوں میں زیور لگے ہوئے ہیں

یارب ہے کس کی آمد جو شہر میں ہے شادی
صندل کے آج چھاپے گھر گھر لگے ہوئے ہیں

چاہی جو میں نے عجلت بولا کبوتر کے قاصد
اڑ جاؤں کس طرح میں کیا پر لگے ہوئے ہیں

کیا حال دل چھپاؤں جاسوس اس پری کے
اندر لگے ہوئے ہیں باہر لگے ہوئے ہیں

نامے وہ باری باری عشاق کے پڑھینگے
عجلت سے کچھ نہ ہوگا نمبر لگے ہوئے ہیں

میں جانتا ہوں بلبل جو ہے تری حقیقت
اک مشت استخواں میں دو پر لگے ہوئے ہیں

کیا کیا اذیتیں ہیں مژگاں کی یاد میں بھی
ایک ایک رگ میں سو سو نشتر لگے ہوئے ہیں

بڑھتا ہے آبرو میں کیا آنسوؤں سے میرے
کون ایسے لعل تجھ میں گوہر لگے ہوئے ہیں

ہے حکم یار کوئی میری طرف نہ دیکھے
یہ اشتہار اب تو گھر گھر لگے ہوئے ہیں

مجھ بے نوا گدا کو پوچھے امیر وہ کیا
شاہوں کے اس گلی میں بستر لگے ہوئے ہیں

جب خوبرو چھپاتے ہیں عارض نقاب میں
کہتا ہے حسن میں نہ رہوں گا حجاب میں

بے قصد لکھ دیا ہے گلہ اضطراب میں
دیکھوں کہ کیا وہ لکھتے ہیں خط کے جواب میں

بجلی چمک رہی ہے فلک پر سحاب میں
اے دختِ رز کو چھپی کہاں ہے حجاب میں

اللہ رے میرے دل کی تڑپ اضطراب میں
گھبرا کے کروٹیں لگے لینے وہ خواب میں

جاناں کے ساتھ کھانے کا ہوتا نہیں حساب
ہم تم کباب کھائیں ڈبو کر شراب میں

اے برق تو ذرا کبھی تڑپی ٹھہر گئی
یاں عمر کٹ گئی ہے اسی اضطراب میں

ملنے کا وعدہ منہ سے تو اُنکے نکل گیا
پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے خواب میں

دو کی جگہ دیئے مجھے بوسے بہک کے چار　　تھے نیند میں پڑا انھیں دھوکا حساب میں

قاصد ہو قول و فعل کا کیا انکے اعتبار　　پیغام کچھ کہا ہو لکھا کچھ جواب میں

ترغیب میرے قتل کی دو انکو جد سو　　ہو کار خیر تم بھی ہو داخل ثواب میں

سمجھے ہیں دل میں کیا جو یہ گل رو ہوا میں ہیں　　مہمان چار دن کا ہو جوبن حباب میں

سمجھا ہو تو جو غیبت پیر مغاں حلال　　واعظ بتا یہ مسئلہ ہے کس کتاب میں

خونخوار ہو وہ مست ملے گا بڑا مزہ　　قیمہ مرے جگر کا ملا دو کباب میں

کام آئی کیسی ظلمت عصیاں بروز حشر　　سایہ ہمارے سر پہ رہا آفتاب میں

دیکھا کیا جو دفتر آفاق بعد جمع　　ہم بھولے ہو گئے نظری انتخاب میں

منظور قید و قتل جو ہو حکم دیجئے　　ہے یہ گناہگار بھی حاضر جواب میں

دامن میں انکے خون کی چھینٹیں پڑیں امیر
بسمل سے پاس ہو نہ سکا اضطراب میں

قاضی بھی اب تو آئے ہیں بزم شراب میں　　ساقی ہزار شکر خدا کی جناب میں

چھایا ہی خط نے اسکے رخ بے نقاب میں　　سورج گہن پڑا شرف آفتاب میں

دامن بھرا ہوا تھا جو اپنا شراب میں　　محشر کے دن بٹھائے گئے آفتاب میں

رکھا یہ تم نے پائے حنائی رکاب میں　　یا پھول بھر دیئے طبق آفتاب میں

تیر دعا نشانے پہ کیونکر نہ بیٹھتا　　کچھ زور تھا کمان سے سوا اضطراب میں

وہ ناتواں ہوں قلعہ آہن ہو وہ مجھے　　کر دے جو کوئی بند مکان حباب میں

حاجت نہیں تو دولت دنیا سے کام کیا　　پھنستا ہو تشنہ دام فریب سراب میں

مثل نفس نہ آمد و شد سے ملا فراغ　　جبتک رہی حیات رہے اضطراب میں

سرکش کا ہو جہاں میں دوران سرنگاں　　کیونکر نہ گرد باد رہے پیچ و تاب میں

چاہے جو حفظ جان تو نہ کر اقربا سے قطع　　کب سوکھتے ہیں برگ شجر آفتاب میں

دل کو چلا تصورِ حسنِ ملیح سے
ہوتی ہے بے نمک کوئی لذت کباب میں

ڈالی ہیں نفسِ شوم نے کیا کیا خرابیاں
موذی کو پال کر ہیں پڑا کس عذاب میں

اللہ رے تیز دستیٔ مژگانِ رخنہ گر
بیکار بند ہو گئے ان کی نقاب میں

چلتا نہیں ہے ظلم تو عادل کے سامنے
شیطاں ہے پردہ در کہ ہیں مہدی حجاب میں

کچھ ربطِ حسن و عشق سے جائے عجب نہیں
بلبل بنے جو بلبلہ اٹھے گلاب میں

چھوٹے جو اس کا مصحفِ رخ زلف میں پھنسے
مار عذاب بھی ہے طریقِ ثواب میں

ساقی کچھ آجکل سے نہیں بادہ کش ہیں بند
اس خاک کا خمیر ہوا ہے شراب میں

[illegible] ہیں میرے دل کے ڈرانے کے واسطے
شعلہ ہے برق کی کف دیو سحاب میں

جب نامہ بر گیا ہے کبوتر کو اے امیر
اس نے کباب بھیجے ہیں خط کے جواب میں

راحت کہاں ہے آنکھ کو جو ہے پیچ و تاب میں
دیکھا نہ پائے موج کو کشتیٔ حباب میں

ساقی صبح وقت ہے بزمِ شراب میں
دیتا ہے بھر کے مے قدحِ آفتاب میں

دریا سے حل یہ مسئلہ ہے فہم چاہیے
دیکھو ملا صدف میں خلا ہے حباب میں

دل صاف ہو تو کشمکشِ دہر کیا کرے
شعلہ ہے کب دھوئیں کی بطرح پیچ و تاب میں

دنیا بھی دین ہے جو ہو لذت بشر سے ترک
کیوں ہو حرام نشہ نہ ہو جس شراب میں

مردہ جو اہلِ دل ہوں تو زندہ انہیں سمجھ
عارف کی آنکھ رہتی ہے بیدار خواب میں

دریا میں ہو گیا ہے نہانے سے انکو عشق
شاہد ہے نقشِ حب کا اثر نقشِ آب میں

خط اس کے روئے صاف پہ نکلا غضب ہوا
مانند ماہ داغ لگا آفتاب میں

رکھ دیکھ بعد مرگ بھی میرے گلے پہ تیغ
طاقت ہے جذبِ آب کی مردہ سحاب میں

دکھلاتے ہیں وہ وقتِ گزک معجزہ مسیح
ہونٹوں سے جان پڑتی ہے مرغِ کباب میں

پیدا نہیں ہو ہم کو اگر ہیں قفس میں بند
صیاد سیرِ باغ کی کرتے ہیں خواب میں

پیری میں یہ جھکی ہوئی پلکوں کا حال ہے دیواریں جیسے ہوں مکانِ خراب میں

لکھا ہے میں نے دیدۂ گریاں کا اپنے حال حیف اب چاہیئے کوئی کاغذ کتاب میں

میخانے میں جو آئے تو ناصح رہے خموش دم مارنے کی جا نہیں انسان کو آب میں

پیاسوں کو خاک سیر کریگا یہ آسمان چشمہ تو ہے پر آب نہیں آفتاب میں

زاہد کو فیضِ صحبتِ رنداں سے کیا امیر

عالم کبھی نہ رہ کے ہو کیڑا کتاب میں

خنجر بکف جو اپنے قاتل کو دیکھتے ہیں دل ہمکو دیکھتا ہے ہم دل کو دیکھتے ہیں

واماندہ دور سے یوں منزل کو دیکھتے ہیں کشتی شکستہ جیسے ساحل کو دیکھتے ہیں

ہر چند ماندگی نے ہم کو بٹھا دیا ہے صد شکر دور سے تو منزل کو دیکھتے ہیں

آنکھوں کو بند کریں خالق سے لو لگائیں کیوں غرق ہونیوالے ساحل کو دیکھتے ہیں

شوقِ نظارہ دیکھو پٹی ہوئی ہے عینک آنکھیں ہیں بند لیکن قاتل کو دیکھتے ہیں

پروا نہیں جو آنے پاتے نہیں شب بھر ہم خواب میں تمہاری محفل کو دیکھتے ہیں

کیوں منھ بنا رہے ہو بوسے کے مانگنے پر خوش ہوتے ہیں سخی جب سائل کو دیکھتے ہیں

لیلیٰ کو دیکھ کر جو بیخود نہیں ہوئے ہیں ناقے کو دیکھتے ہیں محمل کو دیکھتے ہیں

دنیا امیر ساری محفلِ مشائخ ہے

دیتا ہے جان اس پر جس دل کو دیکھتے ہیں

شمشیر ہے ستاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں اک جانِ ناتواں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

مہماں اِدھر ہما ہے اُدھر ہے سگِ حبیب اک مشتِ استخواں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

دربان ہزار اُسکے یہاں ایک نقدِ جاں مال اسقدر کہاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

بلبل کو بھی ہے پھولوں کی گلچیں کو بھی طلب حیران باغباں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

سب چاہتے ہیں اس سے جو وعدہ وصال کا کہتا ہے اک زباں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

شہزادے دختِ رز کے ہزاروں ہیں خوش نگار — چپ مرشدِ مغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
یاروں کو بھی ہوس ہے کئی غیروں کو بھی طلب — ششدر ہے جانِ جاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں
دل مجھ سے مانگتے ہیں ہزاروں حسیں امیرؔ
کتنا یہ ارمغاں ہے کسے دوں کسے نہ دوں

تصور ایک سحرِ حسن کا یوں ہے مرے دل میں — رواں رہتا ہے دریا جس طرح آغوشِ ساحل میں
ہوائے زلفِ جاناں نے نہ چھوڑا مر کے بھی پیچھا — قیامت میں بھی ہم جکڑے ہوئے آئے سلاسل میں
شرابِ سرخ شیشے میں نہیں ہے یار اے ساقی — بھرا ہے خونِ بسمل یہ گلوئے مرغِ بسمل میں
تمنائے شہادت میں نہ مر کر بھی ہوئی راحت — تڑپ کر خلد سے پھر آ رہا ہیں کوئے قاتل میں
ترا خالِ ذقن دیکھا تو ہم کو یہ خیال آیا — فرشتوں کی جگہ ہے قید زہرہ چاہِ بابل میں
کیا جوہر مجھے جس دم نکھر کر رو برو آیا — بجائے تیغ آئینہ ہے لازم دستِ قاتل میں
رہِ صحرائے ہستی کو یہ آسانی سے کاٹے گا — تری تلوار کا دم آگیا ہے تیرے بسمل میں
جگہ تربت ہی کی تھوڑی ملے بعدِ فنا مجھ کو — فلک میرا بھی حق ہے کچھ زمینِ کوئے قاتل میں
یہ کس کے نوکِ مژگاں کا تصور آنے والا ہے — کھٹک جاتا ہے اک کانٹا سا جو ہر دم مرے دل میں
نکالے رنگ گو چاہیں نہیں پر قابلِ صحبت — طلب ہوتا ہے کب طاؤس بہرِ رقص محفل میں
تڑپتے ہیں کہ شوقِ قتل میں یہ رقص کرتے ہیں — تماشا بسملوں کا ہو رہا ہے کوئے قاتل میں
یہ کیوں گھبرا رہے ہیں کچھ سبب اسکا نہیں کھلتا — کبھی جاتے ہیں آنکھوں میں کبھی آتے ہیں وہ دل میں
چھری کو تیرے اے صیاد اتنی بیقراری ہے — کوئی رگ رہ گئی ہے کیا گلوئے مرغِ بسمل میں
تقاضا جاں نثاری کا یہ بیجا ایذا تھا اسکو — خوشی سے کاٹ کر سر اپنا رکھ دیں دستِ قاتل میں
ہزاروں قیس مشرب ساتھ پھرتے ہیں بیاباں میں — مرے دل میں خیالِ یار کیا لیلیٰ ہے محمل میں
کبھی غمزہ اگر تیغِ نگہ کو روک لیتا ہے — تو پلکوں کے پیچھے جاتے ہیں وہ نشتر مرے دل میں
جہاں ظلمت تھی میرے گھر شبِ فرقت سمٹ آئی — دھوئیں کا نام اب باقی نہیں ہے چاہِ بابل میں

بمشکل ضعف میں پہنچا ہوں میدانِ شہادت تک
جمانے دے قدم اے دردِ پہلو کوئے قاتل میں

عروسِ مرگ تیری تیغ کا منہ چوم لیتی ہے
نکلتی ہے لگا کر جب یہ غوطہ خونِ بسمل میں

نکل جائے ترا تیر آ کے پہلو سے یہ کیا ممکن
ابھی اے ترک اتنی جان باقی ہے مرے دل میں

امیر اب تک نہیں کھلتے جو اس کی تیغ کے جوہر
توقف کیوں ہے کیا مہندی لگی ہے دستِ قاتل میں

کسی زہرہ شمائل کا تصور ہے مرے دل میں
نجم یا قمر کا ہے گذر خورشید منزل میں

قدم رنجہ تو فرماؤ کوئی رہنے نہ پائے گا
نکل جائیں گی جتنی آرزوئیں ہیں مرے دل میں

رہیگی خوب اے قاتل غضب کا رنگ لائیگی
لگائی ہے جو مہندی ہیں اسکو خونِ بسمل میں

نہیں کرتا کبھی پروائے جنت اے گلِ خوبی
نہایت پائی ہمنے بے نیازی تیرے سائل میں

یہی حیرت کا عالم ہے تو نظارہ کہاں مجنوں
نکل بھی آئے محمل سے تو پھر لیلی ہے محمل میں

دوئی اٹھ جائے تو جھگڑا کہاں شیخ و برہمن کا
بت آئیں سجدے کرتے شوق سے اس کعبۂ دل میں

تڑپتا ہے دلِ صیاد بھی اس کے تڑپنے پر
قیامت کا اثر ہے اضطرابِ مرغِ بسمل میں

یہ بیماری محبت کی کوئی نیرنگ ہے اے دل
جہاں آیا مسیحا درد دونا ہو گیا دل میں

دہانِ زخم نے کس کس مزے سے اسکو چوسا ہے
لبِ شیریں کی لذت ہے زبانِ تیغِ قاتل میں

جدا ہوتی نہیں گردن سے قاتل زور کرتا ہے
زبانِ تیغ نے لذت یہ پائی خونِ بسمل میں

ذرا محمل سے ہٹ کر خاک اڑا او بے ادب مجنوں
خیال اتنا تو کرنا چاہیے ہے کون محمل میں

کرامت ہے کوئی ساقی کہ تیری چشمِ میگوں ہے
چھکایا ایک پیمانے سے تو نے سب کو محفل میں

لگا کر وار اوچھا پھر نہ دیکھا اسطرف ہم نے
قضا روتی رہی بیٹھی ہوئی پہلوئے بسمل میں

اجازت چاہتی ہے کس سے پروانوں کے آنے کی
کھڑی ہے عرض بیگی کیطرح جو شمعِ محفل میں

نہ آمادہ ہوا ہو کوئی غمزہ اسکا شوخی پر
الٰہی خیر بجلی سی چمکتی ہے مرے دل میں

امیر اسکی تجلی گاہ ہے دنیا جو آنکھیں ہوں
وہی گل ہے گلستاں میں وہی ہے شمعِ محفل میں

بے حجابانہ اگر وہ لب آب آتے ہیں
شوق دیدار میں آنکھوں سے حباب آتے ہیں

اشک آنکھوں میں مرے گرم شتاب آتے ہیں
شہسواران عدم پا بہ رکاب آتے ہیں

یاد وہ ولولۂ عہد شباب آتے ہیں
جوش کیا کیا ہمیں ہنگام خضاب آتے ہیں

پی کے مے جذب یہ مجھ رند کا بڑھ جاتا ہے
اڑ کے منہ تک صفت مرغ کباب آتے ہیں

اس طرح مجلس زہاد میں جاتا ہوں میں رند
متقی جیسے سوئے بزم شراب آتے ہیں

بے خبر دیکھ کے مردوں کو یہ سمجھا ہوں میں
جو یہاں آتے ہیں مست مے خواب آتے ہیں

جو تہ گنبد تسلیم و رضا بیٹھ رہے
غیب سے انکے سوالوں کے جواب آتے ہیں

سر رہوار سے روندینگے وہی خاک مزار
تا در گور جو ہمراہ رکاب آتے ہیں

صفت شمع سحر جو تری محفل سے ہیں دور
موت کے ان کو پسینے دم خواب آتے ہیں

موت آتی ہے کہ آتی ہے سواری انکی
کئی جلاد بھی ہمراہ رکاب آتے ہیں

مرگ کے بعد نہ آئیں گے کبھی ہم انھیں یاد
جن حسینوں کے تصور دم خواب آتے ہیں

غیر منہ پر نہ چڑھے کھینچتے ہیں ہم نالے
کہو ابلیس ہٹے تیر شہاب آتے ہیں

سوزش دل سے یہ جلتی ہیں ہماری آنکھیں
اشک منہ پر صفت اشک کباب آتے ہیں

ہجر ساقی میں کبھی دل کبھی جلتا ہے جگر
ہر طرح سے مرے حصے میں کباب آتے ہیں

راحتیں وصل کی یاد آتی ہیں اڑ جاتے ہیں ہوش
غش پہ غش ہجر کی شب میں دم خواب آتے ہیں

یہ تقاضا ہے کہ ادا آپ کی سبحان اللہ
صف الٹتی ہے جو سجدے میں حباب آتے ہیں

نہیں جاتے کبھی پیری میں جوانی کے خیال
صبحکو یاد مجھے رات کے خواب آتے ہیں

کرتے ہیں ہجر کے پیغام مرا دل زخمی
تیر آتے ہیں کہ ناموں کے جواب آتے ہیں

عمل بد جو ہوئے ہم سے سیہ کاری میں
گور میں ہونگے وہی مار عذاب آتے ہیں

کیوں نہ ہو دیدۂ تر یار کو رحم آ ہی گیا
خوب چھینٹے تجھے اے خانہ خراب آتے ہیں

دھیان بیجا ہے بط مے کی ہم آوازی کا
ایسے نعمت تجھے کب مرغ کباب آتے ہیں

پاؤں رکھتے ہیں کوئی بحر جہاں میں اُسکے
سر اٹھائے ہوئے جو مثل حباب آتے ہیں

جوش وحشت مجھے ہر سال بناتا ہے جوان
جب بہار آتی ہے ایام شباب آتے ہیں

ہم ترے کوچے میں آئے تو کیا کون گناہ
لوگ کعبے میں پئے کسب ثواب آتے ہیں

ہاں افلاک دل صاف میں آئینہ ہے
ایک قطرے میں نظر سات حباب آتے ہیں

دھیان بندھتا ہے جو اس عارض گیسو کا امیر
متصل لخلخہ مشک و گلاب آتے ہیں

عینک ہوں خواہ آئینہ اے شیشہ باز ہوں
پیدا ہوں پیش چشم ہوں پیش نگاہ ہوں

باوصف بخت تیرہ میں روشن نگاہ ہوں
سرمہ وہ ہوں کہ سرمۂ چشم سیاہ ہوں

منکر ہو میرے قتل سے قاتل جو روز حشر
بولے زبان تیغ کہ میں گواہ ہوں

کردینگے اشک گرم مرے تجھکو روسپید
گو روسیاہ ہوں مگر ابر سیاہ ہوں

حرص و ہوا کو صد جہاں سے نکال دوں
دو دن کو میں جہاں میں اگر بادشاہ ہوں

ہفتے میں ایک دن تو مرے گھر میں آئیے
امیدوار رحمت گاہ گاہ ہوں

رہتا ہے صبح و شام گناہوں کا سامنا
فارغ ہوا کبھی ہوں تو بھی عذرخواہ ہوں

غیر از چراغ غول نہیں کوئی پیش و پس
تاریک شب میں رہرو گم کردہ راہ ہوں

تاب و تواں نہ مجھ میں نہ عقل و حواس و ہوش
شکل آدمی کی صورت مردم گیاہ ہوں

کہتا ہے روئے یار یہ خط سیاہ سے
تو ہالہ ماہ کا ہے میں ہالے کا ماہ ہوں

لاغر یہ عشق موئے کمر نے کیا مجھے
پنہاں نگاہ خلق سے میں مثل ماہ ہوں

دست کشادہ ہے سبب تنگی معاش
دریا دلی سے اپنے میں محبوس چاہ ہوں

اس قلزم جہاں میں سفینہ ہے میری ذات
سارا جہاں ہو غرق اگر میں پناہ ہوں

رکھتا نہیں ہے فرق سر مو مرا سخن
گویا زبان خامۂ صنع الٰہ ہوں

مد نظر ہے صاحب جوہر کا مجھ کو حفظ
مثل نیام تیغ کے حق میں پناہ ہوں

روضہ رسول کا ہے اگر بارگاہ حق
میں بھی امیر خاک در بارگاہ ہوں

خیال لب میں ابر دیدہ ہائے تر برستے ہیں — یہ بادل جب برستے ہیں لب کوثر برستے ہیں
خدا کے ہاتھ ہم چشموں میں ہے اب آبرو اپنی — بھرے بیٹھے ہیں دیکھیں آج وہ کس پر برستے ہیں
ڈبو دینگی یہ آنکھیں بادلوں کو ایک چھینٹے میں — بھلا برسیں تو میرے سامنے کیونکر برستے ہیں
جہاں ان ابروؤں پر میل آیا کٹ گئے لاکھوں — یہ وہ تیغیں ہیں جنکے ابر سے خنجر برستے ہیں
چھلکتے رہتے ہیں مے سے جوش پر ہے رحمت ساقی — ہمارے میکدے میں غیب سے ساغر برستے ہیں
جو ہم برگشتہ قسمت آرزو کرتے ہیں پانی کی — زہے باران رحمت چرخ سے پتھر برستے ہیں
غضب کا ابر خوں افشاں ہے ابر تیغ قاتل بھی — رواں ہے خون کا سیلاب لاکھوں سر برستے ہیں
سمائے ابر نیساں خاک مجھ گریاں کی آنکھوں میں — کہ پلکوں سے یہاں بھی متصل گوہر برستے ہیں

وہاں ہیں سخت باتیں یاں امیر آنسو پہ آنسو ہیں
تماشا ہے ادھر موتی ادھر پتھر برستے ہیں

عروس مرگ پہ جو دل نثار کرتے ہیں — لپٹ کے خنجر قاتل کو پیار کرتے ہیں
وہ شانہ بالوں میں کیا بار بار کرتے ہیں — لباس زیست کا تار تار کرتے ہیں
جو سیدھی طرح سے آنکھیں وہ چار کرتے ہیں — ہزار تیر کلیجے کے پار کرتے ہیں
جو راہ چلتے ہیں وہ دل کے پاؤں میں مہندی — زمیں کو صفحۂ نقش و نگار کرتے ہیں
ہوئی یہ بھی لحد اپنی ہے تختۂ نرگس — ہزار آنکھ سے ہم انتظار کرتے ہیں
ہزار شکر گئیں بدگمانیاں ان کی — وہ میری بات کا اب اعتبار کرتے ہیں
مزے تو لیکے تو خود لوٹتے ہیں حضرت دل — خدا سے مفت مجھے شرمسار کرتے ہیں
دل و جگر کو نکالو بھی میرے سینے سے — تڑپ تڑپ کے مجھے بیقرار کرتے ہیں
میں مر کے خاک ہوا خاک ہو گئی برباد — وہ موت کا بھی نہیں اعتبار کرتے ہیں

نہ شاخ گل ہے مرا دل نہ دامن میخوار — بہاریں اسے کیوں داغدار کرتے ہیں

میں بادہ کش ہوں وہ وحشی کہ مجھ پہ ساقی — لگا کے شیشے مجھے سنگسار کرتے ہیں

وہ صاف دل ہیں رقابت کا کچھ خیال نہیں — جو تمکو پیار کرے اس کو پیار کرتے ہیں

طلسم گنج بھی آتا ہے جب نظر ہم کو — وہ مردہ دل ہیں گمان مزار کرتے ہیں

کبھی بتوں سے جو کرتا ہوں وصل کی خواہش — خدا کے فضل کا امیدوار کرتے ہیں

گلا نہیں جو اڑاتے ہیں تیغ سے ٹکڑے — یہ ترک ایک سے مجھ کو ہزار کرتے ہیں

فلک کے قصر سے ہو اور کیا ہمیں حاصل — فقط نظارۂ نقش و نگار کرتے ہیں

چلو امیر چلو تا کجا اقامت دہر
مسافران عدم انتظار کرتے ہیں

کیوں نہ موسیٰ کو خطر ہو شوق بیتاب طور میں — مشکلیں پڑتی ہیں سالک کو حجاب نور میں

روز حشر ایسی جلن ہوگی دل محرور میں — بھاگ کر ڈوبے گا دوزخ چشمۂ کافور میں

خاکساروں کی ہے ذلت دیدۂ مغرور میں — مال کیا ظرف گلی ہے مجلس فغفور میں

ہم ہوں یا موسیٰ ہوں کوئی دیکھ سکتا ہو اسے — پردے حیرت کے پڑے ہیں جلوہ گاہ طور میں

کیا تماشا ہو اسے سمجھے ہیں غافل جلترنگ — جام چینی رو رہے ہیں ماتم فغفور میں

حوصلہ عالی اگر ہو ہر جگہ معراج ہے — دار بھی ہے شاخ سدرہ دیدۂ منصور میں

گور میں چونکا کے یہ عبرت پکاری بار بار — ہوشیاری شرط ہے غافل شب دیجور میں

نزع کے وقت آدمی سے ملسکیں کیا ہاتھ پانوں — شام کو باقی نہیں رہتی سکت مزدور میں

بت تراشوں پر پڑیں پتھر کیا پھر جلوہ گر — چھپ رہے تھے بت خدا سے ڈر کے سنگ طور میں

گھر بنایا ہے یہ کس کا قصر تن ہے بے ثبات — جھونکتی ہے خاک عبرت دیدۂ مزدور میں

شیخ کو تقدیر اللہ جانو یہ بڑا مکار ہے — سارا دنیا چھوڑ بیٹھا ہے تلاش حور میں

ان سے کہتی ہے حیا اتنا جو میرا پاس تھا — تو بہت کر چھپ رہی ہوتی نگاہ حور میں

نحتسب کے لاکھوں لاکھ احساں کہ خوشے کی طرح
کاٹ کر مستوں کے سر لٹکا دیئے انگور میں

ہو اگر گردوں مخالف غم نہیں مجھ کو امیر
ہوں میں ظلِ دامنِ شاہ ابو المنصور میں

ٹپکتے ہیں اعضا یہ گرمی ہے تپ مہجور میں
جائے ہیزم استخواں جلتے ہیں اس تنور میں

رنگ پریوں کا جدا لطافت اور ہے انسان میں
ہے زمین و آسماں کا فرق نار و نور میں

جانتا ہوں جو خیالِ عارضِ پر نور میں
ڈوبتی ہے میری کشتی چشمۂ کافور میں

چاہتا ہوں ایک دم میں طے کرے ہستی کی راہ
آج ایسی آ گئی طاقت ترے رنجور میں

اپنی طاعت کی جزا چاہو تو خالق سے نہ شر
پہلے محنت سے اجورہ دے خلقت مزدور میں

حرص مال انساں تو کیا حیواں کو کرتا ہے تباہ
شہد دلواتا ہے آتش خانۂ زنبور میں

فرش استبرق کی کچھ حاجت نہیں آ باغباں
بادہ کش ہیں پڑ رہینگے سایۂ انگور میں

ہیں اگر چہ اول عاشق سے آسماں بیدار کے
خار ہر غنچے میں جیسے نیش ہے زنبور میں

سچ ہے اپنا درد سے ہوتا نہیں ہے کا اشتعال
اشک رہتے ہیں لبالب دیدۂ ناسور میں

ساقیا کیوں دم بدم ہے نشاۂ شاداب کے
خون تن مستوں کا شاید بھر دیا انگور میں

سچ ہے انساں کو مصیبت میں خدا آتا ہے یاد
موت کا دھیان اکثر آتا ہے دل رنجور میں

میری بزم عیش میں رہ گیا ہے یہ جی کھو کر
ایک قطرہ خون نہیں باقی تنِ طنبور میں

داغ سے ہے سینہ پر سوز عاشق کا فروغ
گردۂ ناں آئینہ ہے خانۂ تنور میں

داغ الفت کھائیے جاتی جوانی ہے تو کیا
چاہیئے شب بھر چراغ اے دل شب دیجور میں

رات دن میں لاکھ بار اٹھ اٹھ کے رہ جاتا ہے پھر
درد شاید قید ہے میرے دل رنجور میں

عیب سلطاں کیا ضرورت ہے رعیت میں کی نہ
لنگ ہی رہتے تھے کیا سب کشور تیمور میں

ترک کر لذت اگر چاہے جہاں میں عافیت
شہد آتش سے سوا ہے خانۂ زنبور میں

سب کو لنگر خانۂ خالق سے حصہ مل چکا
کیا مری قسمت کی روٹی جل گئی تنور میں

سینہ پر درد میں کیا روح کو آرام ہو　　کون سویا چین سے ہمسایۂ رنجور میں

کیسے موسیٰ لن ترانی کی صدا کیسی امیر
حسن کے نیرنگ تھے خلوت سرائے طور میں

بتاؤ آئینہ امیدوار ہم بھی ہیں　　تمہارے دیکھنے والوں میں یار ہم بھی ہیں

تڑپ کے روتے ہیں جو ہجر جاناں میں　　کہ تیرے ساتھ دل بے قرار ہم بھی ہیں

نہ ہے دماغ اگر آسماں پہ دور نہیں　　کہ تیرے کوچے میں مست غبار ہم بھی ہیں

کھو کو نخل چمن ہم سے سرکشی نہ کریں　　انھیں کی طرح سے باغ بہار ہم بھی ہیں

ہمارے آگے فدا ہو کے تیرے زمزمہ سنج　　کہ ایک نغمہ سرا ہزار ہم بھی ہیں

کہاں تک آئینے میں دیکھ بھال ادھر دیکھو　　کہ اک نگاہ کے امیدوار ہم بھی ہیں

شراب تم سے لگاتے نہیں ہیں آزاہد　　فراق یار میں پرہیزگار ہم بھی ہیں

ہمارا نام بھی لکھ لو جو ہے قلم جاری　　قدیم آپ کے خدمت گزار ہم بھی ہیں

ہما ہیں گرد مری ہڈیوں کے اٹھ پہر　　سگ آ کے کہتے ہیں امیدوار ہم بھی ہیں

جو لڑکھڑا کے گرے تو قدم پہ ساقی کے
امیر مست نہیں ہوشیار ہم بھی ہیں

چار ابرو ہیں ترے حسن میں بہتر چاروں　　کیا رباعی ہو کہ مصرع ہیں برابر چاروں

کس گل تر کا ہیں کشتہ تھا کہ مرقد پہ مرے　　بن گئے چار چمن گوشۂ چادر چاروں

ایکدم حکم خدا مجھ کو فراموش نہیں　　دل پہ لکھے ہیں سماوی ہیں جو دفتر چاروں

کیا ہوا چار عناصر جو پریشان ہوئے آج　　دم میں ہو جائیں گے اک جا دم محشر چاروں

ہاتھوں پاؤں کا بھروسا تھا سو وہ بھی تھے خاک　　ہو گئے مجھ سے جدا ہائے مقدر چاروں

ابر مژگاں کی شب ہجر جو بارش ہے یہی　　گھر کی دیواریں گرائے گا مقرر چاروں

زہرہ و مشتری و شمس و قمر وقت نثار　　گرد پھرتے ہیں ترے باندھ کے چکر چاروں

تندرستی کی کہاں فرقت جاناں میں امید — حد اصلاح سے اخلاط ہیں باہر چاروں
حق تو یہ ہے کہ ہیں تیرے در دولت کے گدا — خسرو و قیصر و دارا و سکندر چاروں
خاک ہیں لعل و زمرد ہوں کہ یاقوت و عقیق — ہوں غنی میری نظر میں ہیں یہ پتھر چاروں
بطن مادر لحد گور مکاں باغ بہشت — اپنے بندوں کو خدا نے یہ دیئے گھر چاروں

اے امیر احمد مرسل کے جو ہیں چار وزیر
چار یاری ہوں مجھے ہیں یہ برابر چاروں

سہواً کسی سے اپنی کہانی اگر کہوں — طاقت جواب دے کہ نہ بار دگر کہوں
طول شب فراق کا قصہ نہ پوچھیے — محشر تلک کہوں میں اگر مختصر کہوں
قاصد یہ کوئے یار سے کہتا ہوا پھرا — اپنی خبر نہیں مجھے کس کی خبر کہوں
اے اہل دیر و کعبہ میں غماز کچھ نہیں — جو اسطرف کی سن لے کسی سے اُدھر کہوں
سنتے ہیں آپ سارے زمانے کا درد دل — کہیئے تو میں بھی قصہ سوز جگر کہوں
شب کو کہو جو روز تم اپنی زبان سے — سورج قمر کو شام کو میں بھی سحر کہوں
حاصل صفائے قلب ہے آئینے کی طرح — کیوں منہ پہ صاف صاف نہ عیب و ہنر کہوں
وقفہ بہت قلیل ہے حسن شباب کا — بڑھ کر کہوں تو جلوۂ برق شرر کہوں
تشبیہ سامنے کی ہو اے فکر چاہیئے — گیسو کو شام چہرے کو اس کے سحر کہوں
محروم ہوں میں لذت بوس و کنار سے — کیونکر نہ اُن کو بے دہن و بے کمر کہوں

ہرگز نہ فرق آئے مری بات میں امیر
اک بار جو کہا ہے وہی عمر بھر کہوں

سخت دل پڑتا ہے ناحق آہ بے تاثیر میں — کچھ نہیں حاصل جو پیکاں ہو ہوائی تیر میں
ہو لے میری لاش نے پامال حسرت سے کہا — آ گئے آگے دیکھیئے کیا ہے مری تقدیر میں
پھر تو ہے اے دل کنارا مرگ کا زیر قدم — پھیر دے دو ہاتھ اگر آپ دم شمشیر میں

بہتے بہتے ایک دن شیریں کو پہنچیگا ضرور
نامہ لکھ کر ڈالدے فرہاد جوئے شیر میں

عشق ابروئے بتاں میں دل نے کی ایسی تپش
زلزلہ آیا زمین کوچۂ شمشیر میں

جس پری کی آنکھ مجھ سے پھر گئی بولا جنوں
لو مبارک اور اک حلقہ بڑھا زنجیر میں

آئے جب نخچیر ہونے پر کمی ترکوں کی کیا
پر نہیں سرخاب کا اے ترک تیرے تیر میں

موئے ابروئے بتاں میں تل نہیں اے مرغ روح
دانہ چھلکا ہے یہ دام جوہر شمشیر میں

عشق گیسو میں ملی دنیا کی گردش سے نجات
نیند بھر کر پاؤں سوئے خانۂ زنجیر میں

رو نہ رسوائی سے نادم ہو کے قاتل بعد قتل
وہ تری تقدیر میں تھا یہ مری تقدیر میں

کشت و خوں ایسا ہی رہتا دور ترکانہ اگر
پرند عزرائیل پھرتے کوچۂ شمشیر میں

نیند تیرے وحشیوں کو صبح تک آتی نہیں
رتجگا رہتا ہے شب بھر خانۂ زنجیر میں

باندھتا ہے گر ہوائے ظلم کر مجھ کو شکار
جب کٹینگے پر مرے تب پر لگینگے تیر میں

عشق ابرو میں جو چلاتا ہوں کہتا ہے وہ ترک
کون دیتا ہے دہائی کوچۂ شمشیر میں

منحصر ہے مجرموں پر شان رحمت کا ظہور
ہے خطائے فاش اگر تقصیر ہے تقصیر میں

تیر پہ تیر اُس ستمگر نے لگائے اسقدر
رہگئی حسرت تڑپنے کی دل نخچیر میں

کج نہادوں سے ضرر کیا راستبازوں کو امیر
خم نہیں آتا ہے صحبت سے کماں کے تیر میں

ہے یہ بے مہری کا چرچا دورِ چرخ پیر میں
خون مادر طفل پیتے ہیں ملا کر شیر میں

قصہ غیروں سے تمہارے عشق ابرو میں ہوا
چل گیا ہتھیار ہم سے کوچۂ شمشیر میں

ضبط غم سے آہ غنچا ہے مرے دلمیں گرہ
تیر ہو جاتا ہے پیکاں سینۂ نخچیر میں

سر نوشت اتنی جو کج مجھ واژگوں طالع کی ہے
شاید الٹا قط لگا تھا خامۂ تقدیر میں

صبح پیری کا بھی اے مانی نشاں باقی رہے
چھوڑ دینا کچھ سفیدی بھی مری تصویر میں

کیجئے دنیا کی ساری لذتوں کا انتخاب
پیجئے شیراز سے مے بیٹھئے کشمیر میں

زیرِ ابرو شوخیاں کرتی نہیں چشمانِ یار
چوکڑی بھرتے ہیں آہو سایۂ شمشیر میں

دیر سے سو گئے حرم سے ہیں جا کر کیا کریں
تھا جو طاعت کا زمانہ کٹ چکا تقصیر میں

اے جنوں تو جذب کو کچھ کام فرمائے اگر
چشمِ لیلیٰ کے ہوں حلقے قیس کی زنجیر میں

ذوقِ رحمت کھینچتا ہے سوئے رحمت اے کریم
جانتا ہے تو کہ میں مجبور ہوں تقصیر میں

کٹ کے آنکھیں ابروئے جاناں سے جب روئے ہیں ہم
بھر دیئے ہیں ہم نے موتی دامنِ شمشیر میں

انجمن میں مست ہو جائیں نہ کیونکر سامعین
قلقلِ مینا کا عالم ہے تری تقریر میں

نقل سے کوئی نکلتا ہے جہاں میں کارِ اصل
پائیں کب غواص موتی قلزمِ تصویر میں

بیقراری سے مجھے الفت میں حاصل ہو سکوں
پائے دل موجِ پریشانی سے ہے زنجیر میں

دورِ گردوں میں کہاں ہو جائے آسائش امیر
سیر کو آتی ہے ویرانی ہر اک تعمیر میں

عاشقوں سے ہو ترقی حسن کی تنویر میں
جسکے رخ سے رنگ اڑ آیا تری تصویر میں

قتل مجھ کو یاد ابرو میں ان آنکھوں نے کیا
ان ٹھگوں نے ملکے مارا کوچۂ شمشیر میں

غیر ممکن ہو دلِ حیراں میں میرے دخلِ غیر
عکس پڑتا ہے کہاں آئینۂ تصویر میں

قتلِ عاشق پر وہ قاتل کیواسطے ہو ترش رو
جب لہو چاٹا مرا دم آ گیا شمشیر میں

بے خبر میرے مآلِ کار سے ہے وہ حسیں
ہو کے یوسف ہو پریشاں اپنی تعبیر میں

عشقِ ابرو میں جواں و پیر سب ہیں قتیل
رات دن چلتا ہے رستہ کوچۂ شمشیر میں

آئی وحشت سے ہو روشن خانۂ زندانِ غم
مردمک ہے پانوں اپنا دیدۂ زنجیر میں

گرمیِ خورشیدِ محشر سے انھیں کیا کام ہو
ہیں ترے کشتوں کی روحیں سایۂ شمشیر میں

کام آتی ہے جوانوں کے بہت تدبیرِ پیر
طاقتِ پرواز ہے زورِ کماں سے تیر میں

دھیان اس ابرو کا آیا عارضِ روشن کے بعد
دھوپ سے ہم اٹھ کے بیٹھے سایۂ شمشیر میں

جمع زر ممسک جو کرتا ہے ہوا ثابت ہمیں
اسکی قسمت میں نہیں ہے غیر کی تقدیر میں

زخمیوں کا کام نکلے کچھ تو اک ناوک فگن / ہو مناسب ہوں پڑاؤ میں تیرے تیر میں
کیا عجب ہو اس رخِ پر نور پہ نکلا جو خط / جمع ہوتے ہیں پتنگے شمع کی تنویر میں

کب خزانہ غیب کا ملتا ہے بے قسمت امیر
چھانتا ہے خاک ناحق خواہشِ اکسیر میں

وطن کی یاد ہے لیل و نہار غربت میں / یہی ہے ایک بڑی غمگسار غربت میں
شگفتگی کے ہوں سامان ہزار غربت میں / پڑا ہے ایک سی ہے خزان و بہار غربت میں
گلِ وطن کی جو بو لے چلی اڑا کے تجھے / لپٹ گئے مرے دامن سے خار غربت میں
عجب نہیں ہے جو ہو موجزن نسیم کرم / دکھائیں خار گلوں کی بہار غربت میں
امید و بیم و غم و بیکسی و درد و فراق / یہی رفیق ہیں یہ دو تین چار غربت میں
نیا بوئے نافہ ہو کر نکہتِ گل ہوں / وطن میں صبر نہ مجھ کو قرار غربت میں
بچھا کے میں نے مصلیٰ پڑھا دوگانۂ شکر / اگر ملا شجرِ سایہ دار غربت میں
وہ زار ہوں کہ میں مر کر ہوا زمیں میں دفن / پڑا جو اڑ کے بدن پہ غبار غربت میں
چراغِ شامِ غریباں نے گل کھلائے نئے / دکھائی صبحِ وطن کی بہار غربت میں
قرار گھر میں ہیاں ہے اضطراب ہے کیوں / وہی وطن میں ہے تنہا کہ دوگار غربت میں
کبھی کبھی تو لکھو نامہ کوئی اہلِ وطن / کہ بڑھ کے موت سے ہے انتظار غربت میں
تڑپ گیا صفتِ ابر یہ دلِ مضطر / برس پڑا اگر ابرِ بہار غربت میں
کبھی نہ بھول سکے اہلِ وطن نے یاد کیا / نہ ہچکی آئی تجھے زینہار غربت میں

جو دوستانِ وطن نے دیئے ہیں داغ امیر
میں جانتا ہوں اسے لالہ زار غربت میں

تڑپا میں جو آنکھوں کو پسند آگئیں آنکھیں / دل لوٹ گیا چوٹ غضب کھا گئیں آنکھیں
کیا مست نگاہیں مجھے دکھلا گئیں آنکھیں / دو جام تجھے لبریز کہ چھلکا گئیں آنکھیں

مجروح ہوا ایک نظارے ہی میں میرا دل — دو پھل کی کٹاری تھی کہ چمکا گئیں آنکھیں
آفت کی سفیدی تھی قیامت کی سیاہی — نیرنگ دو عالم مجھے دکھلا گئیں آنکھیں
اوروں سے تو بیباک سر بزم لڑا کیں — عاشق سے ہوئیں چار تو شرما گئیں آنکھیں
موسیٰ کی طرح تاب تجلی کی نہ آئی — ہم طور پہ ہو پہنچے تھے کہ پتھرا گئیں آنکھیں
ہوں لاکھ نہ باتیں رہے پر مشق خموشی — پلکوں سے اشارے ہی میں سمجھا گئیں آنکھیں
معشوق کا جلوہ مجھے دل ہی میں نظر آیا — صد شکر جسے ڈھونڈھتی تھیں پا گئیں آنکھیں
تیغیں تھیں کہ یارب مرے قاتل کی نگاہیں — بسمل کی طرح سے مجھے تڑپا گئیں آنکھیں
اُس فتنۂ دوراں نے جو دی آنکھ کو گردش — چکر کبھی آیا کبھی تیورا گئیں آنکھیں
اس ناز سے دیکھا کہ بہم کٹ گئے عاشق — ایک ایک کو ایک ایک سے لڑوا گئیں آنکھیں
ہے سوز غم عشق سے یہ سوز حرارت — روتے پہ دل امڈا تو مری آ گئیں آنکھیں

تا چند امیر اس چمنستان کا نظارہ
دل سیر سے اکتا گیا پتھرا گئیں آنکھیں

گم گشتہ دل کی تا کجا جستجو کریں — ہاں اور دل ملے تو تری آرزو کریں
فرقت میں سیر باغ کی کیا آرزو کریں — دل خون ہوا اگر کسی غنچے کو بو کریں
یارب وہ ذوق دے کہ ترے مست معرفت — مستی بغیر بادۂ جام و سبو کریں
دنیا سے ہاتھ دھو کے چلیں کوئے یار میں — جائز نہیں کہ طوف حرم بے وضو کریں
مغرب سے اٹھ کے تم سوئے مشرق جو آ رہو — مردوں کو دفن پھر نہ کبھی قبلہ رو کریں
بوسہ جو چار ابروئے محبوب کا ملے — کعبے میں سجدہ آٹھ پہر چار سو کریں
قدرت خدا کی اشک مسلسل بہائیں ہم — مالے کے موتیوں کو وہ زیب گلو کریں
ملتے ہیں ہاتھ دیکھ کے صبح شب وصال — یہ چاک وہ نہیں ہے کہ جس کو رفو کریں
گلزار کو جو آپ سے اذن ثنا ملے — پتے بنیں زبان شجر گفتگو کریں

دامن ہے چاک چاک گریباں ہے تار تار — کس کس جگہ لباس ہم اپنا رفو کریں
میں بھی تو خاک راہ کسی گلبدن کا ہوں — سونگھیں نہ گل حسیں مری مٹی کی بو کریں
ہم سے جو بت خفا ہیں تو نامہرباں خدا — کعبے کا قصد دیر کی کیا آرزو کریں
ہیں دست روزگار میں تیغ اصیل ہوں — جوہر شناس ہوں تو مری آبرو کریں
نیچی نظر حیا سے کریں کیا وہ جنگجو — جو اک نظر میں خون ہزار آرزو کریں

پلکوں سے وہ اسیر لیا کرتے ہیں سلام
جس طرح گنگ انگلیوں سے گفتگو کریں

مجروح ہوں پر جو چشم کرم جنگ جو کریں — سوزن ہم ایک تار نظر سے رفو کریں
منھ پر جو گرد آہ پڑے شست و شو کریں — اتنی تو میرے اشک مری آبرو کریں
جو لوٹتے ہیں ایک نظر میں وہ اور ہیں — بہکیں نہ ہم جو نوش سبو کے سبو کریں
دیوانگی کا سلسلہ طاعت میں بھی نہ جائے — پہلے پڑھیں نماز تو پیچھے وضو کریں
تار نگاہ دیدۂ یعقوب اگر ملے — ہم چل کے چاک دامن یوسف رفو کریں
ہوں مست معرفت مجھے کب ہے دماغ مے — غیرے نہ میرے سامنے جام سبو کریں
انسان ہوکے ہم رہیں محو دم اے فلک — سبزے کی سیر بر سر لب آب جو کریں
ہم میکشوں کو کام شراب و گزک سے ہے — قرآں پڑھیں تو ورد و گلو ادا خرلو کریں
غنچے نہ ملنے سے ہمیں کیا کام ہے یہ کام — جبتک کہ دم میں دم ہے تری جستجو کریں
زاہد ترے فرشتوں کو یہ دن نہیں نصیب — جنت سے حور آئے جو ہم آرزو کریں
ثانی نہ میرے یار کا پائیں یہ مہر و ماہ — برسوں چراغ لیکے اگر جستجو کریں
مرنے کے بعد بحث کو آئے ملک تو کیا — کچھ حوصلہ اگر ہو تو اب گفتگو کریں
جبتک کہ دل ہے چاہئے ہمکو تری تلاش — جبتک چلے زبان تری گفتگو کریں
کب زاہدوں کو مسئلۂ عشق کا ہے فہم — نامحرموں سے راز کی کیا گفتگو کریں

یادہ مست باغ ہیں لگے سحاب کے
کہدو کہ جام لالہ و گل شست و شو کریں

چوری ہے کب ثبوت مرے نقد ہوش کی
مفتی شہر قطع نہ دست سبو کریں

شوق سجود ہے تہ محراب تیغ اگر
آب بقا سے خضر و سکندر وضو کریں

جب غنچہ ساں بہار خموشی میں اے امیر
بلبل کی طرح باغ میں کیا ہاو ہو کریں

جیتے جی جان سے گذرتے ہیں
مرنے والوں پہ ہم تو مرتے ہیں

کچھ نہ پوچھو کہ ہاتھ خالی ہے
ہم تو دن زندگی کے بھرتے ہیں

دل ٹھہر جائے یہ امید نہیں
اپنے بگڑے کہیں سنورتے ہیں

کس سے چھوٹیں اگر خدا سے نہیں
سچ ہے زاہد بتوں پہ مرتے ہیں

لکھتے ہیں روز خط رقیبوں کو
نہ تو پوچھے ہمیں گذرتے ہیں

مل گیا گھاٹ تیغ قاتل کا
اب کوئی دم میں پار اترتے ہیں

چھپ گئے ہیں تو اک قطرے میں امیر
پھر ذرے کو آئینہ کرتے ہیں

یہ چرچے یہ صحبت یہ عالم کہاں
خدا جانے کل تم کہاں ہم کہاں

جو خورشید ہو تم تو شبنم ہیں ہم
ہوئے جلوہ گر تم تو پھر ہم کہاں

حسیں قاف میں گو پریاں بھی ہیں
مگر ان حسینوں کا عالم کہاں

الہی ہے دل جائے آرام غم
نہ ہوگا جو یہ جائے گا غم کہاں

کہوں اس کے گیسو کو سنبل میں کیا
کہ سنبل میں یہ پیچ یہ خم کہاں

وہ زخمی ہوں میں زخم ہیں بے نشاں
الہی لگاؤں میں مرہم کہاں

زمانہ ہوا غرق طوفاں امیر
ابھی روئی یہ چشم پر نم کہاں

شہر سے جو دور دور ہماری فغاں کے ہیں
دہشت سے ہوش اُڑے ہوئے آسماں کے ہیں

ظاہر میں ہم فریفتہ حسنِ بتاں کے ہیں
پر کیا کہیں نگاہ میں جلوے کہاں کے ہیں

یارانِ رفتہ سے کبھی جا ہی ملینگے ہم
آخر تو پیچھے پیچھے اسی کارواں کے ہیں

گھبرا کے جب فراق میں مانگی دعائے وصل
آئی صدا یہی تو مقامِ امتحاں کے ہیں

سات آسماں کو توڑ کے تا عرش جا چکا
اے تیرِ آہ بس اب ارادے کہاں کے ہیں

ٹھکرا کے میرے سر کو وہ کہتے ہیں ناز سے
لو ایسے مفت سجدے مرے آستاں کے ہیں

مر کر بھی مے سے ہم کو تعلق وہی رہا
تختے لحد میں پیرِ مغاں کی دکاں کے ہیں

ڈوبے ہوئے لہو میں نظر آئیں کیوں نہ گل
سینچے ہوئے مرے مژہ خونفشاں کے ہیں

شکوہ شبِ وصال میں تا چند چپ بھی ہو
اے دل ٹھکانے تو یہ جھگڑے کہاں کے ہیں

ناوک فگن چھپا ہے یہ تیرے ادا شناس ہیں
دو آئینے لگے ہوئے گھر میں کماں کے ہیں

طاقت ہماری گھٹ گئی ہمت نہیں گھٹی
سمجھا کریں تو آگے وہ عمرِ رواں کے ہیں

دنیا میں بھی سفر ہیں عقبیٰ میں بھی سفر
ہم لوگ [illegible] ابھی کہاں کے ہیں

روشن چراغ بجلی سے رہتا ہے رات بھر
چمکے ہوئے نصیب سے آشیاں کے ہیں

خنجر کو چوس چوس کے کہتے ہیں یہ ستم
ظالم زہے بھرے ہوئے تجھ میں کہاں کے ہیں

اے ہمت بلند ابھی تو کمی نہ کر
جلوے جو خاص ہیں وہ ادھر لامکاں کے ہیں

یاں جان پر بنی ہے مجھے ہیں ہزار دشمن
اے تیغ یار جلد بھی یہ ٹوٹے کہاں کے ہیں

وہ وعدہ عہد وصل کا قاصد نہیں نہیں
سچ سچ بتا یہ لفظ انھیں کی زباں کے ہیں

اس ماہ وش کو کیا میں لکھوں شرحِ اشتیاق
اے کلک کل یہ سات ورق آسماں کے ہیں

بلبل کو شوقِ گل تھا نہ قمری کو عشقِ سرو
سارے یہ گل کھلائے ہوئے باغباں کے ہیں

ان ابروؤں سے حضرتِ دل روز سامنا
کہیئے تو ایسے آپ بہادر کہاں کے ہیں

سمجھے یہ ہم جو خلد میں حور آ گئی نظر
شاید ابھی مقام میں ہم امتحاں کے ہیں

مرآۃ الغیب

اس طفل تند خو سے جو ملتا ہوں اے امیر
کہتے ہیں لوگ ڈھنگ بُرے اس جواں کے ہیں

دل و جگر دونوں جل گئے ہیں ذرا جو نکلا ہوں جہاں ملی ہیں
تمہارے گھر میں آ کے تو کیا بسی ہوئی بجلیاں ملی ہیں

مجال میری نہیں یہ اے دل کہ مانگوں بوسہ لب و دہن کا
ہزار دی ہیں دعائیں میں نے تب اُسسے کچھ گالیاں ملی ہیں

ہمیں تو نغمہ پسند آیا ہے نغمہ سنجانِ بوستاں کا
سنے نہ دیکھے یہ حلق تالو صدائیں آئیں زباں ملی ہیں

زمیں میں گڑ کر جو لطف اٹھایا اوا ہو کس طرح شکر اسکا
کبھی نہ پائیں تھیں زندگی میں وہ راحتیں جو یہاں ملی ہیں

خدا نے وہ سلطنت عطا کی کہ شش جہت میں ہے جسکا شہرہ
دیے ملک سخن ہی اپنا صدیں کہانے کہاں ملی ہیں

اسیر گیسو ہوئے ہیں جب سے ہوئے ہیں آزاد قید غم سے
نہ کیوں ہو اپنے جنوں کے صدقے کہ مجھکو یہ بیڑیاں ملی ہیں

امیر رہتا تھا جس جگہ پر وہاں کل اک ڈھیر راکھ کا تھا
وہ خاک چھانی تو ریزہ ریزہ جلی سی کچھ ہڈیاں ملی ہیں

نہاں رہتا ہے آئینے سے وہ بیگانہ خو برسوں
حیا دیکھے نہیں آتا ہے اپنے روبرو برسوں

رہا اے گل سحر جوں کو تری جستجو برسوں
پھرا کی کو بکو پیراہنِ یوسف کی بو برسوں

فلک دیتا ہے مثل زخم کسکو فرصتِ راحت
جو کچھ ہنستا ہے ہنس لے پھر تو رویگا لہو برسوں

دل شفاف میں دیکھا ہے جلوہ روئے جاناں کا
رہے ہیں اے سکندر یوں ہم اپنے روبرو برسوں

کہاں بستا ہے کوئی مرد میداں دشت وحدت میں
کیا ہے ہم نے خموشی کی زباں سے ذکر ہو برسوں

سراپا جرم ہوں لیکن وہ رند پاک طینت ہوں
کیا زاہد نے میرے آب تیغ لب سے وضو برسوں

خدا کے گھر سے او ناشاد کوئی جا کے پھرتا ہے
عجب کیا گر نہ نکلے تیرے دل سے آرزو برسوں

فراقِ یار میں سب دوستوں نے مجھ سے منھ موڑا
شریک رنج تنہائی رہا اے درد تو برسوں

مری حالت پہ ہجر یار میں مر مر گئی حسرت
دل مایوس سے روئی لپٹ کر آرزو برسوں

جھکاتے ہم کہاں تک سر شہ پائے خم پہ اے ساقی
حمائل اپنی گردن میں رہا دست سبو برسوں

جنوں میں یہ تہی بخیہ گری کی دست وحشت نے
کیا ہے پھاڑ کر دامن گریباں کو رفو برسوں

تمہاری اک نگاہ ناز نے توڑا اشارے میں
بنایا چشم و دل نے جو طلسم آرزو برسوں

بلائے جس نے لب اک ہاتھ مارا اڑ گئی گردن
زبان تیغ سے اس ترک نے کی گفتگو برسوں

ہوا ہوں آتش رنگ حنا سے خاک میں جل کر
مری مٹی سے آئیگی گل عشرت کی بو برسوں

کہاں ہونگی امیر ایسی ادائیں حور و غلماں میں
رہے گا خلد میں بھی یاد ہم کو لکھنؤ برسوں

کریگا یاد اے غم ہمکو بعد مرگ تو برسوں
کھلایا ہے جگر برسوں پلایا ہے لہو برسوں

تڑپ کر دل نے میرے مدتوں رسوا کیا مجھکو
بہا کر اشک آنکھوں نے ڈبوئی آبرو برسوں

گداز عشق مثل شمع ہر مو سے ہوا ظاہر
پسینا بنکے ٹپکا جسم سے میرے لہو برسوں

مزہ یہ ذبح میں پایا کہ کرتا ہے دعا بسمل
رہے یونہی الٰہی ربط شمشیر و گلو برسوں

کوئی میرے برابر کیا کریگا ضبط الفت کو
نہیں آتا زبانتک لیے حرف آرزو برسوں

فنا کے بعد ایسے بیکسوں کو کون پوچھے گا
مگر اے بیکسی رویا کریگی مجھکو تو برسوں

چھپائے منھ اگر وہ یوسف گل پیرہن ہو کر
چمن کا منھ نہ دیکھے کاروان رنگ و بو برسوں

نہیں اے بیکسی بعد فنا کچھ خوف تنہائی
رہیگا میری تربت پر ہجوم آرزو برسوں

رہائی حلقۂ گیسو سے جیتے جی تو کیا ممکن
موئے پر بھی نہ اتریگا مرا طوق گلو برسوں

نہ چھوڑا پاس ایماں حق پرستی اسکو کہتے ہیں
رہ شوق بتاں میں بھی چلے ہم قبلہ رو برسوں

مزا لے لیکے رگڑا ہے گلا شمشیر قاتل سے
بڑھائے زخم ہم ہنس ہنس کے روئے ہیں لہو برسوں

نہ آیا ساقی پیماں شکن ہم سرو کی صورت
قدم کو گاڑ کر بیٹھے کنار آب جو برسوں

وہ بلبل ہوں کہ یوں صیاد نے جی میرا بہلایا
لگایا ڈھیر پھولوں کا قفس کے روبرو برسوں

نہ کر اے یاس یوں برباد میرے خانۂ دل کو
اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

کبھی ہمکو بھی تھا اے درد دعوی ضبط الفت کا
پلٹ جاتے تھے نالے دل سے آ کر تا گلو برسوں

امیر اس بے نشاں تک سعی سے کوئی جو جا سکتا
تو کیسے پاؤں ہم آنکھوں سے کرتے جستجو برسوں

رہے تصویر حیرانی ہم ان کے روبرو برسوں
لب خاموش سے کی درد دل کی گفتگو برسوں

نہیں نکلی ہے دل سے مرے انکی آرزو برسوں
یہ وہ گل ہے کہ مرجھائے بھی دیتا ہے بو برسوں

کوئی گاہک نہ ٹھہرا دل کا بازار محبت میں
پھرے ہم بیچتے یوسف کو اپنے چار سو برسوں

نہ ہوگا بادہ خوار اے پیر مغاں ہم سا
گھٹا کر خوں بڑھائی دختر رز کی آبرو برسوں

رہے گر کبھی یارب میکدے میں دور مستوں کا
بنائے جائیں انکی خاک سے جام و سبو برسوں

یہ کس تیغ نگاہ و ناز نے زخمی کیا مجھ کو
کہ آئی میرے زخموں سے بھی بوئے ناز و بو برسوں

چلے تھے ایکدن ٹھکرا کے ساغر کو سو مستوں سے
کیے سر زاہدوں کے کاٹ کر نذر سبو برسوں

رہیں کیونکر نہ توصیف دہن میں دم بخود شاعر
جگہ کچھ بھی اگر پاتے تو کرتے گفتگو برسوں

بچا دل نہ اسکا بھی کبھی تیری طرح قاتل
کیا خنجر سے ہم نے شکوۂ درد گلو برسوں

صدف سے جیب یہ نکلے شرم آئی تیرے دانتوں سے
گرہ میں باندھ رکھی موتیوں نے آبرو برسوں

ہماری آنکھ نے کیا جانے کس حسرت سے دیکھا تھا
کہ تیغ یار روئی چشم جوہر سے لہو برسوں

زباں اظہار حق سے کافرونسے کوئی رکتی ہے
خدا کی حمد کی ہم نے بتوں کے روبرو برسوں

لگایا دختر رز کو منہ نہیں ہے بجز ساقی تیرا
بہت طاقوں پہ سر ٹپکا کیے جام و سبو برسوں

ہوا یہ قحط آب آتشیں ساقی کی فرقت میں
رہا وردِ دعائے توبہ ہم کو بے وضو برسوں

تصور کب گیا یاد لے مژگان جاناں کا
کھٹکتا ہی رہا آنکھوں میں روز ایک ایک مو برسوں

امیر اک مصرع تر بت کہیں صورت دکھاتا ہے
بدن میں خشک جب ہوتا ہے شاعر کا لہو برسوں

بے حجابانہ مرے گھر جو وہ آجاتے ہیں
ایک تصویر در دل پہ لگا جاتے ہیں

طرفہ شوخی ہے اگر طور پہ آجاتے ہیں
ہوش وہ برق تجلی کے اڑا جاتے ہیں

دم کے دم کو مرے پہلو میں جو آجاتے ہیں
دل لگانے کی جگہ تیر لگا جاتے ہیں

پتلیاں تاک بھی تو پھر جاتی ہیں کچھ دم نزع
وقت پڑتا ہے تو سب آنکھ چرا جاتے ہیں

یہ بھی ایما ہے کہ غصہ نہیں اُترا اب تک — جائے گُل قبر پہ تیوری جو چڑھا جاتے ہیں

کرتی ہے تیغ قضا ڈھونڈ کے انکو چورنگ — چوٹ شمشیرِ ادا کی جو بچا جاتے ہیں

یاد آتا ہے جو ہنس ہنس کے رُلانا میرا — چار آنسو مری تربت پہ بہا جاتے ہیں

ساغر زہر ہلاہل بھی جو دیتا ہے فلک — یاد ساقی میں بلا نوش چڑھا جاتے ہیں

کیا سخی ہیں عدم آباد کے جانے والے — نقد جاں پہلے ہی عشق میں لٹا جاتے ہیں

جب پلٹ جاتے ہیں وہ ہاتھ کمر پر رکھ کر — جادۂ ملک عدم مجھ کو بتا جاتے ہیں

اور رستا کے کریں کیا ادھر آنے والے — اس سے بہتر کہ زمیں میں تو سما جاتے ہیں

کس لئے کوچے سے یہ آتے ہیں ہوا کے جھونکے — [illegible] بجھا جاتے ہیں

جو ترے دل میں ہے وہ دیکھنے والے تیرے — نگہ ناز کے انداز سے پا جاتے ہیں

کیسے چالاک ہیں یہ ترک کہ کرتے ہی نگاہ — سرمہ تلوار سے آنکھوں میں لگا جاتے ہیں

گل سے مطلب ہمیں گلشن میں نہ بلبل سے غرض — سیر کرنے کو کبھی باغ میں آ جاتے ہیں

گو نکل جاتے ہیں آ آ کے گھٹا کے ٹکڑے — ساقیا دل تو یہ مستوں کے بڑھا جاتے ہیں

سادہ آئینہ رخوں کو نہ سمجھنا اے دل — کہئے مطلب کی تو وہ بات اڑا جاتے ہیں

ہیزم خشک سمجھتے ہیں مجھے کیا رہرو — راہ چلتے ہوئے جو آگ لگا جاتے ہیں

پیچ ہے اندھی ہیں مشاطہ کو حسیں دل کیلئے — جو گھروندا یہ بناتا ہے مٹا جاتے ہیں

میں خریدار اگر ہوں تو نگہ کا ان کی — تیغ کیوں میرے گلے سے وہ لگا جاتے ہیں

حسن کی شان کو ہے بوقلمونی لازم — کیا کہوں کیسے وہ نیرنگ دکھا جاتے ہیں

ملک الموت کبھی بن کے سلا دیتے ہیں — فتنۂ حشر کبھی بن کے جگا جاتے ہیں

کیا بلا ہو کے وہ گیسو مجھے لپٹے ہیں امیر
آنکھ ہو بند تو دل پر مرے چھا جاتے ہیں

میں الفت کے وہ حسن کے جوش میں — نہ میں ہوش میں ہوں نہ وہ ہوش میں

لٹک کر وہ زلف آئی ہے تا کمر
کہ لیلیٰ ہے مجنوں کے آغوش میں

نہ اٹھو ابھی بزم سے مے کشو
ہمیں بھی تو آلینے دو ہوش میں

نکل آنکھ سے اشک ٹھہرا ہے کیا
گہر ہو کبھی اس بنا گوش میں

کہیں لعل ہم کیا لب یار کو
کہ ہے فرق گویا و خاموش میں

قدم پر جو گرنے لگا غش میں میں
کہا ہٹ کے آؤ ذرا ہوش میں

بہت دختر رز سے گرمی نہ کر
کہیں آئے واعظ نہ وہ جوش میں

نہ کر ساقیا اب تو قحط شراب
نہیں جان رند قدح نوش میں

پلا وصل میں مے نہ ان کو امیر
مزہ کیا رہے جب نہ وہ ہوش میں

میکش کے دل کے راز کسی پر عیاں نہیں
شیشے کو دیکھ لو کہ دہن ہے زباں نہیں

عالم میں اُس کے حسن کا جلوہ کہاں نہیں
فانوس کا بھی شمع سے خالی مکاں نہیں

موجود خشت خم ہے اگر نردباں نہیں
اتنی تو مے فروش کی اونچی دکاں نہیں

کرتے ہو انکسار کی باتیں یہ آج کیا
میرا بیان ہے یہ تمہارا بیاں نہیں

مردہ جو مجھ غریب کا بے گور رہ گیا
دو گز بھی کیا زمین تہ آسماں نہیں

اک جو روش کی خانۂ زنداں میں ہے تو یاد
موجیں نسیم خار کی ہیں بیڑیاں نہیں

کیا کیا کرینگے قتل نکھرتے تو دو اٹھیں
پنہاں ہے تیغ زنگ میں جوہر عیاں نہیں

کیا باغباں کا ڈر کہ میں ہوں طائر اثر
جز شاخ نالہ اور کہیں آشیاں نہیں

چشم سیاہ یار کے اتنے گئے ہیں وصف
ہے میل سرمہ منہ میں ہمارے زباں نہیں

طوطی ہوا ہے جبکہ سگ جاناں کا بولنا
لذت میں نیشکر ہیں مگر [illegible] نہیں

مرقد میں بھی نصیب کی گردش وہی رہی
سمجھے تھے ہم زمیں کے تلے آسماں نہیں

بالیدہ اسکے آنے سے ایسا ہوا چمن
ساقی وہ کون شیشہ ہے جو آسماں نہیں

زنداں چمن رہے وحشی نازک مزاج ہوں
پھولوں کی بدھیاں ہیں مری بیڑیاں نہیں

آنکھوں سے ہم تو ساعد جاناں کے گرد ہیں
حلقے ہماری آنکھوں کے ہیں چوڑیاں نہیں

ہوں اس چمن میں طائر کم پر تو کیا ہوا
صیاد ابھی ہے دور بلند آشیاں نہیں

لذت جو آبلے نے اٹھائی ہے خار کی
کیونکر بیاں کرے کہ دہن ہے زباں نہیں

پیری میں اور بھی مجھے زینت ہوئی نصیب
اُلٹو قبائے تن پہ ہے یہ جھریاں نہیں

ادنیٰ یہ فیض ہے سخن آبدار کا
موتی صدف میں ہے مرے منہ میں زباں نہیں

ایذا کا خوف صاحب تمکیں کو کیا امیر
نشتر سے آشنا رگ سنگ گراں نہیں

مرتبہ تیغ ادا کا وہی بسمل سمجھیں
زیست کو مرگ مسیحا کو جو قاتل سمجھیں

قاتلوں سے کہو سر کاٹ کے معذور نہ ہوں
اپنے سر کو بھی تہ خنجر قاتل سمجھیں

ہے پری ان کے لیے فکر سلاسل ہے عبث
جو تری زلف مسلسل کو سلاسل سمجھیں

اک تجلی میں جو موسیٰ سے ہو طالب تاب نگاہ
اور پھر کسکو وہ دیدار کے قابل سمجھیں

جان جاں جسکو کہے جان اُسے ہم جانیں
دلربا جسکو کہے دل اُسے ہم دل سمجھیں

لاکھ دو لاکھ میں شاید کہ اٹھے ایک کا پانوں
عاشق اتنی جو کڑی عشق کی منزل سمجھیں

زندگی یار کے اور موت ہے اللہ کے ہاتھ
کسکو آساں نہیں ہم کسکو مشکل سمجھیں

آشنا درد سے کچھ ہوں جو بتان بیدرد
میری مرآۃ کو اک مصرع بے دل سمجھیں

کیا کسی دل کے تڑپنے پہ انھیں رحم آئے
رقص بسمل کو جو آرائش محفل سمجھیں

بت میں بھی دیکھتے ہیں نور خدا کا جلوہ
واعظو حق کسے جانیں کسے باطل سمجھیں

اپنے ہاتھ اپنا گلا کاٹ کے خود بسمل ہوں
کچھ بھی لذت جو تڑپنے کی یہ قاتل سمجھیں

زخم کا ذکر تو کیا ضد ہے یہاں تک مجھ سے
زہر دیں بوسہ خند کا جو وہ سائل سمجھیں

آپ پیری و جوانی پہ نہ جائیں صاحب
دل عاشق کو بدستور وہی دل سمجھیں

شیخ حرم اگر تو جلوہ بتوں کا دیکھے
کعبے سے اٹھ کے بیٹھے پہلوئے برہمن میں

دیوانگی بھی غافل گدڑی فقیر کی ہے
ہشیار بھی ہیں اکثر مستوں کے پیرہن میں

دیبا حریر قاقم تھا رخت خواب جن کا
زیر لحد پڑے ہیں لپٹے ہوئے کفن میں

داغ جگر کا پھاہا جس دم ہیں چھڑائیں
یہ بھی کنول ہو روشن اس گل کی انجمن میں

سن لے جو بتکدے میں اس گل کی آمد آمد
چھپتا پھرے ہر اک بت دامان برہمن میں

کیا تکمۂ گریباں انگور کا ہے دانہ
رنگ شراب گلگوں ہے اُسکے پیرہن میں

میں نفس کے ہوں در پے یہ نفس میرے در پے
رہزن کو فکر میری میں فکر راہزن میں

کنعاں کے چاہ میں تھا یوسف کو ہول کتنا
جب جانتے کہ گرتے تیرے چہ ذقن میں

یاران رفتہ کا ہے غم اے امیر ناحق
چھوٹے ہوئے سفر کے ملجائیں گے وطن میں

سمجھا یہ میں جو نکلے شاخوں سے گل چمن میں
صوفی نکل کے بیٹھے خلوت سے انجمن میں

ہر باغ باغ بلبل جس طرح تو چمن میں
پھرتے تھے یونہی ہم بھی خوش خوش کبھی وطن میں

اس بت نے منہ چھپایا گیسوئے پرشکن میں
اے دل خدا خدا کر خورشید ہے گہن میں

آزادہ رہ کے ہم نے ایام عمر کاٹے
دو چار دن سفر میں دو چار دن وطن میں

ظاہر پہ جانہ اس کے ہے پیر زال دنیا
غافل ہے یہ زلیخا یوسف کے پیرہن میں

آواز کن جو آئی کانوں میں ہم یہ سمجھے
غربت پکارتی ہے بس رہ چکے وطن میں

حال بدن کہوں کیا دل ہی بجھا ہوا ہے
اک شمع ہے سو وہ بھی خاموش انجمن میں

کیا جانیں جز خموشی تیرے گرفتہ خاطر
کہنے کو سو زبانیں ہیں غنچے کے دہن میں

یاروں سے اُنس کیسا غربت میں عمر گزری
ٹھہرے مسافرانہ دو چار دن وطن میں

راتوں کو مثل شبنم چھپ چھپ کے باغباں سے
ہر پھول سے لپٹ کر روتا ہوں میں چمن میں

غربت میں ہے جو صورت خط میں لکھوں کہاں تک
تصویر اپنی بھیجوں احباب کو وطن میں

فرقت میں عیش کیسا شیشے کی طرح ساقی
رو رو کے دل میں خالی کرتا ہوں انجمن میں

گھل گھل کے بہ گئے ہیں فرقت میں سارے اعضا
مثلِ حباب باقی ہے سانس پیرہن میں

موئے سفید سر پہ تیاری کی عدم ہے
غربت سے خاک اڑاتے جاتے ہیں ہم وطن میں

سنبل نے روزِ فرقت پھانسی گلے میں ڈالی
سولی پہ مجھ کو کھینچا شمشاد نے چمن میں

عشق دہن میں تیرے منہ سے یہ خون ڈالا
اب تک لہو بھرا ہے ہر غنچے کے دہن میں

چھیڑے صبا نہ اتنا کہہ دو میں بوئے گل ہوں
جا کر چمن سے مجھ کو آنا نہیں چمن میں

کس وقت ہوں پشیماں کب چھوٹ جاتا ہوں
جیب و دامن تک نہیں ہے باقی مرے کفن میں

وحشت امیر اپنی کچھ آج سے نہیں ہے
مانندِ گل ازل سے ہے چاک پیرہن میں

ہم جو مست شراب ہوتے ہیں
ذرے سے آفتاب ہوتے ہیں

ہے خرابات صحبت واعظ
لوگ ناحق خراب ہوتے ہیں

کیا کہیں کیسے روز و شب ہم سے
عمل ناصواب ہوتے ہیں

بادشہ ہیں گدا گدا سلطان
کچھ نئے انقلاب ہوتے ہیں

ہم جو کرتے ہیں میکدے میں دعا
اہلِ مسجد کو خواب ہوتے ہیں

وہی رہ جاتے ہیں زبانوں پر
شعر جو انتخاب ہوتے ہیں

کہتے ہیں مست رند سودائی
خوب ہم کو خطاب ہوتے ہیں

آنسوؤں سے امیر ہیں رسوا
ایسے لڑکے عذاب ہوتے ہیں

کچھ خار ہی نہیں مرے دامن کے یار ہیں
گردن میں طوق بھی تو لڑکپن کے یار ہیں

سینہ ہو کشتگانِ محبت کا یا گلا
دونوں یہ تیرے خنجرِ آہن کے یار ہیں

خاطر ہماری کرتا ہے دیر و حرم میں کون
ہم تو نہ شیخ کے نہ برہمن کے یار ہیں

کیا پوچھتا ہے مجھ سے نشاں سیل برق کا
دونوں قدم سے مرے خرمن کے پار ہیں

کیا غم ہیں کہ کہتے ہیں خوبان لکھنؤ
لندن کو جائیں وہ جو فرنگن کے یار ہیں

وہ دشمنی کریں تو کریں اختیار ہے
ہم تو عدو کے دوست ہیں دشمن کے یار ہیں

کچھ اس چمن میں سبزۂ بیگانہ ہم نہیں
نرگس کے دوست لالہ و ریحاں کے یار ہیں

کانٹے ہیں جتنے وادی غربت کے اے جنوں
سب آستیں کے جیب کے دامن کے یار ہیں

تم گشتگی میں راہ بتاتا ہے ہم کو کون
ہے خضر جس کا نام وہ رہزن کے یار ہیں

چلتے ہیں شوق برق تجلی میں کیا ہو خوف
جتنے تمام وادی ایمن کے یار ہیں

پیری مجھے چھڑا گئی ہے احباب سے امیر
دنداں نہیں یہ میرے لڑکپن کے یار ہیں

بے نشانی لو کہ زاہد خلد کے گلشن میں نہیں
داغ ہے ایک بھی زاہد ترے دامن میں نہیں

زار اے مرگ ہوں ہیا کیا بھی مرے تن میں نہیں
کس سے الجھیں گے فرشتے کوئی مدفن میں نہیں

سرو بے سایہ ہوں جیسا کوئی گلشن میں نہیں
طوق قمری کی طرح میری بھی گردن میں نہیں

کہہ دو آئیں نہ فرشتے مجھے خجلت ہوگی
ہے جگہ تنگ سمائی مرے مدفن میں نہیں

کیوں نہ خوش ہوں کہ سوا کہیں یہ مرے کینے سے
کہ مرے دوست کی جا اب دل دشمن میں نہیں

مرگ کے بعد بھی ہوگی تیرگی بخت ایسی
کہ کفن کی بھی سفیدی مرے مدفن میں نہیں

کیا مری طرح سے ہوگا ترا عاشق اے بت
پتلی پتھرائی ہوئی چشم برہمن میں نہیں

آب خنجر وہ صفت خاک لہو اچھلے گا
رگ جنبندہ کوئی قاتل مری گردن میں نہیں

تم دوری کی نکالے دل عشاق سے پھانس
نوک ایسی مژۂ یار کی سوزن میں نہیں

میں وہ رہرو ہوں کہ ہو دست تہی تا ہو جفر
کچھ ندامت کے سوا قسمت رہزن میں نہیں

ہیں زبانیں جو لذت سے بری عالی قدر
گزر برق کبھی ماہ کے خرمن میں نہیں

حور و غلماں میں جو ہے حسن بشر میں بھی وہ ہے
کم یہ تصویر کی رنگت میں روغن میں نہیں

دوڑتے ہیں دل عاشق کو سمجھ کر گنجشک — ابھی کمسن ہیں انھیں ہوش لڑکپن میں نہیں
بخت سے ہم کو وہ معشوق ملا سادہ مزاج — چین چولی پہ نہ شکن تک کہیں دامن میں نہیں
دونوں خواہاں تھے پڑے بیچ میں بھی پردۂ تیغ — ناگ اور اس کے سوا کچھ سر و گردن میں نہیں
دولت حسن کو کیا دولت دنیا سمجھے — جو چمک رنگ طلائی میں ہے کندن میں نہیں

بھول جاوے لاغر جو ملک آئے پئے مرگ امیر
پھر گئے دل میں یہ سمجھے کوئی مدفن میں نہیں

چھٹ کے بھی قید سے ہوں قوت تو مرغ تن میں نہیں — کہ نشان طوق کا ہے طوق جو گردن میں نہیں
خوف آفات جہاں کا دل روشن میں نہیں — دخل سیلاب کبھی ماہ کے خرمن میں نہیں
چشم نمناک نے اشکوں کا مینہ برسایا — کہ کہیں گرد کدورت دل دشمن میں نہیں
یہ وہ دنیا ہے کہ عشرت کو بھی چھپایا ہے — چشم خونبار نہاں گوشۂ دامن میں نہیں
دل جو مصحف کی طرح آئینہ صفائی ہے تو دوست — شاہد پردہ نشیں کون سی چلمن میں نہیں
لیے چہرے کی بلائیں سب نے اس کی کوئی دیتا — کیا کرے بخت مرا قابو دشمن میں نہیں
باغباں پاس تو کیا آکے خزاں نے لوٹا — کوئی گل تیغ کبھی دروازۂ گلشن میں نہیں
فاتحہ پڑھنے مری قبر پہ آئے کوئی کیا — طائروں کا بھی گذر گنبد مدفن میں نہیں
گرم جوشو ترے تیغ خوار ہے میں اے ساقی — رات کو ہر یک شب مہتاب ہے دن میں نہیں
بزم میخانہ ہے کیا انجمن ناز و نیاز — ہاتھ کس مست کے یاں شیشے کی گردن میں نہیں
دل کھنچے جاتے ہیں سب کے ترے بازو کی طرف — نقش حب کا کوئی تعویذ تو جوشن میں نہیں
کوچۂ عشق میں جا دیکھ فروغ رخ حسن — طور کس جا ہے اگر وادی ایمن میں نہیں
خستہ تن کیا ہے کہ طوق ایک ہے آہن کا زرہ — تیری گردن میں نہیں یا مری گردن میں نہیں
غور سے دیکھ لیا عاشق و معشوق ہیں ایک — خال عارض ہے سویدا دل روشن میں نہیں
کیا زمانہ ہے نہیں صاف کسی سے کوئی — دوست کے دل میں ہے وہ جو دل دشمن میں نہیں

اب یہ سنجیدگی طبع سے خالی ہے جہاں · مصرع سرو بھی موزوں کسی گلشن میں نہیں

میکشو شیشے کی ہے حفاظت لازم · دیکھو تیور تو کوئی ابر کے دامن میں نہیں

واہ کیا تازہ مضامین ترے رنگیں ہیں امیر
رنگ ایسا کبھی فردوس کے گلشن میں نہیں

غم دنیا کا گذارا مرے مسکن میں نہیں · اشک ماتم کی جگہ دیدۂ روزن میں نہیں

کونسا دل ہے جو زلف بت پرفن میں نہیں · زمزمہ ایسا کسی اڑتی ہوئی ناگن میں نہیں

اے جنوں شب سودا ہوئی قید لباس · شکر ہے طوق گریباں مری گردن میں نہیں

کسکی آمد ہوئی گھبرا کے جو کہتا ہے یہ رنگ · رخصت اے گل کہ گذارا مرا گلشن میں نہیں

اے جنوں دست درازی کا ترے قائل ہوں · چاک ہے کون گریباں کا کہ دامن میں نہیں

چاہئے کیا مجھے محشر میں کوئی اور گواہ · کیا مرے خون کا دھبا ترے دامن میں نہیں

کہتے ہیں وہ خط رخ جلد بنا اے حجام · کام اس سبز قدم کا مرے گلشن میں نہیں

ڈھونڈھ لو گرمی دل جا کے گراں جانوں میں · یہ شرر سنگ میں ہوگا اگر آہن میں نہیں

ہمہ تن ہو کے زباں کہتی ہے مقتل میں وہ تیغ · کون سر ہے جو مرے سایۂ دامن میں نہیں

آتش رشک سے جو اٹھتا ہے دھواں کافی ہے · کسکو پروائے ہوا ہے جو گلشن میں نہیں

جانتا ہے مری خاطر کی کدورت وہ بھی · ذرہ خورشید سے پنہاں کسی روزن میں نہیں

کبھی زنداں کی طرف بھی وہ پری آ نکلے · آشنا حسن زنجیر کے شیون میں نہیں

تیغ قاتل کا لب خشک ہو تر ذبح کے وقت · خون اتنا بھی ہماری رگ گردن میں نہیں

دور کر پیچ طبیعت سے کہ ہو سب کو عزیز · عقدۂ تار کی جا دیدۂ سوزن میں نہیں

تیرے بیتاب کو کیا سیر ہو گلشن کی پسند · آشیاں طائر سیماب کا گلشن میں نہیں

کشتۂ تیغ تحیر ہوں میں اس محفل میں · جان تصویر کے مانند مرے تن میں نہیں

کیوں لگاتے ہیں سر گور غریباں ٹھوکیں · دفن لاشے ہیں دفینہ کسی مدفن میں نہیں

بزم میں جنکے رہا کرتی تھیں شمعیں روشن
سوجھتا کچھ انھیں تاریکی مدفن میں نہیں

تھی کبھی سایۂ دیوار سے ان ظل ہما
آشیاں چند کا اب کونسے روزن میں نہیں

قتل کرتی ہو دوبارہ ہمیں شرم آن کی امیر
خم شمشیر ہے خم یار کی گردن میں نہیں

عالم پیری میں وہ یوسف لقا ملتا نہیں
صبح ہے خورشید روشن کا پتہ ملتا نہیں

وصل جب ہوتا نہیں ہے یار خود ملتا نہیں
[illegible] آنے کو کیا ملتا نہیں

حسن بے پردہ ہے عاشق کو پتا ملتا نہیں
[illegible] آیا [illegible] ملتا نہیں

اے امیر اوں تو وہ [illegible] ملتا نہیں
[illegible] نہیں اسکا پتا ملتا نہیں

دل لگاتے ہیں تو دنیا کے مزے ہوں سب کے
اب تو تم سے کوئی بہر خدا ملتا نہیں

ذبح کرتا ہے تو میرے دست و بازو کھول دے
رحم کہتا قاتل کہ بے تڑپے مزا ملتا نہیں

حسرتیں گھیرے ہیں پاس [illegible] بسمل [illegible]
ذبح [illegible] رستہ ملتا نہیں

اک جہاں ہے [illegible] سارے زمانے کا حجاب
کون ہے جس سے وہ عالم آشنا ملتا نہیں

شکوہ کریں کیونکر [illegible] منزل کا ہے قصد
راہرو بھٹکے نہ جب تک راستہ ملتا نہیں

ہوشیاری شرط ہے غافل جہاں جھپکی پلک
خواب میں بھی ساتھ والوں کا پتا ملتا نہیں

دیر میں بھی ہے اسی کا فیض اے اہل کرم
برہمن کو بت بھی بے اذن خدا ملتا نہیں

منکر یکتائی معشوق و عاشق ہیں جو لوگ
دیکھ لیں کیا رنگ کا وہ [illegible] ملتا نہیں

اتنی تیزی کر نہ قاتل ذبح کرنے میں مرے
دم تو لینے دے تڑپنے کا مزا ملتا نہیں

تازہ وارد ہوں عدم میں حال دل کس سے کہوں
ملک بیگانہ ہے کوئی آشنا ملتا نہیں

ہجر کے حرفوں میں بھی ایسا اثر ہے ہجر کا
لب سے لب وقت تلفظ اک ذرا ملتا نہیں

رزق کی وسعت جو ہو منظور اے دل کر دعا
بھیک کا ٹکڑا گدا کو بے صدا ملتا نہیں

راہرو کا ذکر کیا ہے سرزمین عشق میں
سیکڑوں منزل نشان نقش پا ملتا نہیں

کباب سیخ ہیں ہم کروٹیں ہر سو بدلتے ہیں
جو جل اٹھتا ہے یہ پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

سیہ پوشاک بن کر خانۂ کعبہ میں جا پہنچے
بلا کا بھیس او کافر ترے گیسو بدلتے ہیں

بہار آئی ہے صبح عید کا عالم ہے گلشن میں
نئی پوشاک شمشاد اب کنار جو بدلتے ہیں

نزاع کفر و دیں ہے دور تک دور زلف و عارض میں
مسلمانوں سے ٹوپی آج کل ہندو بدلتے ہیں

تری تیغ نگہ ہے یا سپاہ نشتر مژگاں میں پھرتی ہے
پھرے ہیں جیسے بانکے نیمچے ہر سو بدلتے ہیں

بہا میں کچھ تو پایا ہے انہیں اے چشم تر بہتر
جدا اپنے دتیوں سے جوہری آنسو بدلتے ہیں

مے گلگوں سے ہے آب صفت تیرا اتھہیں زاہد
جو چھینٹے نور کے ہیں کیتۂ رنگ لو بدلتے ہیں

تری محفل میں یہ دیوار کی کھنچی ہیں تصویریں
ادب سے بیٹھنے والے کہیں زانو بدلتے ہیں

امیر اس باغ میں رہ کر کریں کیا دم الجھتا ہے
نہ نخوت چھوڑتے ہیں گل نہ کانٹے خو بدلتے ہیں

گو کہ دیکھے خواب اچھے سب نے تعبیریں کہیں
وصل کی نکلی ہیں ان باتوں سے تدبیریں کہیں

پہنچے ہم جس شہر میں پوچھا یہ اہل شہر سے
خوبرویوں کی یہاں بکتی ہیں تصویریں کہیں

نیچی نظروں سے مجھے آخر لگے وہ دیکھنے
اوپر اوپر جاتی ہیں آہوں کی تاثیریں کہیں

قیدیوں کا اپنے اس ظالم کو ہے ایسا خیال
چونک اٹھتا ہے جو غل کرتی ہیں زنجیریں کہیں

ابروؤں سے ہر کس و ناکس کو تم کرتے ہو قتل
خوف ہے منھ کی نہ کھا جائیں یہ شمشیریں کہیں

وہ بت آئیگا تو بت بن جائیں گے واعظ ابھی
حاکموں کے سامنے چلتی ہیں تقریریں کہیں

لاغری سے اپنی زنداں میں یہ مجھکو خوف ہے
پاؤں سے میرے اتر جائیں نہ زنجیریں کہیں

اسکے کوچے میں ٹھہرنے کو جگہ چاہے اگر
بوسے درباں جاؤ گیا بٹتی ہیں جاگیریں کہیں

لاکھ محنت کی نہ نکلی وصل کی صورت امیر
سامنے تقدیر کے چلتی ہیں تدبیریں کہیں

تمام تن میں ہیں چھالے اگر چہ زار ہوں میں
کرو جو خوب نظر آنسوؤں کا تار ہوں میں

مرآۃ الغیب

بجا ہے سر سے قدم تک جو داغدار ہوں میں — کہ ہجر میں ہمہ تن چشم انتظار ہوں میں

کرم کرے جو وہ شمشیر کیسی تنہائی — جدا ہوں عضو بدن ایک سے ہزار ہوں میں

الہی آئے کوئی حور باغ جنت سے — اجڑ رہا ہوں کہ تنہا نہ مزار ہوں میں

جو اپنے ہاتھ سے دیتے ہو دو مجھے تعزیر — گناہگار نہیں تو گناہگار ہوں میں

ہزار مردوں میں زندہ رہا جو ایک تو کیا — زمانہ مست ہے کیا خاک ہوشیار ہوں میں

بغیر جرم ہوں پامال شرم مجھ سی — کوئی گناہ کسی سے ہو شرمسار ہوں میں

شریک درد نباتات ہوں بشر کیسے — پڑیں درخت پہ پتھر تو سنگسار ہوں میں

کہو فلک سے ملائے نہ خاک میں مجھ کو — کہ انتخاب ہوں میں فخر روزگار ہوں میں

صفا بھی ہے جہاں میں مری کدورت سے — کرے جو آئینوں کو صاف وہ غبار ہوں میں

فسردگی ہے مری باعث خزان چمن — شگفتگی میں تماشائے نوبہار ہوں میں

اٹھا کے پردۂ امکان قدر کو کیا دیکھوں — کہ اپنی شکل سے آئینے میں دوچار ہوں میں

وہ تیغ مہر ہے جس تیغ کا میں ہوں کشتہ — نگاہ لطف ہے جس تیر کا شکار ہوں میں

بہائے اپنے ہی خرمن کو جو وہ ہوں سیلاب — جلائے اپنے ہی دامن کو وہ شرار ہوں میں

سکون دل ہو جو حاصل تو سامنے ساحل — دکھاؤں جوش تو دریائے بیکنار ہوں میں

امیر فوج ظفر موج جرأت و ہمت — وزیر اعظم سلطان تاجدار ہوں میں

حریم لطف و عطا میں شمیم خلق نبی — دم دغا کف حیدر میں ذوالفقار ہوں میں

خمیر خاک سے مردم میں نور کا پتلا — شریک عام نہیں خاص کردگار ہوں میں

اسیر دل میں جو کچھ آگیا کیا موزوں
زبان بند نہیں صاحب اختیار ہوں میں

کرم کہ تیرے کرم کا امیدوار ہوں میں — گناہگار ہوں یارب گناہگار ہوں میں

ہمیشہ گوشہ نشیں ہوں وہ خاکسار ہوں میں — ہوا اڑا نہ سکے جسکو وہ غبار ہوں میں

نگاہ ذائقہ میں آنسوؤں کا تار ہوں میں
گلوئے باصرہ میں موتیوں کا ہار ہوں میں

کسی کی تیغ کھنچے قتل کو تیار ہوں میں
کسی پہ تیر چلے صید پر شکار ہوں میں

لگائے منھ مجھے وہ نخل دست کب دیکھوں
برنگ نے ہمہ تن چشم انتظار ہوں میں

کہو گے جو مجھے تیر نگہ دبی کہونگا نہیں
اگرچہ لنگر تمکین سے کوہسار ہوں میں

ہوائیں باندھتے ہو کیا یہ جھوٹ کہہ کہہ کر
اڑا رہے ہو کسے کیا کوئی غبار ہوں میں

گماں نہ ہو کفن ہو اگر نسیم آئے
قفس میں قید کہ مردہ تہ مزار ہوں میں

مرے گناہوں سے ہے آپ کی مغفرت کی نمود
گناہ اگر نہ کروں تو گناہ گار ہوں میں

تجھ کو کیوں نہ ہو اپنا اعتبار پہ ناز
رہونگا گرد حسینوں کے وہ غبار ہوں میں

ہوا جو قصر قید دل تیا کل آگ مر اپنا
صدا یہ آئی کہ اجڑا ہوا مزار ہوں میں

رقیب پھولوں کی بدھی اسے پنہاتا ہو
ملے مجھے تو اجل کے گلے کا ہار ہوں میں

امیر جاتی ہوائی یہ مجھ سے کہتی ہے
خزاں نہ سمجھو مجھے آخری بہار ہوں میں

ٹھوکریں کھاتا ہے سر ہر گام پر رفتار میں
چال میری کوئی دیکھے کوچۂ دلدار میں

لے گیا لخت جگر اپنے جو میں گلزار میں
برگ گل بلبل تجھے کرے گی گرفتار میں

دیکھ سکتا ہوں کوئی باہر سے میں اندر کا حال
در میں رخنہ ہے نہ روزن یار کی دیوار میں

بزم کثرت نور وحدت سے کبھی خالی نہیں
چشم بینا ہو تو یوسف سیکڑوں بازار میں

حال آئینہ ہے میری جبہہ سائی کا امیر
منھ نظر آنے لگا سنگ در دلدار میں

ردیف واؤ

صورت غنچہ کہاں تاب تکلم مجھ کو
منھ کے سو ٹکڑے ہوں آئے جو تبسم مجھ کو

اور تھا کون شبِ ہجر مصیبت کا شریک ۔۔۔ دیکھ لیتا تھا میں انجم کو تو انجم مجھ کو

مر کے راحت تو ملی پر ہے کھٹکا باقی ۔۔۔ آ کے عیسیٰ سرِ بالیں نہ کہیں قم مجھ کو

وقتِ فرصت تھا میں [illegible] کدۂ ہستی میں ۔۔۔ کفِ افسوس ملا جس نے کیا گم مجھ کو

ایک کو ایک سے بڑھ کر ترے جلوہ کا ہے شوق ۔۔۔ آنکھ کہتی ہے نگہ پہ ہو تقدم مجھ کو

اتنے سال خاک میں ملنا بھی مجھے طاعت ہے ۔۔۔ لاکھ سجدے کے برابر ہے تیمم مجھ کو

آبرو ہے یہ مری پیرِ مغاں کے آگے ۔۔۔ منہ سے ساغر جو لگائے تو دے خم مجھ کو

وحشتِ دل سے نہ [illegible] شیشۂ نگاہ ۔۔۔ سات پردوں میں کریں قید جو مردم مجھ کو

روز دکھلاتی ہے دنیا کا سپید اور سیاہ ۔۔۔ اس کی شام اور سحر صبحِ تبسم مجھ کو

ہوں وہ مضموں کہ زمانے کو اگر ہاتھ آؤں ۔۔۔ صورتِ گوہرِ نایاب کرے گم مجھ کو

اثرِ طالعِ واژونہ سے عجب کیا ہے اگر ۔۔۔ تیغ بن جائے مرا دستِ ترحم مجھ کو

ہوں میں مشتاقِ شہادت کہ یہی حسرت تھی ۔۔۔ خاطرِ غیر ہی سے قتل کرو تم مجھ کو

حشر میں وجد کناں قبر سے یا رب نکلوں ۔۔۔ نغمۂ صور ہو آوازِ ترنم مجھ کو

مجلسِ وعظ میں ہوں مست اگر جا بیٹھوں ۔۔۔ منچلے کھینچ کے لے جائیں سرِ خم مجھ کو

شمع کی طرح میں وہ سوختہ قسمت ہوں امیر
گل سے لے کے جلا دیتے ہیں مردم مجھ کو

لے گئی کل ہوسِ مے جو سرِ خم مجھ کو ۔۔۔ ہوش کی طرح سے مستی نے کیا گم مجھ کو

کعبۂ رخ کی طرف پڑھتی ہے آنکھیں نماز ۔۔۔ چاہیے گردِ نظر بہرِ تیمم مجھ کو

واہ اے بیخودیِ شوق کیا خوب سلوک ۔۔۔ اُس کو جب ڈھونڈھ نکالا تو کیا گم مجھ کو

ہوں میں وہ قطرہ جو [illegible] کی نقل سے ڈوبوں ۔۔۔ کھینچ لے شوق سے آغوش میں قلزم مجھ کو

نہیں معلوم وہ مہمان ہوئے ہیں کس کے ۔۔۔ آج گھر گھر لیے پھرتا ہے توہم مجھ کو

غنچہ ساں نزہتِ خاطر سے عدم کو پہنچا ۔۔۔ بال و پر ہو گئے لب وقتِ تبسم مجھ کو

خلوت وصل میں کچھ کام نہیں ساقی کا — جام مے بھر کے پلاؤں میں تمہیں تم مجھ کو
بے ثباتی میں نہیں کون سی جا میری نمود — ذرے چنتے ہیں تجھے گنتے ہیں انجم مجھ کو
خم مے تھا کبھی اک قطرے سے کم اے ساقی — اب بھی میں ہوں کہ ہے قطرۂ مے خم مجھ کو
میں تو کیا عکس سے وہ آئینہ رو کہتا ہے — پیار کی آنکھ سے دیکھا نہ کرو تم مجھکو
دھوکا کھائے ہوئے آدم کو زمانہ گذرا — ہنستے ہیں دیکھ کے اب تک لب گندم مجھکو
مردمک ہوں کہ سویدا ہوں الٰہی کیا ہوں — دیدہ و دل میں جگہ دیتے ہیں دم دم مجھ کو
میں ترا عکس تھا اس آئینۂ ہستی میں — تو نے کیا پھیر لیا سمجھ کے کیا گم مجھکو

دیکھتا ہوں کبھی آئینہ تو روتا ہوں امیر
اپنی صورت پہ خود آتا ہے ترحم مجھ کو

قطرۂ مے نے کیا ہوش صفت گم مجھ کو — ہر حباب مے پُر زور ہوا خم مجھ کو
ہوں میں نقش قدم اس رہگذر ہستی میں — ایک ظاہر جو کرے چار کریں گم مجھ کو
میں جو مر جاؤں تو اے پیر مغاں کہہ دینا — کھینچ کھینچ کے ڈال آئیں پس خم مجھ کو
ہو مری قتل کی یارب یہ خوشی قاتل کو — بڑھ کے دے چار قدم تیغ تبسم مجھ کو
زندہ اعجاز مسیحا سے تو ہو سکتا ہوں — ضعف سے اٹھ نہ سکوں گا نہ کہیں قم مجھ کو
دی صدا دل کو جو اس بزم میں تنہا چھوڑا — ساتھ لائے تھے اسی دن کے لیے تم مجھ کو
ہو سر عجز سے تا قتل مگر سجدہ قبول — چاہیے گرد یتیمی سے تیمم مجھ کو
لالہ و گل ہوں کہ ہوں دخترِ رز یارب کیا ہوں — ڈوبتا ہوں تو ڈبوتا نہیں قلزم مجھ کو
بجلی ہو تو سنبھالے ہوئے چل سوئے یار — بیخودی راہ میں کرنا نہ کہیں گم مجھ کو
ہوں وہ میکش جو کروں رخ در توبہ کی طرف — پھرے جاتے ہو پکارے ہے در خم مجھ کو
نگہ مہر کہاں یار جفا پیشہ کہاں — ملک الموت سے ہے چشم ترحم مجھ کو
سوز دل وجد کا باعث ہے یہاں مثل سپند — میری فریاد ہے آواز ترنم مجھ کو

نظر بد نہ لگے یار کی سفاکی کو — قتل ہونے نہیں دیتا یہ تو ہم مجھ کو
بحث کو آئے جو واعظ مجھے آجائے یہ جوش — لب ہلیں سا غرمے کے دہن خم مجھ کو

جانتے ہیں جو حقیقت سے ہیں آگاہ امیر
کن کے کلمے کے یہ معنی ہیں تقدم مجھ کو

اشک ساں جنبش مژگاں نے کیا گم مجھکو — لغزش پا ہوئی دریا کا تلاطم مجھ کو
تجھ کو قاتل ہی کے لعل لب خنداں کی قسم — نیم جاں چھوڑ نہ اے تیغ تبسم مجھ کو
برسوں جھیلی ہے مصیبت شب تنہائی کی — مدتیں گذری ہیں گنتے ہوئے انجم مجھ کو
دیکھ لوں انکو ذرا نزع میں آ لینے دے — رحم اے بیخبری کر نہ ابھی گم مجھکو
خط نکلنے سے ترے سوگ نشیں ہیں آنکھیں — کھل گئی وجہ سیہ پوشی مردم مجھکو
شوق طوف حرم عشق میں باندھی ہے کمر — گرد غربت سے مناسب ہے تیمم مجھکو
شب کو نکلوں جو میں لاغر تو ہیں مثل کمند — کھینچ لے جائے شعاع مہ و انجم مجھکو
برسوں میں وہ رند کہ مسجد میں لگاؤں نعرہ — ہاتھ آجائے اگر خشت سر خم مجھکو
شمع ساں محفل عالم میں وہ ہوں سوختہ بخت — دل بھر آتا ہے جو آتا ہے تبسم مجھ کو
صاف کہدو نہیں دیدار دکھانا ہے اگر — کعبہ و دیر میں دوڑاتے ہو کیوں تم مجھ کو
اس نے جنت سے جہنم میں مجھے پھینکدیا — زہر کی گانٹھ ہوا دانۂ گندم مجھ کو
اس قدر طول خموشی کو ہوا عزلت میں — بزم میں بھول گئی طرز تکلم مجھ کو

وائے قسمت کہ یہاں قتل کی حسرت ہے امیر
اور وہ سمجھے ہیں سزاوار ترحم مجھ کو

پہلے تم اپنی چتون اپنی نظر کو دیکھو — پھر جسنے دل دیا ہو اُسکے جگر کو دیکھو
کیا حال پوچھتے ہو گم گشتگی کا مجھ سے — اپنے دہن کو دیکھو اپنی کمر کو دیکھو
اُس رخ کی گرمیوں سے ہے برق طور ٹھنڈی — پڑھتے ہیں کسکے منھ پر شمس و قمر کو دیکھو

مرآۃ الغیب

پتھرا گئی ہیں آنکھیں جب جا لڑا کہ کی
جا کر وہاں لڑی ہے میری نظر کو دیکھو

ملتا نہیں ہے نالے مدت سے ڈھونڈتے ہیں
بیٹھا ہے منہ چھپا کر کیا اثر کو دیکھو

لیٹا ہے قبر میں میں منہ سے کفن ہٹا کر
بولی یہ مجھ سے غربت لو اپنے گھر کو دیکھو

غیروں کے منہ تو سے ہیں ہیں خشک آل غنچہ ہو لب
رخ پھیرو اسطرف سے صاحب ادھر کو دیکھو

حالت مریض غم کی کچھ تم بھی جانتے ہو
ایک ایک غش کو دیکھو دو دو پہر کو دیکھو

کس مرتبہ پہ پہنچا آخر یہ رفتہ رفتہ
اس آستاں کو دیکھو اور میرے گھر کو دیکھو

آخر یہ وصل کی شب افسردہ کیوں ہیں لب ہم
رنگت اڑی ہوئی ہے شمع سحر کو دیکھو

رکھتے ہیں خط کریں پہ لگ گئے ہیں گویا
جاتا ہے کس خوشی سے واں نامہ بر کو دیکھو

کیا وصل ہو وہ کافر تم اے اسیر مومن
کتنے جدا جدا ہیں شام و سحر کو دیکھو

گلے کٹیں گے نہ یوں پیترے بدل کے چلو
چلیگی تیغ سر راہ ذرا سنبھل کے چلو

جنوں بہار میں دیتا ہے ہم کو یہ ترغیب
چمن کو خانۂ زنجیر سے نکل کے چلو

برنگ صفحۂ نقاش ہو زمیں رنگیں
حنا جو پانوں میں میرے لہو کی مل کے چلو

خرام یار کا طاؤس و کبک سے ہے یہ قول
نہ آئے گرمی رفتار لاکھ جل کے چلو

سر مزار غریباں ہیں جا بجا پتھر
لگے نہ پانوں کو ٹھوکر ذرا سنبھل کے چلو

کفن پہن کے چلیں گور کی طرف عاشق
جو عید گاہ کو تم پیرہن بدل کے چلو

بدل نہ جائیں کہیں میرے راہ میں تیور
چلو جو ساتھ نہ تیوری بدل بدل کے چلو

سنا ہے محتسب آتا ہے دو گھڑی کے لئے
قدح کشو کہیں ارے کدے سے نکل کے چلو

ملے ہے ہم کو جو میلے میں تم تو خجلت کیا
ذرا تو ٹھہرو کہیں شہر سے نکل کے چلو

بہار آئی ہوائیں ہیں پھول خوشبو پر
خجل ہوں عطر جو تم پیرہن میں مل کے چلو

رجوع کفر میں اسلام ہم سے کہتا ہے
کہ سوئے بتکدہ کعبے میں پہلے چل کے چلو

اگر تمہیں نہیں فرصت تو کہہ دو نغموں سے — کہ خلق جمع ہے تم میاں سے اگل کے چلو

نصیب وحشت ہیں لائے ہیں دشت تم کو — اچھالتے ہوئے سونا اچھل اچھل کے چلو

مری غزل کوئی رنگیں سی چھانٹ کر پڑھ دو — مشاعرے میں جو آئے ہو تم تو کھل کے چلو

قضا کا گرم ہے ہنگامہ کوئے قاتل میں

ابھی خیر ہے منھ میں نہ تم اجل کے چلو

آہ میں کھینچوں تو کھینچیں آپ بھی شمشیر کو — یا بچھن کی نوک رکھیے کاٹیے اس تیر کو

اے خوشا وحدت خوشا کثرت خوشا نیرنگ عشق — دیکھتا ہوں ہر مرقع میں تری تصویر کو

اپنے بسمل کا ذرا شوق شہادت دیکھیے — دے رہا ہے کیا گلے مل مل کے دم شمشیر کو

جانتے ہو لوٹتا ہے خاک پر نخچیر کیوں — ڈھونڈتا پھرتا ہے مقتل میں تمہارے تیر کو

ڈالدے عشاق کی آنکھوں پہ حیرت کی نقاب — واہ کس پردے میں رکھا حسن کی تصویر کو

گردن و پہلو سے نخچیروں کے آتی ہے صدا — آفریں اس تیغ کو صد آفریں اس تیر کو

کھینچ بیٹھا جو نقاش ازل حیرت کی شکل — رکھ لیا پیش نظر پہلے مری تصویر کو

سینۂ عاشق پر چڑھ دے یارب جوہر کھلیں — چوکھٹا درکار ہے آئینۂ شمشیر کو

دست و بازو کو ترے تکلیف کیوں دیجے — آپ رکھ لوں چیر کر پہلو میں تیرے تیر کو

صاف کھینچا چاہتا ہے شکل حیرانی اگر — آئینے پر کھینچ اے مانی مری تصویر کو

پیاس لاکھوں کی بجھائی واہ ری دریا دلی — پانی پی پی کر دعائیں دوں تری شمشیر کو

پوچھتے کیا ہو تجھے بے بال و پر کس نے کیا — یہ پری پرواز پر کس نے دیئے ہیں تیر کو

خود میں کھنچ جاتا ہوں زور ناتوانی دیکھنا — کھینچتا ہے جب کبھی مانی مری تصویر کو

زلف میں حلقے بنائے ہیں شرارت دیکھنا — طوق پہنائے ہیں کیا اس شوخ نے زنجیر کو

چلتے چلتے تھک گئی ہے منھ نہ موڑے خوف سے — بسم اللہ دم لینے تو دو شمشیر کو

لب پر آئی آہ ادھر سے جب اٹھی اسکی نظر — دیکھنا کیا تیر پر روکا ہے ہم نے تیر کو

تا بہ پیشانی ہوں وہ دعوئے خونفشانی کا رہے — لب دیئے سوفار کو بخشی زباں شمشیر کو

لوٹتا ہے خاک پر اے ترک مدت سے امیر
ذبح بھی کر ڈال تڑپاتا ہے کیا نخچیر کو

او کماں ابرو سمجھ کر صید کر نخچیر کو — سخت جاں ہوں یہ کہیں صدمہ نہ پہنچے تیر کو
ہو چکا میں قتل تو اُس سے قضا نے یہ کہا — لو مبارک آج سے فرصت ملی شمشیر کو
جب نظر اس ترک کی مجھ پر پڑی تیوری چڑھی — بل پڑے شمشیر میں سیدھا کیا جب تیر کو
فصل گل میں گل کھلے تازہ ہوا نخل کہن — گر چکا تھا ان جوانوں نے سنبھالا پیر کو
رنگ وحدت دل میں کثرت سے سما جائے اگر — ایک برگ گل پہ کھینچوں باغ کی تصویر کو
چیر کر پہلو کو دل نکلا ہے مشتاق نگاہ — کیا تماشا ہو ہدف لینے چلا ہے تیر کو
ہجر دنداں کا ہوں مجرم ہو سزا بھی حسب حال — موتیوں کا چاہیے دُرّہ مری تعزیر کو
ناز کیونکر ہو گنہ کا ہوں پر نہ مجھکو اے کریم — پیار کرتی ہے تری رحمت مری تقصیر کو
پیچ کی باتیں رہیں شانے بچا اے زلف یار — خوف سلجھاتا ہے دل اُلجھی ہوئی تقریر کو
حاشیہ رخسار جاناں پر لکھا کیا خوب خط — چوم لوں پاؤں جو دست کاتب تقدیر کو
کسکو کرتے ہیں نشانہ کسکو کرتے ہیں شکار — ترک لڑوائیں گے کیا نخچیر سے نخچیر کو
جب کماں سے چھوٹتا ہے دل میں کرتا ہے مقام — خوب سیدھی راہ دکھلائی ہے تم نے تیر کو
دل کی ہوتی ہے درستی جتنی ہوتی ہے شکست — کرتی ہے آباد بربادی اسی تعمیر کو
پوچھتی ہے شمع پروانوں سے تیری داستاں — گل سنا کرتے ہیں بلبل سے تری تقریر کو
قالب خاکی سے ہر دم ہے یہ تہدید اجل — خاک میں اک دن ملا دینگے ہم اس تعمیر کو
پانوں اپنا درمیاں تھا کھل گئے عقدے تمام — سخت مشکل تھی یہ کڑیاں جھیلنی شمشیر کو

دل میں گھر اسکا ہے گردن تک گذر اسکا امیر
تیغ قاتل سے جگہ اچھی ملی ہے تیر کو

گھر گھر تجلیاں ہیں طلب گار بھی تو ہو
موسیٰ سا کوئی طالب دیدار بھی تو ہو

اے تیغ یار کیا کوئی قائل ہو برق کا
تیری سی اس میں تیزیِ رفتار بھی تو ہو

دل دردناک چاہیے لاکھوں ہیں خوبرو
عیسیٰ ہیں سیکڑوں کوئی بیمار بھی تو ہو

چھاتی سے میں لگائے رہوں کیوں نہ داغ کو
اے دل کوئی انیس شب تار بھی تو ہو

گر ہم نہیں تو رونق بازار عشق کیا
اے حسن خود فروش خریدار بھی تو ہو

پردے میں چاہتا ہے کہ ہنگامہ ہو بپا
اے آفتاب حشر نمودار بھی تو ہو

اتنی اداس صحبت مے وائے میکشو
دست سبو میں شیخ کی دستار بھی تو ہو

زاہد امید رحمت حق اور ہجو مے
پہلے شراب پی کے گنہگار بھی تو ہو

ساقی ابھی سے چھاؤں میں کیا بہر میکشی
آئے بہار رونق گلزار بھی تو ہو

بجا تری نگاہ کو تیزی پہ ہے گھمنڈ
برچھی کی نوک دل سے مرے پار بھی تو ہو

سایوں میں آکے دھوپ پاؤں اماں اگر
راضی تمہارا سایہ دیوار بھی تو ہو

کیونکر ہو درد دل کی ہمارے اسے خبر
پردے میں خامشی کے کچھ اظہار بھی تو ہو

اشکوں کا کیسا قافلہ عشق [illegible] ضرور ہے
آراستہ ہے فوج علمدار بھی تو ہو

ساقی اداس کیوں نہ ہو بزم مے وسبو
میخانے میں امیر سا میخوار بھی تو ہو

وہ حسن کیا ہے جو خاطر نشیں نہ ہو
کس کام کا وہ نام جو نقش نگیں نہ ہو

کیونکر ہو دل شگفتہ جو عزلت نشیں نہ ہو
پھولے پھلے نہ دانہ جو زیر زمیں نہ ہو

وہ یاس ہے کہ وصل میں بھی ہر نگاہ پر
ڈرتا ہوں میں کہیں نگہ واپسیں نہ ہو

راحت کی جستجو میں ہیں اہل جہاں عبث
ہاتھ آئے وہ کسی کو کہاں جو کہیں نہ ہو

ایذائے خلق پر ہے یہ غش موذی فلک
لے سانپ چاہتا ہے کوئی آستیں نہ ہو

ساحل سے ہوں میں تشنہ دہن خود کنارہ کش
کہدو کہ بحر موج سے چیں بر جبیں نہ ہو

مانند بوئے گل چمن دہر سے نکل
اس باغ بے ثبات میں عزلت گزیں نہ ہو

نام اس حسیں کا قلب مصفا پہ نقش ہو
کیونکر اس آئینے پہ گمان نگیں نہ ہو

ہستی جہاں کی ہستی حق پر دلیل ہے
کیونکر جہان ہو جو جہاں آفریں نہ ہو

زاہد کا صاف زہد ریائی ہے آشکار
سجدہ کرے درست تو داغ جبیں نہو

ساقی میں نشۂ مے عرفاں سے مست ہوں
افلاس میں جو بادہ میسر نہیں نہ ہو

تیرا نہو مکان جو مشہور ہے فلک
کہتے ہیں جسکو عرش ترا شہ نشیں نہ ہو

دل سے جو چشم فیض ہے تجھکو تو پاک رکھ
کس کام کی ہے صاف اگر دوربیں نہو

ہم رند مشرب ہو نکی معاصی سے ہو نمود
روشن ہو نام کیا جو سیہ رو نگیں نہ ہو

ہوں تنگ اس جہان سے جہاں نکل چلوں
جس جا یہ آسمان نہو یہ زمیں نہ ہو

ساجد خدا پرست بھی اس آستاں پہ ہیں
کیوں بے نیاز وہ صنم نازنیں نہ ہو

آتا ہے مجھکو گریہ لب کشت زعفراں
اتنا بھی جو رنج سے کوئی حزیں نہ ہو

سر آستان دل پہ نہ پہنچے کبھی امیر
جبتک کہ عرش پہ قدم اولیں نہ ہو

یاد نہ لطف آئی دم نزع ستانے ہم کو
کس برے وقت میں گھیرا ہے بلانے ہم کو

منہ لگایا ہے بتوں نے نہ خدانے ہم کو
نہ ادانے کبھی پوچھا نہ قضانے ہم کو

آس کسکو تھی شب غم کی سحر ہونے کی
اے بتو دن یہ دکھایا ہے خدانے ہم کو

ہجر جاناں میں کسی روز جو ہچکی آئی
جی اٹھے ہم کہ کیا یاد قضانے ہم کو

رخصت اے ہوش وخرد اب نہیں ٹھہرا جاتا
بیخودی دور سے آئی ہے بلانے ہم کو

کشمکش میں ہمیں بیتابی دل رکھتی ہے
آنے دیتی ہے نہ ظالم کہیں جانے ہم کو

قہر کرتی ہیں شب وصل تمہاری آنکھیں
اسی پردے میں تو مارا ہے حیانے ہم کو

ساقیا دیر سے مستی نے نکالا ہوتا
خوب ہی روک لیا لغزش پانے ہم کو

شمع آسا کبھی جلتے کبھی روتے گذری | آگ پانی سے بنایا ہے خدا نے ہم کو
دیر میں شیخ و حرم سے یہ صنم کہتے ہیں | تو نے اللہ کو جانا ہو تو جانے ہم کو
خنجر ناز سے بچ کر جو چلے چار قدم | رکھ لیا برچھیوں پہ تیر ادا نے ہم کو
حوصلہ کون تماشائے تجلی کا کرے | غش تو دیتا ہی نہیں ہوش میں آنے ہم کو
کیا بگاڑا ہے ترا اے شب فرقت ہم نے | روز آتی ہو بلا بن کے ڈرانے ہم کو
آئینہ دیکھ کے ہر بار وہ بت کہتا ہے | خود نمائی کو بنایا ہے خدا نے ہم کو
لامکاں میں نہ پتا ہے نہ مکاں میں اسکا | بے ٹھکانے کے بتائے ہیں ٹھکانے ہم کو
وہ بلا دوست ہیں جب کوئی کڑی آتی ہے | نام لے لے کے پکارا ہے بلانے ہم کو

خار کیا کھائے گا گل دیکھ کے فرقت میں امیر
ایسے کتنے ہیں ابھی داغ اٹھانے ہم کو

آج محفل سے تم آئے ہو اٹھانے ہمکو | ہائے وہ دن کہ جو اٹھتے تھے بٹھانے ہمکو
منہ شب ہجر دکھایا نہ قضا نے ہمکو | کون پوچھیگا نہ پوچھا جو خدا نے ہمکو
حوصلہ دل سے تڑپنے کا نکلتا کیونکر | دم ہی لینے نہ دیا تیغ ادا نے ہمکو
تیغ جلاد نے جو ہر کو کیا ہم سے عزیز | آنکھ اٹھا کر بھی تو دیکھا نہ قضا نے ہمکو
اتنی نسبت بھی کفایت ہے یہاں بخشش کو | کاش وہ اپنا گنہگار ہی جانے ہمکو
حلقۂ زلف میں پھنس کر کوئی نکلا ہے کبھی | موت کے منہ سے چھڑایا ہے قضا نے ہم کو
مسجدوں میں کبھی بھیجا کبھی بتخانوں میں | ٹھیک ٹھیک اُسنے بتائے نہ ٹھکانے ہمکو
آتے جاتے ہو وہاں غیر کے گھر تم ہر شب | رشک آتا ہے یہاں روز ستانے ہم کو
یاد آئیں تری آنکھیں تو یہ سمجھے دم نزع | حوریں فردوس سے آئی ہیں بلانے ہم کو
اس ستمگر نے جو پہلو سے اٹھایا اپنے | درد دل تو کبھی تو اٹھا نہ بٹھانے ہم کو
لیچلے داغ ہزاروں چمن ہستی سے | زندگی لائی تھی کیا سیر دکھانے ہم کو

مدد اے مرگ کہ آفت میں پھنسا رکھا ہے
آگ نے خاک نے پانی نے ہوا نے ہمکو

سنکے آواز موذن کی شب وصل کی صبح
صاف سمجھے کہ بلایا ہے خدا نے ہم کو

ہیں وہ میکش جو گرے ہیں کبھی لغزش کھا کر
بدلیاں دوڑ کے آئی ہیں اٹھانے ہم کو

امتحاں تھا جو ہمارا اُسے منظور نظر
ذبح رک رک کے کیا تیغ ادا نے ہم کو

وہ پرکاہ تھے اس گلشن ہستی میں امیر
دوش سے پھینکدیا باد صبا نے ہمکو

پیچ پر پیچ دیے زلف دوتا نے ہم کو
کن بلاؤں میں پھنسایا ہے خدا نے ہم کو

پر لگائے یہ ترے تیر ادا نے ہم کو
تھک گئی دوڑ کے پایا نہ قضا نے ہم کو

تو وہ تیر دل کا کیا تیر ادا نے ہم کو
شکر صد شکر لگایا تو ٹھکانے ہم کو

تیرے بیمار سے یہ بیخبری کہتی ہے
کہ خبر کو ترے بھیجا ہے قضا نے ہم کو

کہتے ہیں حشر وہ رفتار سے برپا کرکے
ایسے کتنے ابھی فتنے ہیں جگانے ہم کو

کی ہے جب شوق سے منعم کی عمارت پہ نظر
عبرت آئی ہے وہیں گور دکھانے ہم کو

سارے عالم میں یہ شہرت ہے قضا نے مارا
واہ کس پردے میں مارا ہے ادا نے ہم کو

وہ کہیں گے نہ اٹھا صدمۂ فرقت دو دن
موت کیوں آئی ہے یہ داغ لگانے ہم کو

دفن بھی اپنی گلی میں نہ کیا وائے نصیب
مر گئے پر بھی لگایا نہ ٹھکانے ہم کو

ڈھیروں انگور پڑے کٹتے ہیں ساقی لیکن
ہاتھ آتے نہیں دو چار بھی دانے ہم کو

عیش کرنیکو تو تم کو کیا ہے پیدا
رنج اٹھانے کو بنایا ہے خدا نے ہم کو

عشق ابرو میں خدا پار لگائے بیڑا
آب شمشیر میں غوطے ہیں لگانے ہم کو

حیرت عارض جلاد سے سکتا جو ہوا
آئی تیغ اجل آئینہ دکھانے ہم کو

نقد ہوش و خرد و صبر نہ چھوڑا کچھ امیر
آج لوٹا غضب اس دزد حنا نے ہم کو

ہوں وہ بلبل گل تلک پہنچوں تو گلشن خشک ہو | مثل خار آشیاں شاخ نشیمن خشک ہو
چاہتا ہے سوز فرقت آتش محیط حسن کا | تن میں مثل خار ماہی ہر رگ تن خشک ہو
تازگی ہے روئے جاناں کی زنخداں کے سبب | چاہ جس گلشن میں ہو کیونکر وہ گلشن خشک ہو
تابش خورشید محشر سے یہ پڑتی ہے امید | مجھ سے تر دامن کا بھی شاید کہ دامن خشک ہو
ہوں وہ پیاسا ذبح کے دم بھی نہیں سیراب میں | حلق میں پانی بسان آب آہن خشک ہو
زیست پیری میں کہاں رونق جوانی کی گئی | کیا رہے روشن چراغ ایسا جو روغن خشک ہو
تیغ کھینچے میکدے کی سمت اگر آئے وہ ترک | بت کا زہرہ آب ہو خون برہمن خشک ہو
آبیاری ہو اگر بلبل کی اشکوں کی یہی | ہے یقیں فصل خزاں میں بھی نہ گلشن خشک ہو
داغ دل سے گرم اپنی خاک ہے کیا ہے عجب | چادر گل پڑتے ہی بالائے مدفن خشک ہو
اور بھی گردوں ستاتا ہے جو پاتا ہے ضعیف | پائمال گاؤ دہقاں ہو جو خرمن خشک ہو
حسرت دیدار میں کھینچوں اگر میں آہ سرد | ایک جھونکے میں یقیں ہے نخل ایمن خشک ہو
چھین کر رخت سفر پامال رہزن نے کیا | پانوں شل ہو جائیں یارب دست رہزن خشک ہو
اس مسی آلود لب کا وصف یاں کوئی کرے | سامنے اسکے زباں برگ سوسن خشک ہو
چھیڑتی ہے ہر ادا سے قاتل کی تیغ آبدار | غیر ممکن ہے کہ اپنا زخم گردن خشک ہو
حسرت دیدار ہے ہم کو مکان یار کی | دیدۂ تر کیا برنگ چشم روزن خشک ہو
میں اگر رونے پر آؤں صورت ابر بہار | سبز ہو دم بھر میں ہر بوٹا جو گلشن خشک ہو
اسقدر ہو بخیہ گر کو غم جو دیکھے میرے زخم | جان مثل رشتہ تن مانند سوزن خشک ہو
اس گلستاں میں ہے مجھ سا کون طائر بے نصیب | پانوں رکھوں میں جہاں شاخ نشیمن خشک ہو

کیا حرارت ہے لگاؤں میں اگر منہ سے امیر
جام مثل چشمۂ خورشید روشن خشک ہو

چھوڑو نہیں اے بتو حیا کو | کیا منہ نہ دکھاؤ گے خدا کو

لٹکاؤ نہ گیسوئے رسا کو — پیچھے نہ لگاؤ اس بلا کو

ظالم تجھے دل دیا خطا کی — بس بس میں پہنچ گیا سزا کو

کانٹوں سے کبھو سنبھال لینا — آتا ہے غش اک برہنہ پا کو

بلبل کو ملی جو باغبانی — روکے در باغ پر صبا کو

اے حضرت دل بتوں کو سجدہ — اتنا تو نہ بھولیے خدا کو

گل کر گئی میری شمع تربت — کیا ہوش ہے آ گئی صبا کو

کوچے میں ترے ملا یہ آرام — نیند آ گئی چشم نقش پا کو

اتنا ہے کہ کچھ کہے وہ — یوں کھولیے قفل مدعا کو

کہتا ہے یہ شوق قتل سر دم — دم لینے نہ دیجیے قضا کو

کیا کیا تری چٹکیاں بچائیں — دھوکے دیئے تیر بے خطا کو

دکھلا کے ہم اپنی سخت جانی — غصہ دلواتے ہیں قضا کو

ہاتھ آئے اگر نگین حسرت — کھدوائیے نقش مدعا کو

راضی برضا ہوں اے صنم میں — جو کچھ منظور ہو خدا کو

کہتی ہے امیر اس سے شوخی
اب منہ نہ دکھائیے حیا کو

وصال پر ہی جو وصل امتحان کر دیکھو — امیر یوں ہی سہی چند روز مر دیکھو

خدا کی شان کہ دیکھیں ہم آپ کی آنکھیں — نگاہ تاب نہ کرو تم ادھر ادھر دیکھو

پڑا ہوں ہجر میں مردہ کی طرح بستر پر — ابھی تو جان سی آئے جو اک نظر دیکھو

جنازہ غیر کا نکلا ہے تو نکلنے دو — ہمیں کو بیٹھو جو چلمن سے جھانک کر دیکھو

مری طرف سے کہے کوئی حضرت غم کو — بہت رہے مرے دل میں اب اور گھر دیکھو

کسی کا دل نہ دکھاؤ خدا کا خوف کرو — ذرا کلیجے پہ اپنے تو ہاتھ دھر دیکھو

چھپا چھپا کے نظر بازیاں ہو غیروں سے — ہمیں سے آنکھ چرانا ذرا ادھر دیکھو
دکھا کے تیغ کو تڑپا رہے ہو دیدہ تر کیا — جو دیکھنا ہو تماشا تو ذبح کر دیکھو
ہو سحر عشق کہ جلتے نہیں پرِ بلبل — لگی ہو آتش گل باغ میں جدھر دیکھو
گیا تھا لیکے خط آیا ہی ہاتھ کٹوا کر — ذرا خدا کے لیے شانِ نامہ بر دیکھو
اٹھاؤ آنکھ یہ کیا شرم ہو خدا سے ڈرو — کسی کی جان کا ہو جائیگا ضرر دیکھو
بغیر غم نہیں ممکن حصول دولت دہر — نظر جو آئے محرم کا چاند زرد دیکھو

امیرؔ جلوۂ وحدت سے آشنا ہو جو دل
وہی ظہور وہی شان ہو جدھر دیکھو

دل ہے وابستہ کسی زلف رسا سے کچھ ہو — اب تو سر میں یہی سودا ہی بلا سے کچھ ہو
فکر بیجا ہو طبیبو مرض عشق ہے یہ — غیر ممکن ہے کہ تخفیف دوا سے کچھ ہو
دیکھے خط اب کسے بھیجوں کہ برآئے مطلب — جب نہ قاصد نہ کبوتر نہ صبا سے کچھ ہو
مل گئے وہ کسی رستے میں تو مانند غبار — ہم لپٹ جائینگے دامان قبا سے کچھ ہو
جان پر کھیل گیا میں تو کہا اس بت نے — میں نہ سمجھا تھا کہ تم فضل خدا سے کچھ ہو
نظر آجائے جو اس زلف سیہ کی ناگن — ڈال دوں ہاتھ مقرر میں بلا سے کچھ ہو
تیرے بیمار محبت کی ہے صحت مشکل — فکر ہو لاکھ دوا سے نہ دعا سے کچھ ہو
سخت جاں وہ ہوں نہ کٹ جاؤں اگر شمشیر سے — شرط بدتا ہوں جو پھر تیغ قضا سے کچھ ہو
ہے معما دہن تنگ کا دشوار بہت — حل مطلب ہو تو شاید شعرا سے کچھ ہو
تو بھی آخر کسی در کا ہے گدا اے سلطاں — عفو لازم ہے جو تقصیر گدا سے کچھ ہو
نہ محبت کی وہ آنکھیں نہ وہ الفت کی نگاہ — حال دل کس سے کہوں تم تو خفا سے کچھ ہو
بادۂ سرخ ملے تم سے یہ امید کہاں — ہنسیچو تم تو مرے خون کے پیاسے کچھ ہو
متوقع در دولت پہ کھڑے ہیں کبسے — اب تو ہم کو بھی عطا خوانِ عطا سے کچھ ہو

کوئے جاناں میں کوئی دم تو ٹھہر جائے پاؤں ‏ ‏ ایسی افتاد مری لغزش پا سے کچھ ہو

عالم فقر میں تکلیف گوارا ہے امیر
نہ ملیں گے نہ ملیں گے امرا سے کچھ ہو

دیر سے قتل کے مشتاق ہیں باہر آؤ ‏ ‏ دیکھو اتنا نہ کھنچو کھینچ کے خنجر آؤ

آمد و شد نفس چند کی باقی ہے فقط ‏ ‏ اپنے گھر مجھ کو بلاؤ کہ مرے گھر آؤ

نہ ہمیں زیست میں مرنے پہ تو لو میری خبر ‏ ‏ اب نہ آؤ تو جنازے پہ مقرر آؤ

دیکھے کوئی نہ آتے مری تربت پہ تمہیں ‏ ‏ چاندنی شب ہے ذرا اوڑھ کے چادر آؤ

دیکھ کر آئینے کو عکس سے کہتا ہے وہ شوخ ‏ ‏ کچھ اگر حسن کا دعویٰ ہے تو باہر آؤ

نذر عاشق کی یہ کچھ لوٹ نہیں ہے صاحب ‏ ‏ دل و جاں دونوں جو لینے ہیں تو بکر آؤ

ساتھ اگر راہ میں ہم پا نہیں بھی ہونی چاہیں ‏ ‏ آگے پیچھے نہ چلو میرے برابر آؤ

نامہ کی طرح نہ پڑ جائے تمہیں پہ کوئی آنکھ ‏ ‏ کھول کر بند نہ دروازے کے باہر آؤ

جہاں لب ہوں میں عیادت ہے مریضوں کی ثواب ‏ ‏ مانو اللہ کو تم بہر پیمبر آؤ

تب مزہ جانے کا اس ہو کہ کہے یار امیر
میری آنکھوں پہ تم آؤ مرے سر پر آؤ

حشر کے روز نہ ہو تشنہ دہانی مجھ کو ‏ ‏ دے تری تیغ جو اک قطرہ بھی پانی مجھ کو

تیزی موج اگر بحر رواں میں دیکھی ‏ ‏ یاد آئی تری خنجر کی روانی مجھ کو

آب خنجر سے تری پیاس کوئی بجھتی ہے ‏ ‏ اور بھی آگ لگاتا ہے یہ پانی مجھ کو

خوبرویوں میں صنم ایک ہے تو ایک ہے تو ‏ ‏ نظر آتا نہیں تیرا کوئی ثانی مجھ کو

اور کس سے ہوں دہان و کمر یار کے وصف ‏ ‏ خوب معلوم ہیں یہ راز نہانی مجھ کو

اس سے آنکھا ہے یہ مطلب کہ کرو تم بھی فغاں ‏ ‏ ہدیہ بھیجا ہے تو دیوان فغانی مجھ کو

نوجواں کوئی جو پیری میں نظر آتا ہے ‏ ‏ یاد آتی ہے بہت اپنی جوانی مجھ کو

داغ کھا کھا کے کروں اپنی میں اوقات بسر — اس لیئے دیتے ہیں چھلّا وہ نشانی مجھکو
بات وہ کر کہ مرے خواہ ترے کام کی ہو — ایسی اے بت نہ سنا رام کہانی مجھ کو
جس طرح صبح کو خورشید عیاں ہوتا ہے — آ کے پیری نے دیا داغ جوانی مجھ کو
بے خطر خاک تہ سقف فلک بیٹھوں میں — نظر آتی ہے نہایت یہ پرانی مجھ کو
سینہ جلتا ہے پلا جلد شراب اے ساقی — آگ بھڑکی ہوئی ہے چاہیئے پانی مجھ کو
یہ موحد تو سمجھے نہیں اطلاق صحیح — کہیں اول تو بتا دیں کوئی ثانی مجھ کو
آرزو اس لیئے فردوس کی مجھ پیر کو ہے — ہاتھ آئے گی وہاں میری جوانی مجھ کو
خوف ہے وصف میں اس چاہ ذقن کے تنہا — کہ ڈبو دے نہ طبیعت کی روانی مجھ کو

نغمہ سنجاں گلستان سخن ہیں جو امیر
کہتے ہیں بلبل گلزار معانی مجھ کو

چل دلا دیر سے کرتا ہے اشارے گیسو — نہ زباں ہے نہ دہن ہو گئے پکارے گیسو
خط شبگوں پہ یہ آتے نہیں پیارے گیسو — جال پر جال بچھاتے ہیں تمہارے گیسو
یہ تہ تازہ چمن ہے کہ تمہارا عارض — یہ دھواں دھار گھٹا ہو کہ تمہارے گیسو
مچھلیاں دام سمجھ کر ہیں جو موجوں میں نہاں — کھل گئے کیسے یہ دریا کے کنارے گیسو
دن کو رخسار دکھاتا ہے فروغ خورشید — شب کو چمکاتے ہیں افشاں کے ستارے گیسو
بال کنگھی سے جو سلجھائے تو دل الجھایا — تیرہ بختوں کو بگاڑا جو سنوارے گیسو
دل صد چاک نے شانے سے کہا چلکے یہ رات — او سیہ کار تجھے باندھ کے مارے گیسو
شہر سے بڑھ کے اگر جانب صحرا جائیں — شانۂ شاخ سے سلجھائیں چکارے گیسو
ہو چکے جن و بشر قید ملک باقی ہیں — اب سر عرش سے زنجیر اتارے گیسو
عاشقوں کے دل پر داغ سے ایسے چمکے — ہو گئے شہپر طاؤس تمہارے گیسو
سانپ نے گھیر لیا گلشن جنت کو امیر — حلقہ حلقہ نہیں عارض کے کنارے گیسو

ہوں میں وہ میکش اٹھا ساقی مری تعظیم کو
گردن مینا سے خم ہو گئی تسلیم کو

آتے ہی اُس مست کے گلزار میں آئی بہار
ابر اٹھا تعظیم کو شاخیں جھکیں تسلیم کو

ساغر جمشید سے کچھ ساغر مے کم نہیں
دیکھتے ہیں بادہ کش گھر بیٹھے ہفت اقلیم کو

غیر کو دشنام دو بوسہ عنایت ہو مجھے
چاہیئے مردم شناسی صاحب تقسیم کو

بیٹھے بیٹھے میرے پہلو سے جو وہ عیسیٰ اٹھا
درد دل بھی ساتھ ہی اُسکے اٹھا تعظیم کو

لب پر اے غنچہ دہن تحریر مسی کی نہیں
کاتب تقدیر نے خلعت دیا ہے میم کو

نقد آمرزش کا طالب ہو اگر اے خود فروش
تول میزان عدالت میں امید و بیم کو

ہیں جو مردان خدا آفت میں راحت ہو انہیں
عید تھی قربانی فرزند ابراہیم کو

جعد خالی خال ہو کنج دہن میں یار کے
ہے تعجب جیم کا نقطہ دیا ہے میم کو

خاک اُڑاتے تشنگان عشق کے آتے ہیں غول
کہہ دو رضواں سے بچائے کوثر و تسنیم کو

مٹکے منزل کا نشاں ملتا ہے اے اہل فنا
ہر قدم پر خضر ہے نقش قدم تعلیم کو

مال رکھنے کو نہیں کہہ دو غنی سے بانٹ دے
نقطہ میں تقسیم کے داخل کیا ہے ...

اپنے وقت مرگ سے غافل رہے اختر شناس
گویا ابرجات کے رکھا کیۓ تقویم کو

چشمۂ دیدار جاناں کی ہیں دو نہریں امیر
جانتا ہوں خوب اصل کو ثر و تسنیم کو

بن کے خضر آیا ہے واعظ کیا مری تعلیم کو
اک دو راہہ جانتا ہوں میں امید و بیم کو

تیغ قاتل سے صفائی میں برابر ہی بہی
یہ روانی کب ملی ہے کوثر و تسنیم کو

دو قدم اس ناز سے جب سرزمیں پر تم چلو
اُٹھ کھڑے ہوں سیکڑوں فتنے وہاں تعظیم کو

دشت ہستی میں قدم بڑھ کر ہٹے پیچھے نہ پھر
ساتھ ہے عمر رواں غافل اسی تعلیم کو

جادۂ تیغ قضا پر سر کے بل عاشق چلے
طے کیا کس حوصلے سے منزل تسلیم کو

نام کو ہے اک نشاں باقی دہن اسکا کہاں
کاتب قدرت نے لکھ کر چھیل ڈالا میم کو

فتنہ برپا ذات سے مفسد کے ہوتا ہے ضرور — کیا ہوا اٹھے اگر وہ غیر کی تعظیم کو
حشر کے دن نامۂ اعمال کا کیا اعتبار — سال بھر کے بعد باطل کرتے ہیں تقویم کو
یہ غزل رنگیں سناؤں میں ظہوری کو اگر — دھوئے آب شرم سے گلزار ابراہیم کو
کبر و دولت کیا جو کرتا ہے زمانہ انقلاب — دم میں کر دیتا ہے کشکول گدا دیہیم کو
بھیجتا ہوں پہلے میں گور غریباں کو خط — گھر میں آتے ہیں کبھی مزدور اگر ترمیم کو
آہ کی شمشیر پر تکیہ ہے نامردوں کا کام — مرد رکھتے ہیں کمر میں خنجر تسلیم کو

یہ وظیفہ سب وظیفوں سے ہے بہتر اے امیر
یاد احمد کو کر دل یا احمد بے میم کو

انساں عزیز خاطر اہل جہاں نہ ہو — وہ مہرباں نہ ہو تو کوئی مہرباں نہ ہو
کلفت کا اپنے نالہ کشی میں نشاں نہ ہو — ہم سو برس جو آگ جلائیں دھواں نہ ہو
مشاطہ چاہیئے رخ زیبا کے واسطے — کس کام کا وہ باغ جہاں باغباں نہ ہو
ممکن نہیں کہ زلف سے الجھے نہ اسکی زلف — قرآں کی طرح سے جو وہ رخ درمیاں نہ ہو
کیا داغ سینہ زیر گریباں چھپائیے — خورشید زیر دامن گردوں نہاں نہ ہو
تار نظر سے بڑھ گئے ہے لاغر مرا بدن — عشق کمر میں یوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو
کیونکر ہمارے یوسف دل کا پتہ ملے — چاہ ذقن پہ جب گذر کارواں نہ ہو
لکھتا ہوں وصف عارض و ابروئے یار کے — کیوں صفحہ آفتاب قلم کہکشاں نہ ہو
پیری میں بھی گیا نہ تغافل ہزار حیف — اتنا بھی کوئی مائل خواب گراں نہ ہو
ہے حادثوں سے بعد فنا بھی کہاں نجات — ممکن نہیں کہ زیر زمیں آسماں نہ ہو
لازم ہے ضبط نالہ دل بعد مرگ بھی — ہو لطف جام ٹوٹ چکے رواں نہ ہو
ٹوٹیں نہ رہروؤں کے اگر شیشہ ہائے دل — دشت جنوں میں نام کو ریگ رواں نہ ہو
آنکھوں سے فائدہ جو نہ دیدار ہو نصیب — حاصل جبیں سے کیا جو ترا آستاں نہ ہو

جانے اگر کہ چاہِ عدم میں گرائے گا — کوئی سوار توسنِ عمرِ رواں نہ ہو

وہ گل جو آئے تو یہ چمن کا ہو رنگ زرد
کچھ بھی امیر غیر گلِ زعفراں نہ ہو

عکس سے بچتو نہ آئینے میں اتنا دیکھو — جانے دو اپنی طرف اے گلِ رعنا دیکھو
چشم پوشی کا میں کرتا ہوں جو اُن سے شکوہ — آنکھیں دکھلاتے ہیں وہ اور تماشا دیکھو
نہو از مردہ میں عیسیٰ نے بہت سر مارا — تم بھی اس قالبِ بے روح کو ٹھکرا دیکھو
پھیرنے کے لیے دل آئے ہیں ہم یاں آ جاں — کر چکے جان بھی نذر اور تماشا دیکھو

شوق اس کوچے کا کہتا ہے یہی ہے امیر
خود چلو دوڑ کے قاصد کا نہ رستا دیکھو

میرے پہلو میں جو دیکھا خنجرِ جلاد کو — دل سے لاکھوں حسرتیں نکلیں مبارکباد کو
ہوں وہ دیوانہ بلاتا ہوں جو میں فصاد کو — ساتھ لاتا ہے حمایت کے لیے جلاد کو
پر جو کھولے بھی تو کب کھولے خزاں جب آ گئی — رحم آیا بھی تو کب آیا مرے صیاد کو
قتل کر دیگا مرے اللہ اس ظالم کو شوق — حکم آئینوں دید نے یکبارگی جلاد کو
یاد میں اک رشکِ عیسیٰ کے جو میں مرنے لگا — ہچکیاں آئیں دمِ آخر مبارکباد کو
خاک ہو جانے پہ بھی ظالم نہیں ملتا عزیز — کب کوئی دیتا ہے مٹی کشتۂ فولاد کو
زیرِ خنجر اور دلِ بسمل تڑپ اچھی نہیں — قہر ہو جائیگا گر رحم آ گیا جلاد کو
سایۂ رحمت میں تیرے جا کے بیٹھے اے کریم — کیا ٹھکانا ہاتھ آیا ہے مری فریاد کو
مجھ سا صیدِ خفتہ طالع کون ہوگا عندلیب — نغمہ سنجی سے مری نیند آ گئی صیاد کو
دو قدم اس فتنۂ عالم نے چل کر وقتِ سیر — خوب لڑوایا چمن میں قمری و شمشاد کو
جرم میرا کیا اگر قدموں پہ سر کٹ کر گرا — خیر جانے دیجیے کیا کیجیے افتاد کو
کیوں نہیں بھاتی عدو کو میری نظمِ طبع زاد — دو دست رکھتی ہے عقیمہ غیر کی اولاد کو

ہمسری اُسکے قد موزوں سے ہے جرم عظیم
کندۂ دوزخ کا بنائیگا خدا شمشاد کو

شوق پڑھنے کا ہوا اُس طفل کو سنتے ہیں کم
مژدہ مکتب کو مبارک مرگ تو اُستاد کو

عید موسیٰ کو ہوئی برق تجلی کی جگہ
پہلے نظارے میں غش آیا مبارکباد کو

شکر کرتا ہوں کہ پایا قدرداں مدت کے بعد
داستاں میری پسند آئی مرے صیاد کو

کیا کھلیگی فصد کیا سودا ہمارا ہوگا کم
ضعف ایسا ہے کہ رگ ملتی نہیں فصاد کو

خوش ہوا ایسا وہ میرے قتل کی سنکر خبر
جشن شادی کا کیا خلعت دیا جلاد کو

کس طرف سے آگیا جھونکا ہوائے مرگ کا
کیا پریشاں کر دیا مجموعۂ اضداد کو

قید تھی مدت سے اب آزاد ہوتی ہے امیر
روح نکلے گی دعا دیتی ہوئی جلاد کو

پہلے تو مجھے کہا نکالو
پھر بولے غریب ہے بلا لو

بیدل رکھنے سے فائدہ کیا
تم جان سے مجھ کو مار ڈالو

اُسنے بھی تو دیکھی ہیں یہ آنکھیں
آنکھ آرسی پر سمجھ کے ڈالو

آیا ہے وہ مہ بجھا بھی دو شمع
پروانوں کو بزم سے نکالو

گھبرا کے ہم آئے تھے سوئے حشر
یاں جشن ہے اور ماجرا لو

پیچھے میں گیا تو میں پکارا
شب تیرہ ہے جاگو سونیوالو

اور دل پہ امیر تکیہ کب تک
تم بھی تو کچھ آپ کو سنبھالو

غربت میں وطن یاد دلاتی نہیں مجھ کو
بھولے سے کبھی ہچکی کوئی آتی نہیں مجھ کو

کس منھ سے کروں قافلہ والوں کی شکایت
آواز جرس بھی تو جگاتی نہیں مجھ کو

ساقی کا گلہ کیا ہے جو دیتا نہیں تو
منھ دختر رز بھی تو لگاتی نہیں مجھ کو

میں غنچۂ پژمردہ ہوں گلزار جہاں میں
کیسی ہی بہار آئے کھلاتی نہیں مجھ کو

مشتاق شہادت کو وہ دو ہاتھ لگا کر
کہنے میں لگاوٹ بہت آتی نہیں مجھ کو

کیا بے خبری ہے کہ خبر یار کی مجھ تک
آتی بھی ہے تو آپ میں پاتی نہیں مجھ کو

کہتا ہے قیامت سے مرا طالع خفتہ
مردوں کو جلاتی ہے جگاتی نہیں مجھ کو

وہ جنس ہوں بازار جہاں میں کہ قضا بھی
لینے کا تو کیا ذکر چکاتی نہیں مجھ کو

بھاتی ہے لگاتا نہیں تو قتل ہی کر یار
یہ روز کی تکرار تو بھاتی نہیں مجھ کو

سکتا ہے تجھے دیکھ کے رخسارۂ قاتل
کیوں آئینہ شمشیر دکھاتی نہیں مجھ کو

کچھ عار نہیں تیری خوشامد سے پرے یار
مجبور ہوں میں اس سے کہ آتی نہیں مجھ کو

وہ مجرم بیقدر ہوں مقتل میں میں تیرے
تلوار تری ہاتھ لگاتی نہیں مجھ کو

جھوٹوں بھی مجھے خوش نہیں کرتی مری تقدیر
تصویر کی صورت بھی ہنساتی نہیں مجھ کو

آئینے کی صورت ہمہ تن چشم ہوں لیکن
اس پر بھی وہ صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

ہے خواب میں آنیکا امیر اس سے جو وعدہ
موت ایک طرف نیند بھی آتی نہیں مجھ کو

پردے میں بھی منہ موت دکھاتی نہیں مجھ کو
کافور سے بوئے کفن آتی نہیں مجھ کو

افتاد ہے کیا موت جو آتی نہیں مجھ کو
ہوں ناز کسی کا کہ اٹھاتی نہیں مجھ کو

اس تنگ فضا سے میں نکل جاؤں کہیں دور
وحشت مری وہ راہ بتاتی نہیں مجھ کو

سر پہ سے مرے ہو کے چلی جاتی ہے خلقت
کیا نقش قدم ہوں کہ مٹاتی نہیں مجھ کو

اس ڈر سے کہ برہم نہ ہو ہنگامۂ محشر
آتی ہے قیامت تو اٹھاتی نہیں مجھ کو

تھے گور ہی تک سب مرے منہ دیکھنے والے
اب ایک کی صورت نظر آتی نہیں مجھ کو

لاغر ہی میں ایسا ہوں تمہاری نہیں تقصیر
بستر پہ مری موت بھی پاتی نہیں مجھ کو

کرتی نہیں کب دختر رز مجھ سے شرارت
کس دن یہ بری آگ لگاتی نہیں مجھ کو

کوچے سے ترے میں جو نکلتا ہوں تو وحشت
ہے کون سا کوچہ کہ جھکاتی نہیں مجھ کو

اے ہمت دل ہاتھ میں قاتل کے ہے تلوار | اک دو قدم اور آگے بڑھاتی نہیں مجھکو
ہو جاؤں میں دو ہاتھ میں اس یار سے اس پار | تلوار تری گھات دکھاتی نہیں مجھ کو
میں مست بھی اے دختر رز نشہ میں ہوں پر | کیوں درد کے مانند بٹھاتی نہیں مجھ کو
میکش ہیں بلا نوش ہوں خم منھ سے لگا دے | ساقی یہ صراحی تو چھکاتی نہیں مجھ کو
گردش مری قسمت کی چھڑاتی ہے وہ کوچہ | اے لغزش پا تو بھی گراتی نہیں مجھ کو

میں گل ہوں امیر آپ کو اس باغ کا پھول
قسمت مری اتنا بھی ہنساتی نہیں مجھکو

اے ضبط دیکھ عشق کی انکو خبر نہ ہو | دل میں ہزار درد اٹھے آنکھ تر نہ ہو
مدت میں شام وصل ہوئی ہے مجھے نصیب | دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو
اک پھول ہے گلاب کا آج انکے ہاتھ میں | دھڑکا مجھے یہ ہے کہ کسی کا جگر نہ ہو
ڈھونڈھے سے بھی نہ معنی باریک جب ملا | دھوکا ہوا یہ مجھ کو کہ اس کی کمر نہ ہو
فرقت میں یاں سیاہ زمانہ ہے مجھکو کیا | گردوں پہ آفتاب نہ ہو یا قمر نہ ہو
دیکھی جو صورت ملک الموت نزع میں | میں خوش ہوا کہ یار کا یہ نامہ بر نہ ہو
آنکھیں ملیں ہیں اشک بہانے کے واسطے | بیکار ہے صدف جو صدف میں گہر نہ ہو
الفت کی کیا امید وہ ایسا ہے بے وفا | صحبت ہزار سال رہے کچھ اثر نہ ہو
طول شب وصال ہو مثل شب فراق | نکلے نہ آفتاب الٰہی سحر نہ ہو

منھ پھیر کر کہا جو کہا میں نے حال دل
چپ بھی رہو امیر مجھے درد سر نہ ہو

ردیف ہائے ہوز

آیا نہ مر کے بھی شجر قد یار ہاتھ | طوبیٰ سے بھی بلند کہوں اسکو چار ہاتھ

پیری میں ضعف سے نہیں رعشہ دار ہاتھ
ہیں دامن قضا کے لئے بے قرار ہاتھ

پہنچے کبھی نہ خواب میں بھی اُسکے پانو تک
پیدا کئے تھے کیوں مرے پروردگار ہاتھ

دل کو مرے چھڑاؤ یہ بیڑی یہ ہتھکڑی
ہو پانوں کا قصور نہ تقصیر وار ہاتھ

تکلیف سائلوں کی جنوں میں نہیں پسند
دامن کو پھاڑ دوں میں پڑ جائیں ہو فگار ہاتھ

اے گل یہ رنگ پنجۂ مرجاں میں بھی نہیں
دکھلا رہی ہے طرفہ حنا سے بہار ہاتھ

ہو مرگ مجھ کو زیست کے کوچے میں یار کے
دو گز زمین آگئی بہر مزار ہاتھ

دینے کی وجہ جنگ میں کیا ہو تمہیں کہو
کیا میرے دو ہیں اور رقیبوں کے چار ہاتھ

برہم ہو جو چھپا کے مرے دل کو زلف یار
خوش قسمتوں کو آتے ہیں ایسے شکار ہاتھ

باغ جہاں میں راحت بے غم کہاں نصیب
پتوں سے ملتے ہیں شجر سایہ دار ہاتھ

جب چلا ہے وہ ڈٹ کے ساتھ مرے تیں نخچہ میں
میدان جیت لوں گا میں بڑھ کر ہزار ہاتھ

تڑپا میں بحر خون میں تو قاتل نے یہ کہا
بیڑا ہے پار اور لگا تین چار ہاتھ

وہ سخت جان تھا غیر کا تب سر جدا ہوا
سفاک نے جو گن کے لگائے ہزار ہاتھ

ایک اسکی چوٹ میں رہے سو سو کھنچا کیے کھیت
کتنا منجھا ہوا ہے دم کار زار ہاتھ

سمجھے یہ سب کہ سیکڑوں منزل گیا امیر
پہونچا جہاں زمیں کے تلے کوئی چار ہاتھ

دل جو سینے میں زار سا ہے کچھ
غم سے بے اختیار سا ہے کچھ

رخت ہستی بدن پہ ٹھیک نہیں
جامۂ مستعار سا ہے کچھ

چشم نرگس کہاں وہ چشم کہاں
نشہ کیسا خمار سا ہے کچھ

نخل امید میں نہ پھول نہ پھل
شجر بے بہار سا ہے کچھ

ساقیا ہجر میں یہ ابر نہیں
آسماں پر غبار سا ہے کچھ

کل تو آفت تھی دل کی بیتابی
آج بھی بے قرار سا ہے کچھ

مردہ ہے دل تو گور ہے سینہ داغ شمع مزار سا ہے کچھ
اس کو دنیا کی اُس کو خلد کی حرص رند ہے کچھ نہ پارسا ہے کچھ
پہلے اس سے تھا ہوشیار امیر
اب تو بے اختیار سا ہے کچھ

داغ غم بھی ہو دلا نالۂ شبگیر کیساتھ کہ سپاہی کو سپر چاہیئے شمشیر کے ساتھ
تیر پہ تیر لگا دیکھ کے او صید افگن لوٹ جائے نہ تڑپنا بھی کہیں نخچیر کے ساتھ
کیا شبیہ رخ گلگوں نے دکھایا عالم کھنچ گیا رنگ میں نقاش بھی تصویر کیساتھ
ناوک ہاتھوں میں ہے ابرو ہے قریب مژگاں تیغ عریاں وہ سپر ہے یہ کماں تیر کیساتھ
حشر تک کشمکش زندگی و مرگ رہے تھم دم ذبح کہے یار جو تکبیر کے ساتھ
عرصۂ جنگ میں بھی پیچھے ہوے او ساقی کیا مزا ہو جو چلے جام بھی شمشیر کے ساتھ
کیا ہوا تیری نگہ سے کوئی زندہ جو بچا تھک گئے پائے اجل دوڑ کے اس تیر کیساتھ
تو نے تیوری جو چڑھائی تو ہوئے سینہ فگار کھنچ گئیں سیکڑوں تیغیں تری شمشیر کیساتھ
بحر ہستی میں کہاں چشم بقا مثل حباب اٹھتی ہے موج خرابی مری تعمیر کے ساتھ
میرے ہوتے نہ چھری پھیر کسی پر اے ترک کاٹ ڈالونگا گلا گردن نخچیر کے ساتھ
ہوں وہ دیوانہ رہا ہو کے بھی زنداں میں رہا کٹ گئے پانوں بھی شاید مری زنجیر کے ساتھ
دی سزا اُس نے گناہوں کی مجھے ہنس ہنس کر دُرّ نایاب ملے دُرّۂ تعزیر کے ساتھ
میرے کھنچتے ہی ستمگر سے چھٹا شوق شکار کٹ گئے تیر کے پر بازوئے نخچیر کے ساتھ
بھر دیا درد یہ رگ رگ میں غم گیسو نے ہڈی ہڈی مری غل کرتی ہے زنجیر کیساتھ
خط رخسار کو اس مہر کے کیا یاد کیا شرح شمسیہ پڑھی حاشیۂ میر کیساتھ
ناتوانی سے یہانتک ہیں اسیری میں تک پانوں اٹھجاتے ہیں اب نالۂ زنجیر کیساتھ
اسطرح ساتھ ہے گردوں کے مرا نالۂ دل جسطرح راہ میں رہتا ہے عصا پیر کیساتھ

بات سیدھی مری ہو جاتی ہے اُلٹی جو امیر
ضد ہے شاید مری تقدیر کو تدبیر کے ساتھ

اُنس رکھتا ہے بہت نالۂ شبگیر کے ساتھ — دل نکل جائے نہ یارب کہیں اس تیر کے ساتھ
حوصلہ دار لگانے کا عبث ہے او ترک — کھنچ گئی روح بدن سے تری شمشیر کے ساتھ
او کماندار یہ چٹکی کی صفائی کا ہے لطف — دل بھی پہلو سے نکل جائے ترے تیر کے ساتھ
خوب دیکھا تو نہیں کوئی کسی کا پس مرگ — طفل ہمراہ جواں ہے نہ جواں پیر کے ساتھ
تحمل کرتے ہیں وہ میں انکو دعا دیتا ہوں — چلتی ہے میری زباں یار کی شمشیر کے ساتھ
چرخ گرداں ہے وہی رستم و سہراب کہاں — تھک گئے کیسے جواں دوڑ کے اس پیر کے ساتھ
صید اُس ترک کا بچتا نہیں کتنا بھاگے — کوسوں آتی ہے قضا دوڑ کے نخچیر کے ساتھ
یار کے حسن جوانی کو مٹاتا ہے فلک — میں بھی مٹ جاؤں الٰہی اسی تصویر کے ساتھ
حسن صورت نے مصور کو کیا مستغنی — ہاتھ کھینچا ہے جہاں سے تری تصویر کے ساتھ
کب پھریں گوشہ نشیں لاکھ زمانہ پھر جائے — قطب گردش نہیں کرتا فلک پیر کے ساتھ
میں صنیچوں کا ہوں بیمار مرے نسخے میں — عرق شیر بھی ہو قرص طباشیر کے ساتھ
قابل نطق نہیں کلک کے مانند زباں — خامشی خلق ہوئی ہے مری تقریر کے ساتھ
ظلم یاد آتے ہیں اس بت کے جو پڑھتا ہوں نماز — منہ سے فریاد نکل جاتی ہے تکبیر کے ساتھ
پہلوئے مہر میں ذرہ نظر آئے سب کو — حور کا نقشہ جو کھینچیں تری تصویر کے ساتھ
ہوں وہ نخچیر تجھے دیکھ کے یہ گھبرایا — دست قاتل سے کماں چھوٹ گئی تیر کے ساتھ

کیا عجب ہے میں بھی شہیدوں میں ہوں محسوب امیر
اُنس رکھتا ہوں بہت حضرت شبیرؑ کے ساتھ

بڑھ کے تصویر سے لاغر ترا حیراں ہے کچھ — ہڈیاں چار بدن میں ہیں فقط جاں ہے کچھ
وصل کی راتیں بڑی ہجر کی چھوٹی ہوں اگر — یہ تو کہہ اے فلک اسمیں ترا نقصاں ہے کچھ

میرے مرنے کی خبر کوئی کہے تو اُس سے — کیوں ہوا کیا نہ سمجھ جائیگا ناداں ہے کچھ
وصل میں بولے وہ گھبرا کے مری صحبت سے — کیا کرے بات کوئی اس سے یہ انساں ہے کچھ
یاد غیروں کو تو ہر وقت کیا کرتے ہو — یہ تو فرماؤ ہمارا بھی کبھی دھیان ہے کچھ
حال پوچھے جو وہ قاصد فقط اتنا کہنا — آجکل غم ہے بہت سخت پریشان ہے کچھ

دیجے بوسہ مجھے وہ وصل میں کہتے ہیں امیرؔ
سچ بتا دل میں ترے اور بھی ارمان ہے کچھ

رند مشرب ہم ہوئے دستِ سبو پیر مغ کے ہاتھ — دستگیری اب ہے ساقی ساقیٔ کوثر کے ہاتھ
عشقِ بُت بتخانے سے جانے نہیں دیتا مجھے — دب گیا ہے کیا کروں زاہد تلے پتھر کے ہاتھ
دخل جو رکھتا ہے فن میں قدرداں ہوتا ہے خوب — بیچئے آئینۂ دل چل کے اسکندر کے ہاتھ
لاش بھی مدفون اُسی کے کوچے میں ہو یا خدا — دامنِ جلاد آیا ہے مجھے مر مر کے ہاتھ
اس لیئے تا جائے نامہ کوئی دیجائے غریب — خط مجھے بھیجا تو بھیجا آپ نے بازیگر کے ہاتھ
سخت جانی مجھ کو شرمندہ نہ قاتل سے کرے — آبرو اب اے گلو ہے تیز تر خنجر کے ہاتھ
فصلِ گل آئی ہوئے سب مست اب کیسا لحاظ — گردنِ قاضی میں ہیں مستِ مئے احمر کے ہاتھ
لاکھ ہو سامان دولت ایک بھی رہتا نہیں — دونوں خالی پائے بعد مرگ اسکندر کے ہاتھ

دستِ نازک سے اُٹھینگے کب کڑے بھاری امیرؔ
گر سُنے میری تو باندھوں سامنے زرگر کے ہاتھ

ردیف یائے تحتانی

زیور سے بڑھ کے تجھ کو تری چال ہوگئی — موجِ خرام پانوں میں خلخال ہوگئی
زلف اُسکی مرغِ دل کیلئے جال ہوگئی — چوٹی گندھی تو جان کا جنجال ہوگئی
اللہ رے گرمیاں تری وحشی کی اے پری — زنجیر پانوں میں جو پڑی لال ہوگئی

کیسا سلوک مجھ سے کیا اشکِ شرم نے — زائل سیاہیِ خطِ اعمال ہو گئی

خوش خوش سمندِ ناز کو دوڑا رہے ہیں وہ — کیا غم کسی کی لاش جو پامال ہو گئی

چھوٹا وہ ہجرِ حسن پڑے ہم عذاب میں — فرقت میں جو گھڑی تھی وہ گھڑیال ہو گئی

دیتا ہماری لاش کو عزت ہے کون غسل — روئی جو چشمِ تر وہی غسال ہو گئی

یہ وصف میں کیا شعرا نے مبالغہ — نقطہ دہانِ تنگ کمر بال ہو گئی

ملتے نہیں جو سکۂ داغِ جنوں ہمیں — اے عشق بند کیا تری ٹکسال ہو گئی

دل مل گئے وصال کے سودا ابھر گیا — الفت کی آنکھ بیچ میں دلال ہو گئی

ادبار تھا فراق تھا جب تک کہ یار سے — دل مل گئے ترقیِ اقبال ہو گئی

راتوں کو چھپ کے آنے لگا ہے وہ مہوش — ہر شام صبحِ غرۂ شوال ہو گئی

پایا نہ اس سے تو نے کبوتر جوابِ خط — آنکھ اس سے روتے روتے تری لال ہو گئی

آیا تھا سونے حشر میں آفت کے لیے — ہاں تو شروع پرسشِ اعمال ہو گئی

ساقی ہو وقتِ مرگ سا حسنِ بتاں سے عشق تازہ — کیں اور گرمیاں جو کہن سال ہو گئی

آرائش اسکی زلف نے کس طرح سے کی — ہنسلی گلے میں پاؤں میں خلخال ہو گئی

محفل میں کہہ رہا ہوں انا الحق پکار کے — منصور کی زباں تری بھتال ہو گئی

کرتے ہیں فاقے فرقتِ زلفِ سیاہ میں — یہ کالکا ہمارے لیے کال ہو گئی

اچھا ہوا کہ مرگ سے ہم پہلے مر گئے
ہونی تھی جو امیر وہ فی الحال ہو گئی

چاہنا ہم کو تو اس کا چاہیئے — وہ ہمیں چاہے تو پھر کیا چاہیئے

دل نے جب پوچھا مجھے کیا چاہیئے — درد بول اٹھا تڑپنا چاہیئے

کان جب آواز سنتے ہیں تری — آنکھ کہتی ہے کہ دیکھا چاہیئے

بوالہوس اور ادعائے سوزِ عشق — داغ کھانے کو کلیجا چاہیئے

دل مرا کہتا ہے سنکر شورِ حشر　　یہ نمک زخموں پہ چھڑکا چاہیئے

وعدہ آنے کا ہو اُن سے خواب میں　　خواب کب آتا ہے دیکھا چاہیئے

حرصِ دنیا کا بہت قصہ ہے طول　　آدمی کو صبر تھوڑا چاہیئے

طالبِ بے پردگی ہو اُن سے حُسن　　شرم کہتی ہے کہ پردا چاہیئے

امتحاں ہے دوست دشمن کا عبث　　یہ تو اپنے دل سے پوچھا چاہیئے

دوست میرا ہمنفس رہا ہو غیر سے　　جان کو دشمن کے دینا چاہیئے

خشک لب ہیں صورتِ دریا تو ہوں　　وسعتِ دل مثلِ دریا چاہیئے

ترکِ لذت بھی نہیں لذت سے کم　　کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیئے

یوں وہ بولے میں نے جب اُن سے کہا　　چاہنے والوں کو چاہا چاہیئے

تم نے چاہا مجھ کو میں نے غیر کو　　اپنا اپنا جی اسے کیا چاہیئے

ہے مزاج اس کا بہت نازک امیر
ضبطِ اظہارِ تمنا چاہیئے

مشکل آساں نہ ہوئی تیرے گنہگاروں کی　　حیف منہ موڑ گئی پڑ کے کھنچی تلواروں کی

ہچکیو نکلی ملک الموت نے ٹھہرائی ہے ڈاک　　موت کے گھر میں ہے دعوت ترے بیماروں کی

کر نہ انکار مرے خون سے اے تیر فگن　　دیکھ کچھ کہتی ہے سرخی ترے بیماروں کی

چار سر جوڑتے ہیں چار کھڑے روتے ہیں　　مجلس وعظ نہیں بزم ہے میخواروں کی

اک ذرا پانوں اٹھائے ہوئے اے توسنِ عمر　　مدتوں سے خبر آئی نہیں کچھ یاروں کی

کھول کر بال جو آتے ہیں وہ زنداں کی طرف　　کچھ بڑھا جاتے ہیں میعاد گرفتاروں کی

دم نکلنے پہ بھی ان ابروؤں کا دھیان رہا　　قطع کی راہِ عدم چھاؤں میں تلواروں کی

دل شکستہ ہے جو تو یہ تو عجب کیا زاہد　　ہے نکالی ہوئی صحبت سے یہ میخواروں کی

سب کو پاس اپنوں کا ہوتا ہے یہ ہے عشق کا حکم　　بیگناہوں سے صف آگے ہو گنہگاروں کی

پیچھے پر طائروں کو دیتا ہو صیاد قضا — قینچیاں پہلے عطا ہوتی ہیں منقاروں کی

خون گرفتہ ہوں میں ایسا مری شکر آمد — ڈاک بٹھلائی ہو قاتل نے خبرداروں کی

آہ کیسی ہی کڑی اُف نہیں کرتے عاشق — قید آواز بھی ہے ان کے گرفتاروں کی

میں وہ وحشی ہوں کہ جب کوچۂ جاناں میں گیا — سایہ پوشیدہ ہوا آڑ میں دیواروں کی

ہو مزہ وصل کا کیا ہوش اُڑا دیتی ہے — بھینی بھینی مہک اے یار ترے ہاروں کی

ہمہ تن فکر ہوں میں فکر غزل کیا ہو امیر
شعر گوئی نہیں خاطر ہے فقط یاروں کی

سیر منظور ہے اُس ماہ کو بازاروں کی — اب چمک جائیگی تقدیر خریداروں کی

حد نہیں کچھ مرے یوسف کے خریداروں کی — پھونک دے شہر نہ گرمی کہیں بازاروں کی

اُنکی پلکوں نے یہ قالب کئے تیروں نے تہی — شکل پیکانوں میں پیدا ہوئی سوفاروں کی

نامہ بر کوچۂ قاتل کا یہ کافی ہے پتا — مینہہ وہاں تیروں کا بوچھاڑ ہے تلواروں کی

ہوں وہ دیوانہ گلیسو کہ گریباں کے عوض — چوٹیاں ہاتھ میں رکھتا ہوں میں کہساروں کی

گھر سے تو کھینچ کے شمشیر نکل تو قاتل — بھیڑ چھٹ جائیگی دم بھر میں گنہگاروں کی

کوکناروں کی ہوا سے نہیں ہلتے ہیں درخت — ڈولیاں ہیں یہ ترے شمال کے بیماروں کی

دفعتہً پڑ گئی جب چاہ زنخداں پہ نگاہ — جا رہیں آنکھیں گڑھے میں ترے بیماروں کی

مر گئے ہم تو بنا آئینہ خانے میں مزار — دل سے الفت نہ گئی آئینہ رخساروں کی

اتنی توفیق معلم کو الٰہی ہو کہ دے — ساتھ عیدی کے اُسے فرد گنہگاروں کی

بوسہ لب نہیں دیتے وہ شکر رنجی سے — تلخ ہو زیست نہ کس طرح نمکخواروں کی

داورِ حشر سے محشر میں کہیں گے میخوار — یہی گھڑی رہی جاتی ہے گنہگاروں کی

ایسے زندان محبت میں ہیں جکڑے ہوئے — کہ نکل سکتی نہیں جان گرفتاروں کی

چٹکیاں ہیں یہ کلیجے میں کہ دل چیخ اٹھا — دو گھڑی بیٹھے تھے کل بزم میں یاروں کی

گر گئی آپ مری لاش پہ خاک امیر
مر کے تکلیف گوارا نہ ہوئی یاروں کی

میں رو کے آہ کروں گا جہاں رہے نہ رہے — زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے

رہے وہ جان جہاں یہ جہاں رہے نہ رہے — مکیں کی خیر ہو یارب مکاں رہے نہ رہے

ابھی مزار پہ احباب فاتحہ پڑھ لیں — پھر اس قدر بھی ہمارا نشاں رہے نہ رہے

بس شباب ہو گیا اعتبار جمع حواس — کہ ایک شب سے سوا کارواں رہے نہ رہے

خدا کے واسطے کلمہ بتوں کا پڑھ زاہد — پھر اختیار میں غافل زباں رہے نہ رہے

ہمارے دل سے مٹے گا نہ داغ شوق سجود — جبیں رہے نہ رہے آستاں رہے نہ رہے

خزاں تو خیر سے گذری چمن میں بلبل کو — بہار آئی ہے اب آشیاں رہے نہ رہے

چلا تو ہوں پئے اظہار درد دل دیکھوں — حضور یار مجال بیاں رہے نہ رہے

کروں گا مر کے بھی میدان عشق میں تگ و تاز — سمند عمر رواں زیر راں رہے نہ رہے

تڑپ رہی جو یہی دل کی بعد مرنے کے — زمین گور تہ آسماں رہے نہ رہے

قیام روح پہ قالب میں اعتماد نہ کر — کچھ اعتبار نہیں میہماں رہے نہ رہے

رواں ہے تیغ لگا دے مرا بھی بیڑا پار — پھر اس طرح سے یہ کشتی رواں رہے نہ رہے

شب وصال غنیمت ہے پھر خدا جانے — کہ صبح کو وہ قمر مہرباں رہے نہ رہے

چلا ہوں کوچۂ قاتل کو سر کے بل دیکھوں — یہ حال دل کا دم امتحاں رہے نہ رہے

دو روزہ زیست غنیمت ہے ذکر حق کر لے — بدن میں جان دہن میں زباں رہے نہ رہے

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

زمانہ ہو گیا مدہوش چشم مست دلبر سے — تماشا ہے کہ چھلکی محفل کی محفل ایک ساغر سے

پڑا ہے داغ میرے دل میں عشق قد دلبر سے — یہ سودا ہاتھ آیا ہے مجھے بازار محشر سے

گریزاں کیوں نہ ہوں اغیار میری آہ کو سنکر — شیاطین بھاگتے ہیں نعرۂ اللہ اکبر سے

چمن میں جا کے یہ گلرو نئی چالیں دکھاتے ہیں — گلوں سے تن کے چلتے ہیں اکڑتے ہیں صنوبر سے

یہ روز و شب نہیں کٹتے ہیں غافل زندگانی کے — نکلتا جا رہا ہے روز اک دو ورقہ تیرے دفتر سے

جدا کر دی ہے مجھ کو جو دیکھا اس نے آئینہ — مقدر لڑ گیا میرا سکندر کے مقدر سے

جواب خط نہ لائے دونوں آخر روز حشر آیا — الٰہی اب لڑوں قاصد سے جھگڑوں کہ کبوتر سے

حسیں کہتے ہیں مرے دل کو پا کر اپنے مجمع میں — نکل کر اب کہاں جاتا ہے یہ پنچھی لشکر سے

نہایت دقت چاہ ذقن میں دل پریشاں ہے — کنوئیں میں گر پڑا ہو جیسے آپ کیا نکلے اوپر سے

ہوا ہے اب دنیا تو دنیا تنگ پر آئی — کٹے ہیں اس دلہن سے لال کپڑے خوشبو ہر سے

نہیں حاجت روا مجھ سوں کے دنیا میں — یتیموں کی کبھی ہو پیاس کسدن آب گوہر سے

رہا بیتاب حرص زر میں یہ جب تک کہ عدت — بناؤ تختۂ قبر ہوس مس کی چادر سے

چمن میں اب تو زیر سایۂ انگور بیٹھا ہوں — ٹپک کر گر پڑیگا کوئی تو دانہ مقدر سے

پڑھا جاتے تھے غم کے ختم بھی حلقے میں مستوں کے — وہی ہم ہیں کہ پھر جاتا ہے سر اک دورِ ساغر سے

غبار جہل اڑا دیتا ہے فیض صحبت کامل — شعاع مہر تاباں کم نہیں سائے کو شہپر سے

جزائے خیر دے اللہ میرا میرے قاتل کو — کہ سارا نامۂ اعمال دھویا آب خنجر سے

یہ ایما کس کے شہباز نظر کا تھا کہ رستے میں — لیا تھا میں نے نامہ توڑ کر بازو کبوتر سے

امیر اک قطرۂ آنسو کا گراں ہو گئے مژگاں پہ
گرہ رشتے کی سوزن کے لیئے بڑھ کر چولنگر سے

ہوئیں پرنور آنکھیں جلوۂ رخسار دلبر سے — ہمارا طالع خوابیدہ چونکا شور محشر سے

پلا دے بادہ خواروں کو شراب روح پرور سے — مٹا دے ساقیا دوران سر کو دور ساغر سے

تڑپ کر جیب نکل جاتا ہوں میں کوٹھے کے منگر سے — اشارہ کرتی ہیں آپس میں نگاہیں چشم جوہر سے

ندامت سے جبیں پہ زاہدان خشک روتے ہیں — بھیگی رو سیاہی خاک اس پانی کی چادر سے

جواب خط نہیں آیا ہے پیغام اجل آیا | لکھا تعویذ اُس نے قبر کا خونِ کبوتر سے
پلا دے بادہ ہم کو بخل اتنا بھی نہیں اچھا | کہ خم خالی نہ ہو جائیگا ساقی ایک ساغر سے
مآلِ کار کی صورت نظر آتی تو رو دیتا | برنگِ اشک گرتا آئینہ چشمِ سکندر سے
دُرِ گوشِ صنم کے وصف میں لازم طہارت ہو | تیمم کیجئے گردِ یتیمی لے کے گوہر سے
پہ پرواز کی حاجت ہے کیا رنگِ پریدہ کو | شکستِ خاطر اس طائر کے حق میں کم نہیں پر سے
وہ منصف ہوں جو خال و خطِ جاناں تک تولو | مگس کا شہد سے منہ بھر دیا موروں کا شکر سے
کیا قمری کو صیادِ ازل نے سرو کا قیدی | شکار اُڑتے ہوئے طائر کا کھیلا تیر بے پر سے
میں وہ دیوانہ قامت ہوں جاتا ہوں جو گلشن میں | لپٹ جاتا ہے سایہ خوف کے مارے صنوبر سے
تری تیغِ نگہ کا جب دمِ ایجاد دھیان آیا | سکندر نے زرہ پہنائی آئینے کو جوہر سے
مقدر ہی جو وارون ہو تو کام آتی ہے کب دولت | ہمیشہ خاک چھنوائی فلک نے کیمیاگر سے

جواب نامہ لکھ کر طرفہ شوخی کی امیر اس نے
کہ مقراضِ اسپ کی ظالم نے منقارِ کبوتر سے

پھولوں میں اگر ہے بو تمہاری | کانٹوں میں بھی ہو گی خو تمہاری
اُس دل پہ ہزار جان صدقے | جس دل میں ہو آرزو تمہاری
دو دن میں گلو بہار کیا کی | رنگت وہ رہی نہ بو تمہاری
چٹکا جو چمن میں غنچۂ گل | بو دے گئی گفتگو تمہاری
مشتاق سے دور بھاگتی ہے | اتنی ہے اجل میں خو تمہاری
گردش سے ہے مہر و مہ کے ثابت | ان کو بھی ہے جستجو تمہاری
آنکھوں سے کبھو کمی نہ کرنا | اشکوں سے ہے آبرو تمہاری
لو سرد ہوا میں نیم بسمل | پوری ہوئی آرزو تمہاری
سب کہتے ہیں جس کو لیلۃ القدر | ہے کاکلِ مشک بو تمہاری

تنہا نہ چھوڑ دے امیر شب کو
ہو گھات میں ہر عدو تمہاری

جو ہو بہار اُس کو خزاں کا خطر بھی ہو — اے باغبان لینت کی تجھ کو خبر بھی ہو

گرداب ہوں خاک جو ہیرے یوں کو نظر بھی ہو — یہ اشک خوں تو لعل بھی ہو اور گہر بھی ہو

سینے سے دیکھ بھال کے ناوک کو کھینچنا — ناوک کے ساتھ یار کسی کا جگر بھی ہے

محشر میں ہوں گے تیرے ستم کے یہ دو گواہ — ہمراہ زخم دل بھی ہو داغ جگر بھی ہے

کونین میں ہو جلوۂ حسن و جمال دوست — ہو ایک روشنی کہ اِدھر بھی اُدھر بھی ہے

کیا یہ بھی تیری الفت عارض میں ہو یقین — تپ بھی ہو آفتاب کو دوران سر بھی ہے

کیا فائدہ کریں جو رفوگر سے التجا — صد چاک مثل جیب ہمارا جگر بھی ہے

فرقت کی شب میں کوئی چمکتا نہیں یہاں — اس مہر کیطرح سے گریزاں سحر بھی ہے

صد چاک ہو جو دل تو جگر داغدار ہو — دیکھو تو ایک جا یہ کتاں بھی قمر بھی ہے

محبوب حق کا خاص یہ رتبہ ہو اے امیر
داخل ہو لامکاں میں یہ حد بشر بھی ہو

عمر رواں کو جان کوئی موج آب کی — تار نفس نگاہ ہے چشم حباب کی

نوبت نہ آئی اپنے حساب و کتاب کی — اللہ شام بھی ہو گئی روز حساب کی

ہیں وہ سیاہکار ہوں جب ہوا ہوں دفن — چلاتی ہو زمیں مری مٹی خراب کی

امیدوار بارش ابر کرم ہیں ہم — بجلی گرائیے نہ نگاہ عتاب کی

اللہ رے قدر میرے گناہوں کی روز حشر — تعظیم کو کھڑی ہوئی میزان حساب کی

سو جانیں ہوں تو تیغ پہ تیری فدا کروں — کیا جلد کٹ گئی ہو گھڑی اضطراب کی

باندھی ہو سر دھری گردوں نے کیا ہوا — نکلی ہو برق اوڑھ کے کملی سحاب کی

مصروف یاد دوست ہوں اے منکر و نکیر — پوچھا کرو یہاں نہیں فرصت جواب کی

ڈرتے نہیں ہو ساقیٔ کوثر سے واعظو
منبر پہ بیٹھ کر یہ مذمت شراب کی

بلبل کے جذب عشق سے گل اور اُٹھ چلے
کھنچنے سے اور تیز ہوئی بو گلاب کی

چلتی ہے مثل موج جو وہ تیغ آبدار
مٹھی میں جان رہتی ہے ہر دم حباب کی

ایک ایک تل ہے عارض جاناں کا لاجواب
قرآں کو احتیاج نہیں انتخاب کی

یہ وجہ ہے جو عارض جاناں پہ ہے نقاب
کرتی ہے جلد خوب حفاظت کتاب کی

ان غافلوں سے غفلت دل اپنی کیا کہیں
مردے نہ دیکھیں کبھی تعبیر خواب کی

وہ رشک ماہ منھ سے لگاتا نہیں امیر
مٹی خراب ہے قدح آفتاب کی

چمکی یہ روئے یار سے قسمت نقاب کی
جالے سے چھن رہی ہے کرن آفتاب کی

دولت لٹا رہے ہیں وہ حسن شباب کی
کیا جانے کیا سمجھ کے یہ سوجھی ثواب کی

کھوئی کدورتوں نے ہماری صفائے دل
اس آئینے کی زنگ نے مٹی خراب کی

سجدے کئے ہیں میں نے کہ خط جبیں اٹھا
ایسی ہوئی خوشی مجھے خط کے جواب کی

کیف ہوائے وادیٔ وحشت سے مست ہوں
آہو کی شاخ مجھ کو قلم ہے شراب کی

سوتے تھے وہ لپٹ کے کبھی ہم سے رات بھر
اب کیا کریں وہ ذکر کہ باتیں ہیں خواب کی

بولے وہ چاندنی میں ہوئے جب عرق عرق
گرمی ہے ماہتاب میں بھی آفتاب کی

ساحل کی سیر کو اگر آئے وہ بحر حسن
دریا اچھالنے لگے ٹوپی حباب کی

نقشہ ہی اپنے روئے کتابی کا بھیج دو
ہے ہم کو نقل و اصل برابر کتاب کی

دریا پہ یا خدا یہ چڑھی کس کی فوج اشک
چادر ہلا رہی ہے جو ہر موج آب کی

اندازے سے جو باقی ہو باہر مرے گناہ
زور اپنا تولتی ہے ترازو حساب کی

کیا قہر ہے کہ روز قیامت ہوا تمام
دیکھی گئی نہ فرد ہمارے حساب کی

واعظ تری سمجھ کے بھی قربان جائیے
قرآں میں تو طہور صفت ہے شراب کی

گلشن میں بلبلیں ہیں ہماری طرح سے مست — ساقی گلابیاں ہیں کہ کلیں گلاب کی

شہرت اگر نہ مے کی ہو اس نام سے امیر
دنیا میں آبرو نہ رہے آفتاب کی

مانگا جو بوسہ آنکھ دکھائی عتاب کی — تھا بے دہن تو بات بھی کیا لاجواب کی

کیا قہر ہے کہ چھوڑ کے بھٹی شراب کی — بھیجا بہشت میں مری مٹی خراب کی

موسیٰ کو یہ چشمکی ہے کہ برق جمال بھی — اک تہ اتر گئی تھی تمہارے نقاب کی

مے پیجئے تو باارم انگور کے تلے — تاریکی چھاؤں نہیں ہے بہار آفتاب کی

انساں کا دل تنک اک آفت صد آفریں — دیکھو بساط کیا ہے غریب اک حباب کی

کس شہسوار حسن کا ہے اس کو انتظار — اب تک کھلی ہوئی ہیں جو آنکھیں رکاب کی

آوازِ صور سنکے میں کیوں اٹھ کھڑا ہوا — کچھ یہ تو ایسی بات نہ تھی اضطراب کی

نقاش کیا تمام مرقع نے رو دیا — تصویر دیکھ کر مری چشم پر آب کی

دنیا ہی میں سزا مجھے غفلت کی ہو گئی — تعبیر خواب ہی میں ملی مجھکو خواب کی

اللہ رے جوش شرم معاصی کا بعد مرگ — چادر مرے مزار کی چادر ہے آب کی

تا سب پہ شان عفو نمایاں ہو روز حشر — چھن لی ہے اس نے فرد ہمارے حساب کی

ساقی کا دل ضرور مکدر ہے کچھ نہ کچھ — تلچھٹ ہوئی ہے ہمکو عنایت شراب کی

غم میں بشر ہو کیوں نہ بشر کا شریک حال — تڑپی جو موج آنکھ بھر آئی حباب کی

احسان سر پہ ناخن شمشیر یار کا — کیا دل سے کھول دی ہے گرہ پیچ و تاب کی

دیکھو تو اتحاد ذرا حسن و عشق کا — بلبل کے آنسوؤں میں ہے خوشبو گلاب کی

ان غافلوں سے غفلت دل کیا کہیں امیر
مُردے نہ دے سکیں کبھی تعبیر خواب کی

وہ چاٹ دوں کرے نہ مذمت شراب کی — واعظ کے منھ پہ مہر لگا دوں کباب کی

پردہ چاک ہو اُس کے رخ بے حجاب کی — حاجت ہو کیا نقاب پہ اُسکو نقاب کی

ساقی ہیں رند دیکھ کے دوزخ کو روز حشر — سمجھا کہ گرم ہو گئی بھٹی شراب کی

کیا بے حساب حشر میں چھوٹیں گنا ہگار — باری جو پہلے آئے ہمارے حساب کی

گریاں وہ ہوں کہ جب مری تربت پہ آگیا — چادر چڑھائی ابر نے رو رو کے آب کی

قالب میں روح بند فرشتوں نے کی عبث — بے فائدہ غریب کی مٹی خراب کی

ہم غرق میں ڈوب کے آبرو واں بچی — دیوار بھر گئی ہے گوشہ ہی حباب کی

خواہش بجائے نشہ مے سوز دل کی ہے — ساقی شراب دے مجھے اشک کباب کی

حیراں ہیں جائے اہل عدم سے کہینگے کیا — جی بھر کے سیر کی نہ جہان خراب کی

مقتل ترا تمام زمانے سے ہو جدا — قائل ہو ہجر تیغ ہے موج اضطراب کی

کتنا دنی ہے چرخ جو مہماں ہوئے مسیح — دی ایک نان خشک النفیس آفتاب کی

دکھلا رہا ہے دختر رز رنگ برق طور — چوٹی ہے طور کی مجھے بوتل شراب کی

دی جان کس نے وادی غربت میں تشنہ لب — ہر موج موج چاک گریباں سراب کی

فرقت میں ہے یقیں کہ شب زندگی ہو صبح — پیدا ہو درد دل میں چمک آفتاب کی

اُس بت پہ عاقبت دل ناصح بھی آگیا — اللہ نے ہماری دعا مستجاب کی

فرقت میں دل جلاتی ہے بوئے کباب امیر
رو رو کے موجیں آتی ہیں مجھ کو شراب کی

حالت لکھی ہے رو کے اسے اضطراب کی — سطریں کہ پیچ و تاب میں موجیں ہیں آب کی

آئے مزار پہ ہوئی خفت عذاب کی — مدت کے بعد راہ چلے وہ ثواب کی

نیرنگیاں ہیں طرفہ رخ بے نقاب کی — سرخی شفق کی ہے تو چمک آفتاب کی

تم شہسوار حسن ہو لگ جائے گی نظر — گھوڑے سے اترو آنکھ بچا کر رکاب کی

ذرہ ہی جانتے ہیں جسے آفتاب حشر — تصویر ہے وہ دختر رز کے شباب کی

سمجھ لیئے تھا ہاتھ میں اے بت جو کل تلک — وہ آج تیرے عشق میں زنار بند ہے

ارشاد جو ہوا تھا زباں سے دم نخست — بندہ اسی کا آج تلک کاربند ہے

اور ونکا ذکر کیا لب جاں بخش کے حضور — عیسیٰ کا ناطقہ دم گفتار بند ہے

اظہار خط ہوا اس رخ گلرنگ پر امیر
یا گل کے گرد باغ میں یہ خار بند ہے

بے وجہ ایک ادا سے بگڑ گئی — تقدیر کیا فلک کی جفا سے بگڑ گئی

سوجھی جو بت رہ نہ بچا اپنا درد دل — طبع مریض اور دوا سے بگڑ گئی

پوچھو خرابی تن خاکی کا کچھ نہ حال — تعمیر اس مکان کی بنا سے بگڑ گئی

چاکر مسیح اور مریضوں کو دیں شفا — اپنی تو سانس قم کی صدا سے بگڑ گئی

کیسا فتور چار عناصر میں پڑ گیا — پانی سے آگ خاک ہوا سے بگڑ گئی

اپنی عزت سے فکر ہے لازم بناؤ کی — بگڑی ہی جو خوئے یار جفا سے بگڑ گئی

سنا ہے خدا ہے قصہ موسیٰ دلیل ہے — اچھوں کی بھی بڑوں کی دعا سے بگڑ گئی

کچھ دل کا حال گرد کدورت میں خوب تھا — اس آئینے کی شکل جلا سے بگڑ گئی

ہمکو چمن سے کیا کہ ہوا خواہ دام ہیں — گلچیں سے باغباں سے صبا سے بگڑ گئی

حاضر ہے دوسرا نہیں ایک نامہ بر — ہدہد سے بن گئی جو ہما سے بگڑ گئی

ہم مست بوسۂ لب ساقی ہیں اے امیر
بگڑی جو دختِ رز سے بلا سے بگڑ گئی

دم بھر بھی دم اب آ کے گنہگار لے چکے — وہ بہر قتل میاں سے تلوار لے چکے

جسطرح ہوگا ناز بتوں کے اٹھائینگے — ذمے میں اپنے ہم تو یہ بیگار لے چکے

دھمکا رہی ہے گرمی بازار حشر کیا — ایسے ہزاروں تو ترے بیمار لے چکے

ہم تڑپ چلے جو وصل میں بوسے فراز سے — بس بس کہ بوسے ایک کے تم چار لے چکے

طاؤس کیا خاک اڑائینگے انکی چال — ٹھوکر ہزار جا دم رفتار لے چلے
دیکھیں کہ اب تغافل ساقی دکھائے کیا — انگڑائیاں خمار میں مے خوار لے چلے
ٹھہرے جو کوئے یار میں درباں نے یوں کہا — آگے بڑھو کہ دم پس دیوار لے چلے
وہ حسن اب کہاں کہ ہوا آشکار خط — رخ کی بلائیں گیسوئے خمدار لے چلے
بس بس زباں روک لو اتنا نہ بڑھ چلو — ہم چپ ہیں آپ دن کی سو بار لے چلے
ملتی نہیں ہے نقد دو عالم پہ جنس وصل — قیمت یہ ہے تو ہول خریدار لے چلے
پروائے جسم کیا صدف بے گہر ہو آپ — جلاد جان سا در شہوار لے چلے
اہل جہاں کو بستر آرام ہو نصیب — کروٹ کہیں زمانہ غدار لے چلے
کیا ہاتھ آئے اہل ہوس کو وہ مشک زلف — سودا یہ جان دے کے خریدار لے چلے
آئے کبھی نہ آپ زیارت کے واسطے — ہم تعزیہ بھی بن کے عزادار لے چلے

کب تک کٹے امیر پریشانیوں میں عمر
دل کی بھی دی وہ طرۂ طرار لے چلے

ایک پوشیدہ کمر یار نے کیا رکھی ہے — آنکھ بھی تنگ کل دہن ہم سے چرا رکھی ہے
کھینچ شمشیر ادا میان میں کیا رکھی ہے — یہ بھی کیا گات ہے قاتل جو چھپا رکھی ہے
ہجو سے بیٹھ کے مسجد میں نہ کر اے واعظ — ایسی شے ہے کہ قیامت پہ اٹھا رکھی ہے
اک ذرا وحشت دل بڑھ کے خبر تو لینا — خاک کیا نجد میں مجنوں نے اڑا رکھی ہے
بزم مے میں جو گئے ہم تو کہا ساقی نے — اک صراحی تری خاطر بھی لگا رکھی ہے
نگہ ناز سے بھی دیکھ جو کرتا ہے ملال — یہ ادا کس کے لیئے تو نے اٹھا رکھی ہے
سامنے کرکے نگہ مجھ سے یہ قاتل نے کہا — کہ ترے دم کو یہ تلوار لگا رکھی ہے
نہ دکھاتے ہیں کمر کو نہ دہن کو یہ بت — اچھی جو چیز تھی وہ آپ اڑا رکھی ہے
حشر کے دن نہ شکایت میں کمی کر اے دل — اب یہ کس دن کیلئے تو نے اٹھا رکھی ہے

نمک افشاں جو ہوا زخم پہ وہ ہنس ہنس کر — میں یہ سمجھا کوئی قاتل نے دوا رکھی ہے

غیر کے ساتھ وفا کر کے وہ مجھ سے بولے — یہ وہی بات ہے جو تم نے بتا رکھی ہے

جا کے لے آئے اُسے پھر نہیں جھگڑوں نہ لڑوں — مختصر بات ہے ناصح نے بڑھا رکھی ہے

نزع میں آؤ تو اُس کو بھی تصدق کر دیا — جان اک سد رمق ہم نے بچا رکھی ہے

یار مختار ہے جو چاہے کرے ہم نے امیر
گردن عجز تہ تیغ رضا رکھی ہے

کیا دور ہو یہ اس کے تباں و جلال سے — چھینے ہے چھین لے کر آنکھیں غزال سے

ڈالی سپر نجوم نے اس مہ رشا کے خال سے — ابرو نے بڑھ کے تیغ چھینا ہلال سے

واقف ہوں اہل زیب جو اپنے مآل سے — سرمہ بھی پھر لگائیں تو گرد ملال سے

بوسہ نہ کس حسین کا ملا باغ حسن میں — ایک ایک پھول توڑ لیا ہر نہال سے

یہ رنگ جلد جلد بدلتا ہے وہ نگار — آئینہ شہر میں ہے ہجوم مثال سے

یہ کیف حسن ہے کہ تصور سے ہوش اڑیں — ہوتا ہے مست کب کوئی مے کے خیال سے

سمجھا ہیں چین گوشہ ابرو سے ہو کے صید — مارا فلک نے تیر کمان ہلال سے

ہندوں کو چشم شوق بتوں کو دیا جمال — واقف ہے کون مصلحت ذوالجلال سے

کیا کیا چمک چمک کے نکلتے ہیں مہر و ماہ — گل تیرے بنگلے چھو گئے کیا تیرے گال سے

سنبل نظر پڑا نہ کوئی گل نظر پڑا — خوشبو میں بڑھ کے زلف سے رنگت میں گال سے

صیاد میں تو طائر رفعت پسند ہوں — نکلا مرے قفس کو تو شاخ ہلال سے

انجام کو نہ سوچ جو دنیا کی ہو طمع — ہاتھ آئے مال مدح گرا دین آل سے

غمگین میں ہوا تو ہوا اُن کا صاف دل — چمکا یہ آئینہ مرے گرد ملال سے

دکھلا کے آنکھ دل نہیں مجھ مست کا لیا — تم نے شکار شیر یہ کھیلا غزال سے

چاہ ذقن میں دل ہے میں غافل ہزار حیف — یعقوب کو خبر نہیں یوسف کے حال سے

ساقی کہاں پیاس سے جلتا ہے یہاں جگر　　لا جلد برف میں سے اگر لگی ہوئی

جائیگا سوئے زلف دل اکدن ضرور امیر
ظلمت کی دھن ہے مثل سکندر لگی ہوئی

خوش خرامی پہ جو اس بت کی طبیعت آئی　　چال اڑانے کو دبے پاؤں قیامت آئی
اک بلا سر سے ٹلی دوسری آفت آئی　　شب فرقت جو گئی صبح قیامت آئی
اے اجل باندھ کمر وقت ترا آ پہونچا　　دن ڈھلا دیکھ وہ شام شب فرقت آئی
ہم ہیں کشتۂ رفتار ہیں کیا ہم کو خبر　　کب پھونکا صور کب اے یار قیامت آئی
دل پرسوز کا نوحہ جو میں پڑھنے بیٹھا　　داد دینے کے لیئے بزم میں رقت آئی
تیغ قاتل سے تھی امید بڑی ہائے نصیب　　وہ بھی منھ موڑ گئی جب مری نوبت آئی
ہاتھ میں نے جو بڑھایا کبھی گیسو کی طرف　　بولے جھنجھلا کے یہ شاید تری شامت آئی
حال بیمار محبت کا یہ آخر کو ہوا　　ملک الموت کو بھی دیکھ کے رقت آئی
تھی تو کچھ دلمیں کشاکش درد کی پہلے سے مگر　　پاس سے آپ کا جانا کہ قیامت آئی
الفت ساقی کوثر کی اگر آ گئی موج　　سمجھے ہم ہاتھ کلید در جنت آئی
میہماں سے کبھی خالی نہ رہا گھر میرا　　یاس رخصت جو ہوئی دل سے تو حسرت آئی
ذرے عکس رخ روشن سے ہیں آئینہ ریزہ　　خود بدولت مرے گھر آئے کہ دولت آئی
ذرۂ مہر ہوئے ہم کبھی پیدا اے شمع　　جس جگہ دیکھ لیا حسن طبیعت آئی

ہوں وہ مایوس کہ دنیا سے جو اٹھا میں امیر
گور تک پیٹتی روتی مجھے حسرت آئی

نگہ ناز کام کرتی ہے　　دم میں تیر کی تمام کرتی ہے
آکے محفل میں دخت رز شب بھر　　نیند سب کی حرام کرتی ہے
ٹھہرے ہیں یوں دلمیں میرے غم و درد　　فوج جیسے مقام کرتی ہے

جانتا ہوں وہ بے دہن ہیں مگر — خلق کچھ کچھ کلام کرتی ہے
کیا بلا ہے تری سیاہی خط — صبح عارض کو شام کرتی ہے
شیخ صاحب اٹھا کے دیکھو آنکھ — دختر رز سلام کرتی ہے
کیا وہ آئیں گے میری میت پر — خلق جو اژدحام کرتی ہے
ڈر ہے میری شب جدائی سے — کام انکا تمام کرتی ہے
اسکے کوچے میں روح خواب میں روز — سیر دار السلام کرتی ہے
چلتی ہے جس جگہ پہ تیغ زباں — خود قیامت اہتمام کرتی ہے
شب کو ہوتا ہے وہ جو بے پردہ — چاندنی سیر بام کرتی ہے

الفت اُس کی مٹا ستائے مجھے
اے امیر اپنا نام کرتی ہے

بہار آئی عجب حالت ہوان روزوں ہے [illegible] — جگر میں چٹکیاں لیتی ہیں منقاریں عنادل کی
سفر میں مجھسے کہتی ہے کشش ہر دم ترے دل کی — کہ وہ بھی پوچھتے آتے جا ہونگے راہ منزل کی
جہاں سے اٹھ گئے تو اٹھ گئے ہم کچھ نہیں پروا — غضب یہ ہے کہ گردن اٹھ نہیں سکتی ہے قاتل کی
نئے بانکے بنے ہو تم نئی شمشیر باندھی ہے — نگاہ حسرت آلودہ نہیں دیکھی ہے بسمل کی
بھلا دیکھوں تو وہ کیونکر نہیں آتے ہیں گھر میرے — اگر ہے عشق کامل کھینچ لائیگی کشش دل کی
گریباں پھاڑ کر سیر چمن کو خندہ گل چلے — جنوں انگیز پھر آتی ہیں آوازیں عنادل کی
غرور حسن تم کو ہے کمال عشق مجھکو ہے — کہو تم میرے دل کی یا میں کہہ دوں آپکے دل کی
تمہارے حسن سے آیا تھا ناداں ادعا کرنے — سپیدی چھا گئی صورت تو دیکھو مہ کامل کی
خدا کیواسطے لا کشتی مے جلد اے ساقی — ترشح ہو رہا ہے کچھ ہوا ہے سرد ساحل کی
کسیکو دہر میں پہچانتا ہے کون اے غربت — شناسائی ہے کچھ ان راستے والوں میں منزل کی
چھپایا سب سے منہ ملکر ہمارے خون کی مہندی — عروسانہ حیا کرنے لگی شمشیر قاتل کی

مری کشتی برنگ موج اس بحر حوادث میں — کنارے تک اگر پہنچے تو ٹھکر کھائے ساحل کی
ازل سے ہو رہی کار بے مغزوں کا ناکامی — کف دریا کی قسمت میں لکھی ہے موج ساحل کی

امیر آئے گا روز عید قرباں گاہ میں قاتل
سپیدی جا پہنچے دیوار و در پر چشم بسمل کی

ہو کیسا کہ صورت تا نہیں دیکھی ہو بسمل کی — الٰہی خیر اٹھی ہے فق ہو رنگت میرے قاتل کی
مٹا سکتی نہیں مژگان تر کلفت مرے دل کی — نہ جھاڑی گرد دست موج نے دامان ساحل کی
تڑپ جاتا ہے دل اہل کرم کا جوش میں آ کر — چمکتی ہے جو بجلی شعلۂ آواز بسمل کی
غبار دہر سے کیا آشنائی بحر عرفاں کو — پڑی کب دیدۂ ماہی میں اڑ کر گرد ساحل کی
کف سائل نہیں ہے کشتی دریائے بے آلی — اسی دریا کی موجیں ہیں لکیریں دست سائل کی
خیال نیستی یہ ہر قدم تھا دشت ہستی میں — مٹے جو نقش پا مجھ کو بتا دے راہ منزل کی
وہ عاشق ہیں کیا جب قصہ سوہنی کا اندھیرے میں — چکوروں سے سنی ہم نے کہانی ماہ کامل کی
سفینے عمر کے ڈوبے نہ دریا کے طوفاں میں — چھری ہے رات دن باران ابر تیغ قاتل کی
وہ پیاسا ہوں تلاش آب میں جب دل میں جا ملوں — کرے ریگ رواں دریا کو اڑ کر گرد ساحل کی
وہ مشتاق شہادت ہوں جو اوچھے زخم بھی کھاؤں — نہ چھوڑے چاندنی مجھ کو مہ رخسار قاتل کی
خلائق نے یہ وقت دفن دی ہر سنگ کی مٹی — کہ میری قبر جھولی بن گئی درویش سائل کی
تعجب کیا جو کوسوں دشمن روبہ منش بھاگے — کہ نعرہ شیر کا جھنکار ہے شمشیر قاتل کی
بجا ہے گر تغیر آ گیا اعضا میں پیری سے — سحر ہوتے ہی کیفیت بدل جاتی ہے محفل کی
جو ہم بیمار ہوتا پڑھتی پھرتیں کیوں یہ تسبیحیں — اٹھائیں اپنے ہاتھوں غنچے نے گڑیاں سے آل کی

ازل سے ہے جو اس زہرہ شمائل سے امیر الفت
خمیر دل میں کیا مٹی ملی تھی چاہ بابل کی

شکوہ جو کیا درد کا تلوار نکالی — خوب اس نے دوائے دل بیمار نکالی

جب کچھ نہ رہا مجھ میں تو کھولیں مری آنکھیں — قاتل نے کہاں حسرت دیدار نکالی

رسوائی ہوئی تیری بھی اے ترک ہمیں کیا — کیوں لاش ہماری سر بازار نکالی

کب ہم نے کہا تم سے کہ آئینہ نہ دیکھو — غصے سے جو آنکھ آپ نے ہر بار نکالی

صیاد کا رخ دیکھ لیا چاک قفس سے — یہ ہم نے قفس سے رہ گلزار نکالی

ہم رند کبھی صحبت زاہد میں جو پہنچے — ہر بات میں اک تہ دم گفتار نکالی

کہتے ہیں اسے ضبط کہ دل غم سے ہوا خوں — اف ہم نے نہ منہ سے کبھی زنہار نکالی

سونگھی ملک الموت نے بوئے گل وحدت — منصور کی جب بوئے سر دار نکالی

قاتل نے لی کیا نہ ذرا قتل میں میرے — خالی گئی بندوق تو تلوار نکالی

میں نزع میں عیسیٰ کو مری شکوۂ تعظیم — کس وقت میں کس بات کی تکرار نکالی

چبھتی ہے جو نشتر کی طرح دل میں امیر آہ
ناصح نے وہی چھیڑ کی گفتار نکالی

کیوں وہ صیاد کسی صید پہ توسن ڈالے — خود بخود صید چلے آتے ہیں گردن ڈالے

بل جو تیوری پہ نزاکت سے وہ پرفن ڈالے — ذبح سے پہلے لہو پھر رگ گردن ڈالے

کیا کریں طالب دیدار حیا کا شکوہ — پردے آنکھوں پہ جب اس کا رخ روشن ڈالے

سارا پردہ ہے دوئی کا جو یہ پردہ اٹھ جائے — گردن شیخ میں زنار برہمن ڈالے

قابل دید ہے وہ عارض و چشم و مژگاں — حوریں بیٹھی ہوئی ہیں خلد میں چلمن ڈالے

جب نکلتے ہیں وہ تلوار سنبھالے گھر سے — ملک الموت چلے آتے ہیں گردن ڈالے

آبرو خاک ہوئے پر بھی نہ کی عاشق کی — چادر آنسو بھی نہ تم نے سر مدفن ڈالے

رنگ اس لعل سی زیب سے ملتا ہے کہاں — منہ گریباں میں تو اپنے گل سوسن ڈالے

لوٹی برق سر طور پھرے چار طرف — تو اگر آنکھ سوئے وادی ایمن ڈالے

اڑ چلے رقص میں پرواز کو پر پیدا ہو — اپنے کاندھے پہ الٹ کر جو وہ دامن ڈالے

کشتے انداز کے کس طرح سے پامال نہ ہوں　　قدم اس ناز سے جب یار کا آہوش ڈالے
کہیں زخم نگہ ناز رفو ہوتے ہیں　　کھو ڈورے یہ کسی اور پہ ڈورن ڈالے

خون ناحق کہیں چھپتا ہے چھپائے سے امیر
کیوں مری لاش پہ وہ بیٹھے ہیں دامن ڈالے

نہ حور پر نہ پری پر نگاہ پڑتی ہے　　تجھی پر آنکھ بس اے رشک ماہ پڑتی ہے
وہ چشم بھر کے دیکھے مجھے امید نہیں　　گدا پہ کب نظر بادشاہ پڑتی ہے
بلائے جان دو عالم ہو جسکی برق جمال　　اب اسکے چہرے پہ اپنی نگاہ پڑتی ہے
بنائے شانہ مرے دست شوق کو کیونکر　　کہ کشمکش میں وہ زلف سیاہ پڑتی ہے
وہ ناتواں ہوں کہ ہوتا ہوں زندہ گور میں دفن　　بدن پہ اڑکے اگر گرد راہ پڑتی ہے
ستا نہ خاطر مظلوم کو ڈرا ے ظالم　　پڑی نہ تیغ کبھی جیسے آہ پڑتی ہے
عجیب جال ہے کچھ کوچہ محبت کی　　بلا میں جان یہاں بیگناہ پڑتی ہے
چمن کی سیر کو جاتی ہے روح اے صیاد　　قفس میں نیند اگر گاہ گاہ پڑتی ہے
جنوں میں وحشت سے کبھی بھاگتا ہوں میں کوسوں　　نظر جو صورت مردم گیاہ پڑتی ہے
پڑے ہیں کشتے ترے تیغ آبدار کے گرد　　کنارے نہر کے جیسے سپاہ پڑتی ہے
گہن میں خط کے وہ رخ دیکھکر ہو شش نہ　　کڑی تو تم پہ بھی اے مہر و ماہ پڑتی ہے
وہ چھپکے گھر سے نکلتے ہیں یوں کہ واں پہ　　نہ گرد راہ نہ گرد نگاہ پڑتی ہے
پھنساتے ہیں وہ غریبوں کو بیگنہ زنجیر　　ہزار پاؤں پہ زلف سیاہ پڑتی ہے
عجب طرح کے بنائے ہیں وہ دہان و کمر　　کہ عقل شبہہ میں بے اشتباہ پڑتی ہے

دیا ہے یار نے فرمان قتل عام امیر
ہمیں بھی اب تو امید رفاہ پڑتی ہے

درد پہلو کی بشارت ہو کہ رنگت فق دیکھ　　زخم وہ دلمیں ہو کاری کہ کلیجا شق تہ

عشق سے عاشق و معشوق اگر مشتق ہو — اسکو کیوں مشق جفا اسکا جگر کیوں شق ہو
شکل تیری جو فریاد کریں دیر میں ہم — بول اٹھیں بت بھی گواہی میں کہ حق ہو حق ہے
شرم عصیاں سے بہا اشک کہ ہو بیڑا پار — چشم قلزم مرے عصیاں کے لیے زورق ہو
رشتۂ آسا دہ ہوں لاغر غم عریانی میں — حلقۂ دیدۂ سوزن بھی مجھے خندق ہو
ذکر گنجینہ سے ہوتا نہیں گم کوئی منعم — ذوق جبتک نہو اے شیخ عبث ہو حق ہے
ہوں میں دل سوختہ دنیا میں جلا دنیا سے — شمع سے جامۂ فانوس کہاں ملصق ہو
کیوں نہ کانپے تری مژگاں کی چھری سے دل زار — ہیبت سے جوہر شمشیر کا سینہ شق ہے
لب جاں بخش سے کلی مرے مرقد پہ گرے — حوض کوثر کا تو پانی شہدا کا حق ہے
زاہد و ساقی کو تم دیتے کیوں دینگے شراب — دختر رز تو فقط بادہ کشوں کا حق ہے
خوف معشوق آدم سے فدا ہے ایسا — دیکھئے آج تلک سینۂ گندم شق ہو
عشق میں پار ہو کس طرح سے بیڑا دیکھیں — ہم شناور نہیں یہ قلزم بے زورق ہے

در مضموں دم تحریر نکلتے ہیں امیر
صدف آسا مرے خامے کا کلیجا شق ہو

بہا اشک مجھکو خوشی ہو آرزوئے غم کی — اشعار لکھتا ہوں روز عید پہ مجلس محرم کی
میں وہ غم دوست ہوں تجھ پہ کی غم سے دوا دل کی — ہو آیا منہ چھپائی چھال میں نے تحمل ماتم کی
فغاں کو چھوڑ محبوب میں ہے نالۂ غم کی — غضب ہے اتنا وہ جڑ کاٹتی ہے نخل ماتم کی
قطار مور میں جا دیکھتا ہوں یہ سمجھتا ہوں — سلیماں اٹھ گئے شاید یہی ہے جا انکے ماتم کی
ترا غمزہ ہے وہ طرار جب گلشن میں آیا ہے — گلوں کی جیب کتری ہے گرہ کاٹی ہے شبنم کی
خیال دخت رز میں آگیا ہے مجھکو غش ساقی — کھلیں آنکھیں اگر پا دیں ہوا دامان مریم کی
ستایا اسقدر ان مردم ابلیس خصلت نے — کہ ڈر کر آدمیت چھپ رہی تربت میں آدم کی
الٰہی ہو یہ لشکر کس سلیمان پری وش کا — بلائیں لیتی ہیں پریاں ہوا پر زلف پرخم کی

ہمارے نالۂ دل سے ہے گرم نالہ ہر بلبل
نہیں کس گلستاں میں شاخ اپنے نخل ماتم کی

یقیں ہے روز محشر تک رہے اولاد میں جھگڑا
ہماری غیر کی ہے دشمنی ابلیس آدم کی

فراق و وصل کی شب ایک ہے پر فرق ہے اتنا
ہوا اسمیں ہے جنت کی ہوا اسمیں ہے جہنم کی

نہ لائے کوئی ہم تک وحشی گیسوئے پیچاں کو
مچا ٹھیگے یہ غل محشر میں زنجیریں جہنم کی

خدا جانے بھرے ہیں دل نے گوش زخم کیا کہکر
ہوا ہیں آ گئے ایسے نہیں سنتے ہیں مرہم کی

ڈری یہ رات کو میری سیہ بختی کی ظلمت سے
دعائے نور پڑھ کر اپنے اوپر شمع نے دم کی

یہ شہرہ وحشت مجنوں کا شہرت آہوان مجنوں
مثل سچ ہے کہ رستم سے سوا ہے دھاک رستم کی

نہیں ہے شرم کی حاجت تو ہمکو دیکھنے آؤ
کہ پٹی باندھ لی داغوں نے آنکھوں پر سیہ غم کی

تماشا جانتا ہوں گردش گردون گرداں کو
گل رعنا مری آنکھوں میں نیرنگی ہے عالم کی

ملا غازہ تو پایا آرسی نے رنگ آرائش
چنی افشاں تو آئینہ کی قسمت اور بھی چمکی

جلانا مارنا ہے کام ان خورشید رویوں کا
کرچی اٹھتے ہیں ذرے تپ آجاتی ہے شبنم کی

فراق یار میں ہوں اسقدر محو میں اے قاصد
لکھوں جو سطر نامے میں وہ صف بنجائے ماتم کی

امیر اس سرور عالم کی کیا توصیف ہو مجھ سے
خدا کی شان ہے سیرت ملک کی شکل آدم کی

نہال اسکو ہمیشہ کرتی ہے بالیدگی غم کی
الٰہی دل ہے یا کوئی کلی ہے نخل ماتم کی

نہ ہو جسمیں تجلی تجھ سے محبوب دو عالم کی
وہ جنت جل کے یارب خاک ہو جائے جہنم کی

اُدھر ہوں عشق کی باتیں کہاں ہو دھوم غم کی
کہو تم اپنے عالم کی کہیں ہم اپنے عالم کی

ہوائے عشق سر میں دلمیں رنج و یاس کا طوفاں
بھلا بنیاد کیا ہے ایک مشت خاک آدم کی

چمن کیا جانیے ہے کس شہید ناز کی مجلس
کہ غنچوں کے چٹکنے میں صدا ہے نخل ماتم کی

غضب گرمی قیامت کی جلن ہے عشق میں یارب
پھنکا جاتا ہے تن آنچیں نکلتی ہیں جہنم کی

جلا اس حور کا دل کیا ہماری سوزش دل سے
گئیں جنت کو کچھ چنگاریاں اڑ کر جہنم کی

نظارہ دو جہاں کا چھوڑ جا دل کا تماشا کر — شبیہیں ہیں ورق پر کھینچی ہیں دونوں عالم کی
اڑا اے رنگ غنچہ سیکھ لے گل کی روش بدل — کہ منہ سے کچھ نہ کہہ کانوں سے سنکر سارے عالم کی
ازل میں وصل کس معشوق و عاشق کا نظر آیا — کہ آنکھیں آج تک کھلتی نہیں یاد ام توام کی
زمانے بھر کی ایذاؤں سے چھٹی مر کے ملتی ہے — لحد کہتے ہیں جسکو ہے وہ سرحد کشور غم کی
پرستش حسن گندم گوں کی عین آدمیت ہے — نہیں وہ ابن آدم جو نہیں ہیں جیسے آدم کی
ہے سینہ سپر کیا کیا شعاع مہر تاباں سے — کھنچیں سو پر چھپیاں لیکن چھپکی آنکھ شبنم کی
یہ بچھے کنگری کے اڑے ہیں بجلیاں کیسی — نہیں یہ حلق بسمل بانسلی ہے مطرب غم کی
ہوئی کس کسکو خجلت ایک میرے قتل ہوتے ہی — پسینا آگیا قاتل کو گردن تیغ نے خم کی
تمہاری چال بھی کیا گردش گردون گرداں ہے — کہ چل کر دو قدم صورت بدل دیتے ہو عالم کی
دکھایا گرم و سرد دہر داغ داشتاں نے مجھ کو — کہ دن بھر دھوپ کی رہتی ہے ایذا دکھو شبنم کی
بہ شوق میکشی ہو سایۂ انگور کے نیچے — ہوا کھانے کو روح آتی ہے اب تک حضرت جم کی
سوا خورشید رو یونکے کسی پر میں تو مائل ہوں — الٰہی دل مجھے ذرے کا دینا آنکھ شبنم کی

شکست شیشۂ دل سے امیر آیا ہے غش مجھ کو
چھڑک کر سنگھا دے کوئی مٹی ساغر جم کی

مجھ مست کو مے کی بو بہت ہے — دیوانے کو ایک ہو بہت ہے
موتی کی طرح جو ہو خدا داد — تھوڑی سی بھی آبرو بہت ہے
جاتے ہیں جو صبر و ہوش جائیں — مجھ کو اے درد تو بہت ہے
مانند کلیم بڑھ نہ اے دل — یہ دور کی گفتگو بہت ہے
بے کیف ہوے تو خم کے خم کم — اچھی ہو تو اک سبو بہت ہے
کیا وصل کی شب میں مشکلیں ہیں — فرصت کم آرزو بہت ہے
منظور ہے خون دل جو اے یاس — اتنے لئے آرزو بہت ہے

مرآۃ الغیب

اے نشترِ غم ہوا کہ تن خشک　　تیرے دم کو لہو بہت ہے
چھیڑے وہ مژہ تو کیوں نہ رو دوں　　آنکھوں میں خلش کو مو بہت ہے
غنچے کی طرح چمن میں ساقی　　اپنا ہی مجھے سبو بہت ہے
کیا غم ہے امیرؔ اگر نہیں مال
اس وقت میں آبرو بہت ہے

ہمراہ غیر بادہ جو وہ تند خو پیے　　غم کیوں نہ جونک بنکے ہمارا لہو پیے
تسکین ہو اک جام سے کیا اسکو ساقیا　　جو خم کے خم چڑھائے سبو کے سبو پیے
دہشت ذرا کسی کی ترے مست کو نہیں　　قاضی کرے جو منع تو رو برو پیے
قاتل نے مجھ پہ کھینچ کے یہ تیغ سے کہا　　اب تو کمی کرے تو ہمارا لہو پیے
آئے جو میکدے میں کرے مست کیوں کمی　　شیشے کی طرح چاہیے تا گلو پیے
دیکھے وہ خط سبز جو سبزہ تو رشک سے　　کیوں گھونٹ زہر کے نہ لبِ آبجو پیے
منظور چرخ ہے کہ امیرؔ سیاہ مست
دل کا کباب کھائے جگر کا لہو پیے

ابروئے یار نہ بھولے کبھی دل شاد رہے　　خوب مطلع ہے یہ اللہ کرے یاد رہے
زعفراں زار میں بھی گر دل ناشاد رہے　　یہی گریہ یہی نالہ یہی فریاد رہے
ہوں وہ مقتول مرے قتل کی ایسی ہو خوشی　　رقص میں تیغ رہے وجد میں جلاد رہے
پھر بہار آئی چلے سوئے چمن دیوانے　　کہدو پہرا باغ کے دروازے پہ صیاد رہے
رشک ہو بعد فنا مجھکو فلک سے تو یہ ہو　　میں ستم کش نہ رہوں یہ ستم ایجاد رہے
ہم جو ہو پہنچے تو لب گور سے آئی یہ صدا　　آیئے آیئے حضرت بہت آزاد رہے
آنکھیں مر جانکو کہتی ہیں وہ لب جینے کو　　کہیے وہ حکم رہے کہیے یہ ارشاد رہے
اسکی تصویر میں اس درجہ نزاکت کا ہو صرف　　لوچ باقی نہ قلم میں ترے بہزاد رہے

آشیانے سے نہ مطلب ہو نہ گلشن سے غرض — گھر الٰہی مرے صیاد کا آباد رہے
بسملوں کی جگہ یاس بُری ہوتی ہے — اک ذرا دل کو سنبھالے ہوئے جلاد رہے
یہ کہوں گا یہ کہوں گا یہ ابھی کہتے ہو — سامنے آ کے بھی جب حضرت دل یاد رہے
ہوں وہ غم دوست کہ رو رو کے دعا کرتا ہوں — درد کا دل نہ دُکھے خاطر غم شاد رہے
حشر میں عذر گنہ کیا ہو جتنا تو رکھو — کہ مبادا تمھیں بھولے تو مجھے یاد رہے
بحر ہستی میں حباب لب دریا کی طرح — ہم رہے کب کہ کہے کوئی کہ برباد رہے
میں اگر غیر کوئی ہوں تو مجھے وہ بھولے — وہ اگر اور کوئی ہو تو مجھے یاد رہے
زار ایسا تھا کہ میں دشت جنوں میں نہ ملا — ڈھونڈھتے مجھ کو مرے سایہ و ہمزاد رہے

کیا عجب بھول گئے ہم جو کلام اپنا امیر
یاد رہنے کے جو قابل نہ ہو کیا یاد رہے

ایک دل ہجر میں کس کس کے یہ ناشاد رہے — قیس کا داغ کہ اسمیں غم فرہاد رہے
ان کی آنکھوں کے تصور سے یہ دل شاد رہے — قاف پریوں سے جناں حوروں سے آباد رہے
قتل بے خنجر و شمشیر جو ہو بد نظر — اک ذرا آپ کو کھینچے ہوئے جلاد رہے
طول فرقت سے مزے وصل کے سب بھول گئے — نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ دن یاد رہے
جب کیا ہم نے گلا اپنی پریشانی کا — زلف جاناں نے کہا ہم بھی تو برباد رہے
کھنچ گئی یار کی تصویر تو اللہ رے خوشی — ہم بغل دیر تلک مانی و بہزاد رہے
ہم وہ قیدی ہیں جو لکھے وہ خط آزادی — ہو یقیں حرفوں میں شان خط صیاد رہے
لامکاں میں نہ ٹھکانا نہ مکاں میں وسعت — دل سے نکلے تو کہاں جا کے یہ فریاد رہے
کون پروانہ یہاں شمع سر طور کا ہے — جلوہ افروز ترا حسن خداداد رہے
ہجر میں یار نے پوچھا نہ اجل نے ہمکو — نہ اُسے یاد رہے ہم نہ اسے یاد رہے
واہ رے شوق اسیری کہ دعا کرتا ہوں — منھ دم ذبح سوئے خانۂ صیاد رہے

شادی و رنج زمانے میں ہیں تو ام اے دل / کچھ تو ہو ہونٹھوں پہ ہنسی بھی دم فریاد رہے

گھل گیا غم سے اگر تن تو بہ شکل حباب / ہم ہوئے خاک سے پانی بھی تو برباد رہے

کانٹے الجھیں نہ کہیں جامۂ آزادی پا / دامن اس ڈر سے سمیٹے ہوئے شمشاد رہے

روز جانباز لڑے شوق شہادت میں امیر
کیسے ہنگامے سر کوچۂ جلاد رہے

دل کو طرز نگہ یار جتاتے آئے / تیر بھی آئے تو بے پر کی اڑاتے آئے

فاتحہ دینگے نہ پانی پہ بھی دو روز کے بعد / تا در گور ہیں جو خاک اڑاتے آئے

جام کوثر سے ہو کیا کام ہمیں اے رضواں / آب خنجر سے دمیں پیاس بجھاتے آئے

مے کشی کی ہے خوشی ہجر میں کس کو ساقی / لگہ ابر تو اور آگ لگاتے آئے

سنگ اسود کے جو بوسے کو چلا سوئے حرم / قدم بت پہ بھی ہم سر کو جھکاتے آئے

دشت ہستی میں ہم خاک بگولے کی طرح / خاک اڑاتے گئے ہم خاک اڑاتے آئے

بادشاہوں کا ہے دربار در پیر مغاں / سیکڑوں جاتے گئے سیکڑوں آتے آئے

لن ترانی سے ہوا صاف یہ ہم پر روشن / کہ پیمبر بھی ترے ناز اٹھاتے آئے

چھپ کے بھی آئے مرے گھر تو وہ دربانوں کو / اپنی پازیب کی جھنکار سناتے آئے

ہوں وہ نالاں کہ دم نزع مری بالیں پر / ملک الموت بھی پر اپنے بجاتے آئے

بے سبب در پہ یہ جلوہ نہیں غالب ہے کہ آپ / پردہ ڈولی کا سر راہ اٹھاتے آئے

محو جب مہر سے شبنم ہوئی بولی یہ زمیں / یوں ہی عاشق کو ہیں معشوق مٹاتے آئے

روز محشر جو بلائے گئے دیوانۂ زلف / بیڑیاں پہنے ہوئے شور مچاتے آئے

ذکر غنچہ جو سنا مجھ سے تو ہنس کر بولے / خوب آئے کہ مرے منہ کو چڑھاتے آئے

مرغ دل نقش قدم دار کرے وحشت کار / گل کھلاتے گئے گلچھرے اڑاتے آئے

کیا کہینگے کوئی محشر میں جو پوچھیگا امیر / کیوں نہ بگڑی ہوئی باتوں کو بناتے آئے

ہم اگر قتل ہوئے خیر یہ تقدیر اپنی — آپ بدنام نہ ہوں دھوئیے شمشیر اپنی
پھر بہار آئی جنوں ہوتی ہے تدبیر اپنی — طوق بنتا ہے گڑھی جاتی ہے زنجیر اپنی
بے نشانی یہ مرے دل کو پسند آئی ہے — کھینچ کر آپ مٹاتا ہوں میں تصویر اپنی
قید ہو کر ترے گیسو میں یہ رتبہ پایا — نذر دی قیس نے لا کر ہمیں زنجیر اپنی
جاں نثاروں سے وہ کہتے ہیں چڑھا کر تیوری — آجکل جھولتی ہے عرش پہ شمشیر اپنی
یاد مژگاں میں شب ہجر جو چلاتے ہیں ہم — چار سو جاتی ہے آواز پہ تیر اپنی
میکشی کون کرے چور ہے یاں شیشۂ دل — ساقیا پھوٹ گئی ہجر میں تقدیر اپنی
حاجت تیر و کماں کیا ہے تجھے چل تو سہی — گردنیں کاٹ کے خود لائیں گے نخچیر اپنی
تمکو پھولوں کے چھپرکھٹ ہمیں کانٹے ہیں نصیب — خیر قسمت وہ تمہاری ہے یہ تقدیر اپنی
آنکھیں چہرے پہ ملینگے تو جما جائیگا حسن — شمع چہرہ ہے ترا آنکھ ہے گلگیر اپنی
حضرت قیس جو ملجائیں تو اتنا پوچھیں — ہے گراں آپ کی زنجیر کہ زنجیر اپنی
یوسف مصر کا نقشہ جو طلب کرتا ہوں — بھیج دیتا ہے وہ یوسف مجھے تصویر اپنی

اے امیر اُٹھ نہ سکے ضعف سے ہم تا دم مرگ
جس جگہ بیٹھ گئے ہو گئی جاگیر اپنی

اب تو یہ معرکۂ عشق میں مجھکو جھجاب ہے — برش خنجر سفاک مرے دم تک ہے
گھورتی ہے یہ جوانانِ چمن کو ہر دم — نرگس باغ سے بلبل کو بچا چشمک ہے
حسن یکتا کا ہے پرتو بھی جہاں میں یکتا — زاہدا کیوں تجھے یکتائی بت میں شک ہے
جنگ عاشق کے لیے حسن زرہ پوش ہوا — کون کہتا ہے رخ صاف پہ یہ چیچک ہے
شب بھر آغوش گلستاں میں ہے شبنم کی جگہ — رتبۂ دیدۂ بیدار قیامت تک ہے
فرش سے عرش تک آئینہ ہے سب فجر کے وقت — آنکھ جب بند ہوئی پیش نظر عینک ہے
رکھ قدم بڑھ کے در دل پہ تو منزل کو پہنچ — شہر آباد محبت کا یہی پھاٹک ہے

نہیں دیوانہ اگر لایق تعزیر امیر
کس لیئے سنگ بکف دہر میں ہر کودک ہے

تیرے افشاں کا اگر ذرہ زمیں پر گر پڑے — اختر گردوں جگہ پا کر جبیں پر گر پڑے
رات کو ہو فلک آرایش جو اس گل کو تو ماہ — چاندنی کا پھول بنکر آستیں پر گر پڑے
نام ہم افتادگوں کا جب کبوتر لیچلا — اڑتے ہی اڑتے کہیں بازو کہیں پر گر پڑے
آشیانہ دور ہے صیاد آپہنچا ہے پاس — کیا کروں پرواز کی طاقت نہیں پر گر پڑے
سایہ افگن ہو وہ گیسو اس دل صد چاک پر — یا الٰہی یہ سیاہی اس نگیں پر گر پڑے
جائے گلشن میں جو وہ گلرو تو گل مہندی کی شاخ — سر جھکا کر اسکے پائے نازنیں پر گر پڑے
قہر نازل ہو جو سینہ پیٹنا تمہارا آے یاد — چھت مکاں کی توڑ کر بجلی زمیں پر گر پڑے
وہ شکار افگن چلے لیکر اگر تیر و کماں — سارے طائر چھوڑ کر گنبد سے زمیں پر گر پڑے
باڑھ پر آجائے تیغ قامت قاتل اگر — شاخ طوبیٰ کٹ کے دوش حور عیں پر گر پڑے
پھنس کے چھوٹے لذت دنیا سے کیونکر بوالہوس — کسطرح اٹھے مگس جب انگبیں پر گر پڑے

آفتاب عارض ساقی اگر چمکے امیر
خاک ہو کر برق آب آتشیں پر گر پڑے

جب تک وہ پلک برسر بیداد نہ آئی — مجھ میں چمک اے جوہر فولاد نہ آئی
کب گور میں خنجر کی رگڑ یاد نہ آئی — کب روح سوئے کوچۂ جلاد نہ آئی
شیریں نہ ملی سنگ اگر سیکڑوں کاٹے — کچھ کام سبک دستی فرہاد نہ آئی
بالوں کی سفیدی کو کفن سمجھے نہ کسدن — کب آئینہ دیکھا کہ اجل یاد نہ آئی
دعوائے دیت حشر میں کس سے میں کرونگا — حیرت سے نظر صورت جلاد نہ آئی
طائر ہیں وہ ہم پانوں نہ گلزار میں رکھا — جب تک خبر آمد صیاد نہ آئی
سچ ہے یہ مثل جان ہے اپنی تو جہاں ہے — مردے کو عزیزوں کی کبھی یاد نہ آئی

غش صورت موسیٰ میں ہوا سامنے اُسکے — تاب نظر حُسن خدا داد نہ آئی
کیا آئے نظر مردمکِ چشم کو وہ خال — انساں کو نظر صورت ہمزاد نہ آئی
نقشہ مرے محبوب کا چلتا ہوا دیکھا — تجھ کو روش اے خامۂ بہزاد نہ آئی
کیا جرم ہوا تھا کہ گرے اُسکی نظر سے — کچھ ذہن میں اپنے تو یہ اُفتاد نہ آئی
قید غم محبوب ازل ساتھ میں لایا — روح آئی عدم سے مگر آزاد نہ آئی
کیا اُن سے ملاقات کی امید ہو مجھ کو — عرضی بھی مری ہو کے کبھی صاد نہ آئی
معشوقۂ دنیا نے بہت زلف سنواری — پھندے میں مرے خاطرِ آزاد نہ آئی
مضموں سے پس مرگ مرا نام ہو زندہ — کچھ کام نہیں کام جو اولاد نہ آئی

وحشت میں امیر اپنے برابر نہ ہوا قیس
شاگرد میں کیفیت اُستاد نہ آئی

ہم اور معرکۂ امتحاں سے ٹل جاتے — جواب پانوں جو دیتے تو سر کے بھل جاتے
عدم کو یاں سے تو گھبرا کے اے اجل جاتے — وہاں بھی جی جو نہ لگتا کہاں نکل جاتے
ہزار تیز نہ تھی تیغ یار اگر چلتی — تو ہم سے کتنے غریبوں کے کام چل جاتے
جنوں کے جوش میں کھلتی نہ راہ ملک عدم — بڑے مزے میں پہنچتے جو آجکل جاتے
سیاہ کار وہ ہوں حشر میں حساب مرا — جو وقت صبح سے ہوتا چراغ جل جاتے
بچائی داغ نے زندانیانِ زلف کی جاں — نہیں تو گھٹ کے اندھیرے میں دم نکل جاتے
بتوں کی بھی جو پرستش نہ کرتے اے زاہد — خدا کے سامنے ہم لے کے کیا عمل جاتے
شب فراق میں اچھا ہوا نہ کھینچی آہ — غریب خانے کے دو چھپرے بھی جل جاتے
جھڑی نے آنسوؤں کی اور جی ڈبو یا ہے — برس کے جلد یہ بادل کہیں نکل جاتے
دکھا کے تیغ جو مقتل سے یار بڑھ چلتا — اجل کے پانوں پہ سر رکھ کے ہم مچل جاتے
پتنگ بنکے لپٹتے تو شمع رویوں سے — وہ ہم نہ تھے کہ تب ہجر سے پگھل جاتے

تلاش رزق میں گردش ہے آہوئے بیسود
نصیب ساتھ ہی رہتے جہاں نکل جاتے

قبول خاطر روشن دلاں اگر ہوتے
امیرؔ نور کے سانچے میں شعر ڈھل جاتے

مقام وجد ہے اے دل کہ بزم یار میں آئے
بڑے دربار میں پہنچے بڑی سرکار میں آئے

خدا دندانہ زنگ اُس ترک کی تلوار میں آئے
کہیں دھبا نہ میرے زخم دانندار میں آئے

مرے گھر کی طرف بھی عالم مستی میں آ نکلے
ترنگ ایسی کبھی یارب مزاج یار میں آئے

دلا آنکھوں سے چھپکر اُس سے ہو دیدار کا طالب
جو ہو خلوت نشیں کیا مجمع اغیار میں آئے

خط شبگوں سے میں اے خال روئے یار ڈرتا ہوں
جو تو آیا تو آیا وہ نہ اس سرکار میں آئے

بہت مشتاق ہیں مست آمد ابر بہاری کے
الٰہی کوئی لکہ کوہ سے گلزار میں آئے

خمیدہ قد ہوا اب دیر کیا ہے خاک ہونے میں
زمیں پر گر پڑے آخر جو خم دیوار میں آئے

جنوں کا رنگ چمکایا یہ تیرے عشق عارض نے
گریباں چاک گل گلزار سے بازار میں آئے

یہ وقت قتل ہے ڈر ہم کو اپنی سخت جانی سے
کہیں بل نہ بال اُس ترک کی تلوار میں آئے

کیا دیتے کے طعنے واعظوں نے تنگ یہ آخر
کہ ہم مسجد سے اُٹھ کر خانۂ خمار میں آئے

نظر آتا ہے ہر گل زر بکف بہر خریداری
چمن میں تم کہ یوسف مصر کے بازار میں آئے

زر داغ جنوں تقسیم شاہ عشق کرتا ہوں
تونگر جسکو ہونا ہو وہ اس سرکار میں آئے

خدا ہو دوست جسکا اُسکو کیا اندیشۂ دشمن
براہیم آگ میں پھینکے گئے گلزار میں آئے

خلش میں کیا مزہ ہے تیرے دیوانوں کو کیا جانے
جب آئے پابرہنہ وادیٔ پرخار میں آئے

یہاں مدت سے ہے میرے دل صد چاک کا قبضہ
کہو شانہ سمجھ کر گیسوئے خمدار میں آئے

علانیہ دکھائے کب وہ جلوہ روئے روشن کا
جو بے پردہ نہ خواب طالب دیدار میں آئے

اٹھاؤ رخ سے پردہ کور مادرزاد بینا ہو
ہلاؤ لب زبان گنگ بھی گفتار میں آئے

گرفتار قفس تھے جب تلک فصل بہاری تھی
خزاں بھی ساتھ آئی ہم اگر گلزار میں آئے

کیا ہے وعدہ سر دینے کا قاتل سے سو حاضر ہوں زباں کو کاٹ ڈالوں فرق اگر اقرار میں آئے

امیر اب وعدۂ غم کیسا کہ پہنچے ہم مدینے میں

چھٹے آفت سے ظل احمد مختار میں آئے

خیال زلف و عارض میں قضا کی تماشہ صبح و شام اک جا ادا کی

ادا پر مرنیوالوں سے بھی غمزے کہو کیوں موت آئی ہو قضا کی

نہ آنا تھا اجل منہ پر نہ آئی تری تلوار آوازے کسا کی

شب غم میں جو ہم کو ہاتھ آتا درازی ناپتے روز جزا کی

وہ بے کس تھے کہ تربت پہ ہماری چڑھائی چرخ نے چادر گھٹا کی

عدم میں کیا تماشا ہے کہ دن رات چلی جاتی ہے سب خلقت خدا کی

مرے منہ کا ہو لقمہ حصۂ غیر مجھے قسمت ملی ہے آسیا کی

دکھے کیونکر نہ دل آوازے سے صدا ہے یہ کسی درد آشنا کی

نہ کھا اے دل فریب زینت دہر ڈلی اس پان میں ہے سنکھیا کی

بہار بے خزاں ہے جامۂ یار نہ مرجھائیں کبھی کلیاں قبا کی

کیے ہم نے یہ بتخانوں میں سجدے کہ بت کہنے لگے رحمت خدا کی

دلا ہم سے گلا اس دلربا کا شکایت آشنا سے آشنا کی

نہ مجنوں ہے نہ وامق ہے نہ فرہاد مرے سب آشناؤں نے قضا کی

وہ دانہ ہوں جو پسنے سے بچوں میں جلا دے آگ سنگ آسیا کی

وہ غافل تھی کہ تب لی جسنے کروٹ ڈھلی جب دوپہر روز جزا کی

الٰہی مر چکوں جھگڑا ابھی چھوٹے کہیں آساں ہو مشکل قضا کی

کہاں تک دانہ ہوگا عقدۂ کار گرہ ہے کیا ترے بند قبا کی

پسیں کیونکر نہ تیری راہ میں دل غضب شوخی ہے چشم نقش پا کی

اگر میرے سیہ خانے میں آجائے
سعادت ساری اُڑ جائے ہما کی

ترے کشتے نے خنجر ہی کے نیچے
مصیبت جھیل لی روزِ جزا کی

امیرؔ سخت جاں بھی ہو چکا قتل
چلو منت ہوئی پوری قضا کی

ترا کیا کام اب دل میں غمِ جانانہ آتا ہے
نکل اے صبر اس گھر سے کہ صاحب خانہ آتا ہے

نظر میں تیری آنکھیں سر میں سودا تیری زلفوں کا
گلی پر یونہی سایہ میں ترا دیوانہ آتا ہے

وفورِ رحمتِ باری ہے میخواروں پہ ان روزوں
جدھر سے ابر اُٹھتا ہے سوئے میخانہ آتا ہے

لگی دل کی بجھائے بیکسی میں کون ہے ایسا
مگر اک گریۂ حسرت کہ بیتابانہ آتا ہے

اُنھیں سے غمزے کرتی ہے جو تجھ پر جان دیتے ہیں
اجل تجھ کو بھی کتنا نازِ معشوقانہ آتا ہے

پریشانی میں یہ عالم تری زلفوں کا دیکھا ہے
کہ اک اک بال پہ قربان ہونے شانہ آتا ہے

چھلک جاتا ہے جامِ عمر اپنا وائے ناکامی
ہمارے منھ تلک ساقی اگر پیمانہ آتا ہے

وہ محفل ہے جہاں سب اپنا اپنا حال کہتے ہیں
لبِ خاموش تجھ کو بھی کوئی افسانہ آتا ہے

طلسم تازہ تیرا سایۂ دیوار رکھتا ہے
بدلتا ہے پری کا بھیس جو دیوانہ آتا ہے

یہ عظمت رہ کے زاہدان بتوں میں ہم نے پائی ہے
کہ کعبہ ہم کو لینے تا درِ میخانہ آتا ہے

دو رنگی سے نہیں خالی عدم بھی صورتِ ہستی
کوئی ہشیار آتا ہے کوئی دیوانہ آتا ہے

ہمایوں استخوانِ سوختہ پر میرے گرتا ہے
تڑپ کر شمع پر جیسے کوئی پروانہ آتا ہے

اُدھر ہیں حسن کی گھاتیں اِدھر ہیں عشق کی باتیں
تجھے افسوں تو مجھ کو اے پری افسانہ آتا ہے

کلیجا ہاتھ سے اہلِ طمع کے چاک ہوتا ہے
صدف آسا اگر مجھ کو میسر دانہ آتا ہے

نمک جلاد چھڑکا چاہتا ہے میرے زخموں پہ
مزے کا وقت اب اے ہمتِ مردانہ آتا ہے

زبردستی کا دھڑکا وصل میں ان کو سمایا ہے
کدھر ہو ہوش میں آؤ کوئی آیا نہ آتا ہے

الٰہی کس کی شمعِ حسن سے روشن ہے گھر میرا
کہ بن جاتا ہے جگنو آج جو پروانہ آتا ہے

وہ عاشق خال خط کا ہوں کہ نذر ہو کرتا ہوں — میسر تیسرے دن بھی جو مجھ کو دانہ آتا ہے

امیر اور آنے والا کون ہے گور غریباں پر
جو روشن شمع ہوتی ہے تو ہاں پروانہ آتا ہے

جتنے کہ تیر ترکش دلبر میں رہ گئے — اُتنے ہی حوصلے دل مضطر میں رہ گئے
دھویا ہزار اُس بُت سفاک نے مگر — دھبے ہمارے خون کے خنجر میں رہ گئے
صحرائے عشق میری طرح طے نہ ہو سکا — نو آسمان ایک ہی چکر میں رہ گئے
چھوڑے کہیں نہ گیسوئے پرخم نے اُسکے پیچ — کچھ رہ گئے تو میرے مقدر میں رہ گئے
مجلس تمام ہو گئی ہنگامہ ہو چکا — ہم راہ دیکھتے تری محشر میں رہ گئے
اے چشم اشکبار ڈبو دے اُنہیں بھی تو — ٹاپو ہیں جابجا جو سمندر میں رہ گئے
یارب شتاب آئے سگ یار اسطرف — کچھ کچھ ہیں استخواں تن لاغر میں رہ گئے
ساقی چمن میں آتے ہی رخصت ہوئی بہار — میخوار فکر شیشہ و ساغر میں رہ گئے
نامے تو نا رسائی قسمت سے گر پڑے — ڈورے ہی ڈورے بال کبوتر میں رہ گئے
اشکوں سے میرے بجھ گئی سارے جہاں کی آگ — پوشیدہ کچھ شرر تھے سو پتھر میں رہ گئے
واماندگی سے جا نہ سکے کارواں تلک — کھائی تھیں ٹھوکریں جو مقدر میں رہ گئے
اُنکے مکاں ہیں دیدہ و دل اختیار ہے — اس گھر میں رہ گئے کبھی اُس گھر میں رہ گئے

اُنکے نشاں امیر نہیں ہیں اگر نہ ہوں
نام آوروں کے نام تو دفتر میں رہ گئے

داغ اقربا کے سینۂ سوزاں میں رہ گئے — محفل کہاں چراغ شبستاں میں رہ گئے
رخنے تمام بند کیے صبر نے مگر — سوراخ دل میں چاک گریباں میں رہ گئے
سطحے نہ گرد بھی مری کشتی کی پائیں گے — کیا سر شتاب کے شورش طوفاں میں رہ گئے
کانٹے کہیں پڑے ہیں کہیں گرد باد ہیں — یہ یادگار قیس بیاباں میں رہ گئے

میری طرح ضعیف تھے جو میرے اشک غم — نکلے جو دل سے دامن مژگاں میں رہ گئے

وہ خوبرو رہے نہ وہ تزئین زلف و رخ — باقی فساد گبر و مسلماں میں رہ گئے

یوسف تو مصر میں ہوئے رونق فروز حسن — یعقوب راہ دیکھتے کنعاں میں رہ گئے

مقتل میں اسکے دوڑ کے پہنچے جو تھے قوی — قیدی جو ناتواں تھے وہ زنداں میں رہ گئے

وحشت میں دے سکے نہ مرا ساتھ گردباد — نقش قدم کیطرح بیاباں میں رہ گئے

دوڑے تلاش دولت دنیا میں جو حریص — آخر کو تھک کے گور غریباں میں رہ گئے

لی کاروان گل نے خزاں میں عدم کی راہ — بلبل پھڑک پھڑک کے گلستاں میں رہ گئے

آئے کبھی حرف شکوہ جو دل سے زباں تلک — بن بن کے درد وہ مرے دنداں میں رہ گئے

رزق سگ و ہما کئے دور سپہر نے — جو استخواں کہ گنج شہیداں میں رہ گئے

آوارگان عشق کا کوسوں پتا نہیں — کچھ ڈھیر ہڈیوں کے بیاباں میں رہ گئے

لوٹا ستمگروں نے مگر پھر بھی اے امیر
مضمون ہزارہا مرے دیواں میں رہ گئے

بتوں سے نرد وہ جا کر مکاں پر کھیلے — کہ ہار دے دل و دیں اپنی جان پر کھیلے

کماں میں تیر وہ جوڑے تو صید ہو نسر بھی — زمیں کیسی شکار آسمان پر کھیلے

زبان تیشہ یہ دیتی تھی کوہکن کو صدا — جو سرفروش ہو وہ اپنی جان پر کھیلے

یہ اسکے پڑھنے سے ہو چار بیت کو شادی — کہ بیت بیت سے چوتھی زبان پر کھیلے

میں رند رنگ میں ڈبوں وہ طفل بادہ فروش — خدا کرے کہیں ہولی دکان پر کھیلے

جمائے رنگ وہ مطرب پسر جو ٹھپے کا — جو پارسا ہو تو ہر ایک تان پر کھیلے

نہ جیتنے میں گذارہ نہ ہارنے میں رفاہ — پھر اس سے کھیل کوئی کس گمان پر کھیلے

کہوں تو درد دل اس سے مگر ہے قتل کا خوف — قضا نہ سر پہ کہیں اس بیان پر کھیلے

لگائے کیوں نہ وہ واعظ نماز میں شرطیں — جوا جو روز و شب اپنے مکان پر کھیلے

ہمارا دل ہے کہ اس ترک شوخ سے شطرنج
ہزار بار کیا امتحان پہ کھیلے
امیر چال کوئی اُس سے کسطرح چل جائے
تمام روز جو چوپڑ مکان پر کھیلے

نمود خط ابھی اے حسن یار باقی ہے — اس آئینے کے جگر میں غبار باقی ہے
نہ مست ہے نہ کوئی ہوشیار باقی ہے — حجاب کس سے اب اے چشم یار باقی ہے
وہ صید گاہ سے جاتے ہیں اے اجل کہدے — ادھر بھی بے پر و بال اک شکار باقی ہے
یہ میکدے میں ہو شیشوں کا قحط اے ساقی — ابھی تو شیخ کا سنگ مزار باقی ہے
زمین گور کو سیر فلک مبارک ہو — کہ میرے پاس دل بے قرار باقی ہے
وہ منتظر ہیں کہ مرلوں تو لاش پر آئیں — اجل کو آنے میں کیا انتظار باقی ہے
پھر اُسکے دانتوں کا تجھ کو ہے قصد نظارہ — گرہ میں کچھ گہر آب دار باقی ہے
نہ جائیگی کبھی تا زیست اپنی سوزش دل — کہ شیر زندہ ہے جبتک بخار باقی ہے
چلے برنگ نفس عمر بھر تو کیا حاصل — کہ منزلوں ہی ابھی کوئے یار باقی ہے
وہ ذبح کرکے لہو پر چھڑک رہے ہیں خاک — اشارہ ہے کہ ابھی تک غبار باقی ہے
ہوئے تو خاک ہوئے ہم مٹے تو خاک مٹے — ابھی تلک تو نشان مزار باقی ہے
نہ توڑ دو آئینہ جانے بھی دو کہ ایک ہی — تمہارے دیکھنے والوں میں یار باقی ہے
نہ دل میں تاب نہ آنکھوں میں نور ہے لیکن — وہی تڑپ ہے وہی انتظار باقی ہے
سوال کرتے ہیں کیا دیکھ کر ملک ہم سے — کفن میں بھی تو نہیں کوئی تار باقی ہے
قضا پکارتی پھرتی ہے اُنکے مقتل میں — چلے اگر کوئی امیدوار باقی ہے
بہار میں ہے نہ کیوں روئے یار پر جوبن — چمن عروس ہے جبتک بہار باقی ہے

امیر فاتحہ پڑھنے کو اب کہاں آئے
مزار ہے نہ نشان مزار باقی ہے

بہارِ عمر سے دل یادگار باقی ہے — بس اک یہی ثمرِ داغدار باقی ہے
نگہ کہاں مری آنکھوں میں یار باقی ہے — یہ کچھ غبارِ رہِ انتظار باقی ہے
رہا قفس سے کرے بلبلوں کو کیا صیاد — ابھی تو باغ میں کچھ کچھ بہار باقی ہے
کلیم بیٹھ رہے طور پر خیال نہیں — کہ اور بھی کوئی امیدوار باقی ہے
کہاں کہاں نہیں یارانِ رفتہ کو ڈھونڈا — اب ایک ہی تو عدم کا دیار باقی ہے
مثالِ آئینہ وا ہیں مزار میں آنکھیں — ہنوز حسرتِ دیدارِ یار باقی ہے
شرر یک سیکڑوں گرد ہیں اپنے پھولوں میں — خزاں کے بعد بھی جوشِ بہار باقی ہے
نفس کی آمد و شد ہر نفس یہ کہتی ہے — کوئی دم اور تجھے اختیار باقی ہے
کفن کیواسطے کافی ہے ہوں وہ وحشی زار — کوئی کوئی جو گریباں میں تار باقی ہے
نہ تختِ خسروِ چیں ہے نہ چترِ قیصرِ روم — مزار سایۂ نخلِ مزار باقی ہے
ہجومِ داغ سے ہر عضو ہے پرِ طاؤس — موئے پہ بھی وہی نقش و نگار باقی ہے
اٹھا جو پردہ تو کیا شرم ہے ابھی شبِ وصل — پڑی نقاب تو یہ اے نگار باقی ہے
برنگِ شمع اترتی نہیں کبھی تپِ غم — ہزار آئے پسینا بخار باقی ہے
ہوائے کوچۂ گیسو میں یہ لٹا سنبل — کہ ایک پیرہن تار تار باقی ہے
نکل چلے ہیں بہت طفلِ اشک رو کا ابدل — ابھی تو جبر پہ کچھ اختیار باقی ہے
صبا چلی نہیں غنچے میں منہ چھپائے ہوئے — وہی حجابِ عروسِ بہار باقی ہے

کہینگے اہلِ عدم کو دکھا کے داغ امیر
یہی گلِ چمنِ روزگار باقی ہے

تیغِ قاتل پہ ادا لوٹ گئی — رقصِ بسمل پہ قضا لوٹ گئی
ہنس پڑے آپ تو بجلی تڑپی — بال کھولے تو گھٹا لوٹ گئی
پس گیا چشمِ سیہ پر سرمہ — پائے رنگیں پہ حنا لوٹ گئی

اونچی چوٹی کے ادا گرد پھری　　نیچی نظروں پہ حیا لوٹ گئی
اس روش سے وہ چلے گلشن میں　　بچھ گئے پھول صبا لوٹ گئی
تیرے بسمل سے ترے خنجر نے　　وہ ادا کی کہ قضا لوٹ گئی
جان مجروں کہ حقیقت کیا تھی　　درد پہلو میں اٹھا لوٹ گئی
سانپ کی طرح مری چھاتی پر　　رات وہ زلف دوتا لوٹ گئی
یاد گیسو نے تڑپ پیدا کی　　برق بن کر یہ بلا لوٹ گئی
وار خالی نہ گیا قاتل کا　　بچ رہا میں تو قضا لوٹ گئی
کیا مزے کی ہے طبیعت اپنی　　ایک بوسہ جو ملا لوٹ گئی

خنجر ناز نے کشتوں سے امیر
چال وہ کی کہ قضا لوٹ گئی

عشق بتاں سے ہاتھ نہ مر کر اٹھائیے　　جب تک اٹھے یہ داغ جگر پر اٹھائیے
جور فلک کے ناز ستم گر اٹھائیے　　اک دل ہزار داغ ہیں کیونکر اٹھائیے
کہتے ہیں مجھ گدا کو وہ کوچے میں دیکھ کر　　للہ جان چھوڑیئے بستر اٹھائیے
مردے پہ میرے آئے تو بولا یہ اس نے ناز　　کس کا جنازہ ہے یہ سمجھ کر اٹھائیے
غیرت کا حکم ہے کہ گلا گھونٹ کر　　مر جائیے نہ منت خنجر اٹھائیے
مشتاق دید صورت موسیٰ پڑے ہیں عشق　　کس سے حجاب گوشۂ چادر اٹھائیے
مرقد میں آ کے مجھ سے کہا شور حشر نے　　تکیے سے اب تو بہر خدا سر اٹھائیے
رہیے خموش قاصد جاناں جو کچھ کہے　　حکم خدا ہے ناز پیمبر اٹھائیے
میرا سلام آپ کا وار ایک وقت ہو　　اٹھے مزہ جو ہاتھ برابر اٹھائیے
آؤں میں پاس آپ کے گھر چھپا کر ضرور　　دیوار کیا جو سد سکندر اٹھائیے
منظور ہو جو عشق تو اضع ضرور ہے　　سر پر جو اٹھائیے بوجھ جھک کر اٹھائیے

یکتائی صنم پہ قسم رخ کی کھائیے
قرآں اٹھائیے بھی تو حق پر اٹھائیے

بے چشم مست یار نہیں لطف میکشی
اب انجمن سے شیشہ و ساغر اٹھائیے

قاصد سزائے نامہ بری کو پہنچ گیا
اب اسکی لاش بہر ہمیر اٹھائیے

ہے عشق کی نماز میں تکبیر کا یہ لطف
دونوں جہاں سے ہاتھ برابر اٹھائیے

دل کی جلن کا ہاتھ میں اپنے ہے یہ اثر
بجلی بنیں شرار جو پتھر اٹھائیے

آسان نہیں ہے عشق بت سنگدل امیر
یہ بوجھ اٹھائیے تو سمجھ کر اٹھائیے

بیجا نہیں خزاں میں یہ نالے ہزار کے
مظلوم داد خواہ ہیں خون بہار کے

رکھتا نہ مجھ کو ساتھ دل بے قرار کے
ہو اور اک مزار برابر مزار کے

گستاخ صاف دلیں صفائی کی کب ہے بات
چڑھتا ہو ایک آئینہ منھ پر ہزار کے

برباد ہوکے اسکی گلی میں ملا یہ اوج
ذرّے ہیں آفتاب ہمارے غبار کے

گلشن سے بلبلوں کو اڑاتا ہے باغباں
صدقے اتر رہے ہیں عروس بہار کے

پھولیگا اور کب جو نہ پھولے گا آج کل
اے نخل عمر دن تو یہی ہیں بہار کے

صوفی خدا کے گھر میں یہ ہو حق ہے کیا ضرور
سامع اگر ہو دور تو کہیئے پکار کے

یوسف کی اصل پوچھیے نقاش دہر سے
بھیجا تھا میرے یار کا نقشہ اتار کے

ایام ہجر کٹ نہ سکے کوہکن سے بھی
پتھر سے سخت ہوتے ہیں دن انتظار کے

یہ عشق خط یار میں ہے حال جسم زار
مفصل تمام جوڑ ہیں خط غبار کے

آئے سوال کو جو نکیرین بعد مرگ
ٹھہرے رہے ادب سے کنارے مزار کے

شرمندہ میرے بعد ہوئے ہیں یہ خانہ جنگ
پایوں سے رکھ دیئے ہیں تپنچے اتار کے

شکوہ میں ابر کا کہ ہوا کا گلہ کروں
دشمن ہیں سیکڑوں مرے مشت غبار کے

لاتی شمیم گل جو کسی دن قفس تلک
کیا ٹوٹ جاتے پاؤں نسیم بہار کے

روشن تھے جنکے قصر میں سو تیو بکے جھاڑ — محتاج ہیں وہ ایک چراغ مزار کے
پیری میں کیس مزے کو جوانی کے روئیے — سو داغ دے گئے ہیں دو دن بہار کے
یکرنگ تھے وہ ہم کہ دورنگی نہ کی پسند — پہنا کفن تو جامۂ ہستی اتار کے

بن کر بگڑ جاتے ہیں جو گھروندے ہزار ہا
ہیں کھیل امیر صنعت پروردگار کے

جنت میں روح جسم ہے نیچے مزار کے — کشتی ہماری ڈوب گئی پار اُتار کے
اب خاک کام آئیں کے آنسو ہزار کے — شبنم نے دھوئے پاؤں عروس بہار کے
بے غم ہیں عیش کب چمن روزگار کے — کھٹکے ہیں کوچہ رگ گل میں بھی خار کے
مردوں سے کر رہے ہیں نکیرین کیا سوال — جھگڑے ہیں مجاوروں سے یہ باہر مزار کے
دوزخ میں مجھکو جھونک چکے تھے مرے عمل — قربان شان رحمت پروردگار کے
کیا چشم سرمگیں کے اشاروں سے دل بچے — آتے ہیں تیر زنگی ابلق سوار کے
اس پیار سے زمیں نے کھینچا بغل میں تنگ — یاد آ گئے مزے مجھے آغوش یار کے
پہناؤ بیڑیوں کے عوض مجھکو بدھیاں — کچھ اب کی سال رنگ نئے ہیں بہار کے
کلیاں تجھیں گلوں کی سمجھتی ہو عندلیب — وہ بند ہیں نقاب عروس بہار کے
پانی تری چھری کا یونہی چڑھ بار ہ پر — دریا بہینگے دشت میں خون شکار کے
کہتے ہیں گل یہ سمجھ شبنم سنبھال کر — گنتی کے رہ گئے ہیں دن اپنی بہار کے
کیوں عاشقوں کے نامۂ عصیاں نہوں سیاہ — پروانہ ہیں مسودۂ زلف یار کے
کیونکر ملے سراغ مرے جسم زار کا — پردے ہیں تار پیرہن تار تار کے
غافل نہ گرم و سرد جہاں سے کبھی رہے — سوئے جو ہم تو سائے میں نخل چنار کے
صانع کا ناقہ ہو کہ دلا گاؤ سامری — پالے ہوئے ہیں سب مرے پروردگار کے
جلوہ دکھا کے رنگ جوانی ہوا ہوا — آتے ہی اٹھے پاؤں پھرے دن بہار کے

دامن کشاں وہ آئے سر قبر شکر ہے آنسو تو کچھ تھمے مری شمع مزار کے

گلشن میں کی جو آہ شرر بار امیر نے
چھوٹیں گے پھلجھڑی کی طرح پھول انار کے

سب جلو میں آپ کے آتے ہیں اٹھتے بیٹھتے اک تجلی پر آپ جھنجلاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

ضعف سے گو ٹھوکریں کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے پر ترے در تک پہنچ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

ہیں نمازان زاہدوں کی ضعف ایماں پر دلیل سامنے اللہ کے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

نوجوانی میں بھی ہے باقی انھیں اتنا حجاب کوئی بیٹھا ہو تو شرماتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

جن جوانوں کے سر افلاک پڑتے تھے قدم اب زمیں پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

زاہدوں کو کیا حرم کی راہ میں رنج سجود منزل آساں ہو چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

خودنمائی کی بدولت کتنے اوچھے ہیں حسیں منہدی ملتے ہیں تو اتراتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

بوجھ ہے موباف کا ان کو نزاکت ہو وبال گیسوؤں کی طرح بل کھاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

تھا جوانی تک مزہ سیر و تماشا کا تمام ضعف سے اب پاؤں تھراتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

کیا ہوا میں ناتواں ہوں گور کی منزل کڑی آگے پیچھے سب چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

رسم نے ملنے کی کھوئی عید کی ساری خوشی تین دن تک پاؤں رہ جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

آگے سو سو شعر اک جلسے میں کہتے ہیں امیر
چار مصرع اب کہے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے

تیغ قاتل کی چمک آنکھوں میں پھر جاتی ہے اور بھی برق تڑپ کر مجھے ت[illegible]ی ہے

درد الفت مجھے معشوق سے بڑھ کر ہے عزیز جب یہ اٹھتا ہے مری روح [illegible]ی ہے

صورت نقش قدم اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم ناتوانی مجھے ہر گام پہ ٹھہراتی ہے

طرز رفتار سے مارا ہے تو پامال بھی کر دیکھ قاتل یہ بڑی چال رہی جاتی ہے

سرنگوں بحر حوادث میں ہوں مانند حباب آنکھ کھل جاتی ہے جس دم کوئی لہر آتی ہے

شوخیٔ حسن نے لاکھ انکو کیا طاق مگر
پھر لڑکپن ہے ابھی آنکھ جھپک جاتی ہے

کچھ نہ اغیار کی تقصیر نہ تم پر الزام
بیزبانی مری باتیں مجھے سنواتی ہے

لاش پر بھی وہ چھڑکتا ہے نمک سنس ہنسکر
چھیڑ اپنا مرے زخموں سے چلی جاتی ہے

پھاند چلے صور کہیں جلد لحد سے نکلوں
اب طبیعت بہت اس قید میں گھبراتی ہے

گل نسیم سحری شمع سحر کو نہ کرے
کوئی دم میں یہ غریب آپ بجھی جاتی ہے

دلکو تسکین میں اے قافلے والو کیا دوں
اب تو آواز جرس کی بھی نہیں آتی ہے

جب کہا میں نے کہ اب قتل میں تاخیر ہے کیوں
بولے ہر بات میں جلدی نہیں پڑ جاتی ہے

آخری وقت تو آواز سنا جاؤ مجھے
خلق کے کہنے کو اک بات رہی جاتی ہے

آرسی ہے تری قسمت کی زبردست اے ترک
سامنا تجھ سے ہے پر چوٹ نہیں کھاتی ہے

دوسرا نوک کا مجھ سا ہے جوان کون امیر
سیکڑوں نیزے ہیں اور ایک مری چھاتی ہے

توڑ کر پہلو جو چل نکلا دل نخچیر سے
خوب روئیں حسرتیں دل کی لپٹ کر تیر سے

بیخود ایسا ہوں کسی کی لذت تقریر سے
پہروں کرتا ہوں خموشی کا گلہ تصویر سے

قید گیسو سے چھڑایا مجھ کو آنکھوں نے تری
لیگئیں پریاں اُڑا کر خانۂ زنجیر سے

تیر نکلا بھی نہیں قاتل کے ترکش سے ابھی
روح خوش ہو کر نکل آئی تن نخچیر سے

ہول وہ تر دامن چلا سکتا نہیں دوزخ مجھے
کثرت عصیاں نے امین کر دیا تعزیر سے

مصحف ناطق کہیں کیونکر نہ تیرے خط کو ہم
لذت تقریر ملتی ہے تری تحریر سے

پاس بٹھلا کر مجھے اُسنے اُٹھایا غیر کو
لڑ گئی تقدیر میری غیر کی تقدیر سے

دھوم ہے قاتل تری آتی ہیں پریاں کھنچتے
چال تیری تیغ سے پرواز تیرے تیر سے

دم اگر نکلے تو نکلے گھٹ کے عشق زلف میں
پر قدم باہر نہ نکلے خانۂ زنجیر سے

ذبح ہونے کا نہ اُٹھا خاک بھی ہم کو مزہ
عمر بھر رگڑا تو کیا رگڑا گلا شمشیر سے

اے صبا سنبل نے کیوں گلشن میں پھیلایا ہے جال
موج بوئے گل بھی مجھکو بڑھکے ہے زنجیر سے

بے سبب غلطاں نہیں اے ناوک افگن خاک پر
چھینے لیتی ہے قضا ناوک ترا نخچیر سے

یوں نہیں آئینکا قابو میں خط رخسار یار
توڑ جوڑ اس خط کے سیکھوں کاتب تقدیر سے

اس مرقع میں عجب نیرنگیاں ہیں حسن کی
جب نظر اُٹھی لڑیں آنکھیں نئی تصویر سے

قید ہستی سے جو چھوٹے آئے جنت میں امیرؔ
حور بن کر روح نکلی خانۂ زنجیر سے

اے گل تر تیرے جذب حسن کی تاثیر سے
رنگ خوں ہو کر ٹپکتا ہے مری تصویر سے

لکھدیا روز ازل انجام غفلت کا مری
خواب سے پہلے ہوا آگاہ وہ تعبیر سے

لیگیا مریخ اُس کو غازۂ رخ کے لیئے
جو لہو کا قطرہ ٹپکا یار کی شمشیر سے

دیکھ اے دل جائے عبرت قصۂ شداد ہے
گھر جہنم میں بنا فردوس کی تعمیر سے

مرتے مرتے بھی نہ احساں غیر کا ہم سے اٹھا
سر بھی کٹوایا تو ہم نے یار کی شمشیر سے

اتنی آرائش بھی اُنکو ہے نزاکت سے گراں
کم نہیں پھولوں کی بدھی آہنی زنجیر سے

اب ادائے شکر قاتل بسملوں پر فرض ہے
ہر دہان زخم نے پائی زباں شمشیر سے

بوسہ لینے پر جو وہ بگڑے تو پھر بوسہ لیا
معصیت کا ذوق دونا ہو گیا تعزیر سے

توڑ میں تیر قضا قاتل کسی سے کم نہیں
ہاں جو ہارا ہے تو اک تیری نگہ کے تیر سے

وصف گیسو میں جو کرتا ہوں تو کہتا ہے وہ شوخ
دم اُلجھتا ہے تری اُلجھی ہوئی تقریر سے

جاں نثاروں کو گلے مل مل کے کرتا تھا ہلاک
رہگئی یہ چال اے قاتل تری شمشیر سے

عشق ابرو میں جو خط لکھتا ہوں قاتل کو کبھی
چاک کرتا ہے لفافہ کو مری شمشیر سے

بیڑیاں دیوانۂ گیسو کو پہناتے ہو کیوں
رشتۂ الفت کا پھندا سخت ہے زنجیر سے

داد دیگا تو کیا مذکور یہ صیاد حسن
چاہتے ہیں اور اُلٹی آفریں نخچیر سے

منزل حیرت کا طے کرنا بہت دشوار ہے
پار کب ہوتی ہے کشتی قلزم تصویر سے

آکے بربادی ہمارے خانۂ دل میں بسی — گھر خرابی کا ہوا آباد اس تعمیر سے

کھو چکے قاصد کو خط اُس شوخ کو لکھ کر امیر
رد چکے لکھے کو اپنی خوبی تقدیر سے

کیا لب معشوق ہو کر جان لے نخچیر سے — سیکھ لے گھر دل میں کرنا کوئی اس کے تیر سے
شعلۂ آواز سے غش آگیا مثل کلیم — لن ترانی کا مزہ اُٹھا تری تقریر سے
مچھلیاں پانی کی رہتی ہیں مرے پیش نظر — کم نہیں میرا تصور دام ماہی گیر سے
مضطرب مجھ سے زیادہ یار ہے میرے لئے — اضطراب ناوک افگن بڑھ کے ہے نخچیر سے
ہوں وہ محو بیخودی لکھی جو میری سرنوشت — مٹ گیا جو حرف نکلا خامۂ تقدیر سے
محو ہو کر دیکھ نیرنگی طلسم دہر کی — سیر کر حیرت کدے کی دیدۂ تصویر سے
عذر بے بال و پری کب تک نکل اے مرغ روح — مانگ لے پر عرش تک اُڑنے کو اُس کے تیر سے
عالم کثرت میں وحدت کی نشانی ہو ضرور — فایدہ اتنا ہے بیت اللہ کی تعمیر سے
زندہ جاوید ہوں کیونکر نہ بسمل زیر تیغ — چلتی ہے قاتل قضا بچ کر تری شمشیر سے
کل تلک تھا کثرت عصیاں سے نادم اے کریم — آج شرمندہ ہوں اپنی قلت تقصیر سے
منزلت اضداد سے بڑھ جاتی ہے ہر چیز کی — کعبے کی رونق ہوئی بت خانے کی تعمیر سے
عشق گیسو سے جو چھوٹے قتل ابرو نے کیا — آئے مقتل میں جو نکلے خانۂ زنجیر سے
تیرے رکنے اور کھنچنے کا تو کیا مذکور ہے — یہ ادائیں سیکھ لے کوئی تری شمشیر سے
جو رقم کرتا ہوں میں کرتا ہے وہ اُس کے خلاف — اب کے خط لکھوا کے بھیجوں کاتب تقدیر سے
کیا خبر مجھ کو کہ قسمت میں کہاں کی خاک ہے — جیتے جی کیا فائدہ ہے قبر کی تعمیر سے
وہ کرے سلطان دنیا یہ کرے سلطان دیں — کیا میں نسبت دوں ہما کو یار کی شمشیر سے
داغ سینہ داغ پہلو زخم دل درد جگر — کیسے کیسے ہم نشیں مجھ کو ملے تقدیر سے
زخم یاد اچھے نہیں کھائے مرے قاصد نے امیر — لیکے آیا ہے وہ اس پردے میں خط شمشیر سے

قطع ہو راہ سفر کوچۂ قاتل آئے ‏ ‏ تھک گیا ہوں میں الٰہی کہیں منزل آئے

چیں جبیں پر نہ تہ خنجر قاتل آئے ‏ ‏ وضع میں فرق خبردار نہ اے دل آئے

حاجیو تم کو مبارک ہو سفر کعبے کا ‏ ‏ جا کے بتخانے میں اللہ سے ہم مل آئے

مرتے دم بھی نہ ہوئی لذت دیدار نصیب ‏ ‏ غش پہ غش مجھ کو تہ خنجر قاتل آئے

صدمہ درد جگر سے نہیں آگاہ ہنوز ‏ ‏ کہیں اللہ کرے آپ کا بھی دل آئے

حال ہشیاری کا بیدار دلوں سے پوچھو ‏ ‏ ہم تو غافل رہے غافل گئے غافل آئے

مجھ سے صدمے نہ جدائی کے اُٹھینگے یارب ‏ ‏ جان بھی ساتھ ہی جائے جو کہیں دل آئے

ماہتابی پہ وہ آئے تو تجلی نے کہا ‏ ‏ میرے آگے تو چمک کر مہ کامل آئے

ہوں وہ واماندۂ غربت جو کروں قصد عدم ‏ ‏ موت لینے کو مجھے سیکڑوں منزل آئے

مذہب عشق میں تمیز بد و نیک ہے کفر ‏ ‏ توبہ کیجے جو خیال حق و باطل آئے

سر اٹھانے کی نہیں کنج لحد میں طاقت ‏ ‏ تھک گئے ایک کروٹ ہی جھیل کے منزل آئے

وہ غریق یم نسیت ہوں کہ آنکھوں میں فلاک ‏ ‏ خاک جھونکے جو نظر دور سے ساحل آئے

تیز قدموں نے جو پیچھے ہمیں چھوڑا چھوڑا ‏ ‏ گرتے پڑتے ہوئے ہم بھی سر منزل آئے

کوئی مشتاق شہادت نہ تڑپ کر مرجائے ‏ ‏ دیر اچھی نہیں آنا ہے تو قاتل آئے

سادہ رویوں کو عبث دعوی یکتائی ہے ‏ ‏ حال کھل جائے جو آئینہ مقابل آئے

مجھ کو اور غیر کو یکساں تو نہ سمجھے وہ امیر
کاش کچھ اُس کو تمیز حق و باطل آئے

روبرو دل جو ہمارا سر محفل آئے ‏ ‏ منھ ہو آئینہ جو پھر تیرے مقابل آئے

بزم میں شب کو جو وہ ماہ شمائل آئے ‏ ‏ منھ کے بل شمع گرے غش سر محفل آئے

کوچۂ یار میں جائینگے پھنسیں ہم تو پھنسیں ‏ ‏ قید ہونے کو فرشتے سوئے بابل آئے

ہم تہی دست لب گور تو پہونچے پر یوں ‏ ‏ جس طرح لٹ کے مسافر سر منزل آئے

زخمی عشق ہوں ایسا جو ہلے دل میرا
صاف آواز پر طائر بسمل آئے

نجد میں جا کے میں مجنوں کیطرح بیٹھا ہوں
کہ نظر مجھ کو کوئی صاحب محمل آئے

کبھی اُس چاند سے چہرے پہ نہو خط کی نمود
یا الٰہی نہ گہن میں مہ کامل آئے

لوٹتا ہوں نہ تحجر فقط اتنے کے لئے میں
بن پڑے اور جو غصے میں وہ قاتل آئے

ساتھ اغیار کے جب یار کرے بادہ کشی
خون دل کیوں نہ یہاں اشک کے شامل آئے

آئے جان پر اپنے تو مروت کیسی
پھینک دوں چیر کے پہلو جو کہیں دل آئے

جان وہ جان ہے جو راہ میں تیرے جائے
دل وہ دل ہے جو ترے کوچے میں بسمل آئے

یہ نیا قاعدہ دربار کا ٹھہرا ہے حضور
نذر کے واسطے ہر روز نیا دل آئے

اب کسی سے نہ رہی ملنے کی حسرت باقی
آج جی بھر کے گلے تیغ سے ہم مل آئے

ہاتھ رک جائے نہ قاتل کا ابھی کمسن ہے
ذبح کے وقت نہ ہچکی تجھے بسمل آئے

قلزم عشق وہ قلزم ہے جہاں مثل حباب
ٹوٹ جائے جو سفینہ لب ساحل آئے

یاد گیسو نے لحد میں بھی نہ چھوڑا پیچھا
قید خانے میں گرفتار سلاسل آئے

بے نقاب آئے جو وہ رات کو محفل میں امیر
شمع نے بڑھ کے کہا رونق محفل آئے

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اسکو گلا سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

ریا کو کور باطن طاعت خاص خدا سمجھے
سہارا مل گیا دیوار کا اندھے عصا سمجھے

ہوا جب نفس تابع مطلب دل ہو گیا حاصل
گلوئے اژدہا ہم کو جو ہاتھ آیا عصا سمجھے

نظر ریش سیہ میں جب کوئی موئے سفید آیا
بہت روئے اُسے ہم خندہ دنداں نما سمجھے

جو اُٹھتے بیٹھتے پیری میں بولیں ہڈیاں اپنی
درائے کارواں زندگی کی ہم صدا سمجھے

نہ کی عہد جوانی میں ادائے بندگی ہم نے
ہوئے فاقے جو پیری میں انھیں صوم قضا سمجھے

جوانی اور پیری ایک رات الدن کا قصہ تھا
خمار و نشہ میں دونوں کو کھویا ہائے کیا سمجھے

ہوئے کشتہ نظر آیا جو خال ابروئے قاتل ۔ ہم اس خنجر کے جوہر کو سر قاف قضا سمجھے
ہر اک لخت دل پرخون شہید تیغ الفت تھا ۔ گرا دامن پہ جب دامن کو اپنے کربلا سمجھے
مخمس ہے نیا ناخن بدل وہ پنجۂ رنگیں ۔ سوا شاعر کے اس کا حسن کوئی اور کیا سمجھے

امیر اہل حرم سمجھے حرم تصویر ابرو کو
کھنچا خاکہ جو اس گیسو کا ہندو کالکا سمجھے

تارک ہستی سے اس کا آستاں نزدیک ہے ۔ بے نشانوں سے بہت وہ بے نشاں نزدیک ہے
اس چمن میں طائر کم پر اگر ہوں میں تو کیا ۔ دور ہے صیاد ابھی اور آشیاں نزدیک ہے
ہے ازل سے ساتھ نرم و سخت کا اس دہر میں ۔ کس قدر انساں کے دانتوں سے زباں نزدیک ہے
صحبت عالم سے نقصاں گوشہ گیروں کا نہیں ۔ خوف کیا گر تیر سے زاغ کماں نزدیک ہے
رکھ قدم آہستہ آہستہ چمن میں عندلیب ۔ دور کچھ گلچیں نہیں ہے باغباں نزدیک ہے
بام جاناں دور کیا ہے کہتی ہے پرواز شوق ۔ حوصلہ عالی اگر ہو آسماں نزدیک ہے
ہو چلی ہے الفت اک پردہ نشیں سے پھر مجھے ۔ المدد اے ضبط وقت امتحاں نزدیک ہے
آ گئے عالی ظرف کے کم ظرف کیا پائے فروغ ۔ آبرو کیا ہے جو دریا سے کنواں نزدیک ہے
توبہ گلرویوں کی الفت سے ہے پیری میں ضرور ۔ اے بہار زندگی وقت خزاں نزدیک ہے
پر فشانی حسرت پرواز میں اب کیا ضرور ۔ دام صیاد اجل اے مرغ جاں نزدیک ہے
عشق صادق کی ہے آمد دل ہوس سے پاک کر ۔ صاف کرنا چاہئے گھر میہماں نزدیک ہے
لی جو میخوار وں نے انگڑائی اتارا جام نے ۔ کیا ہی میخانے سے طاق آسماں نزدیک ہے
برگ گل صیاد آتے ہیں جو اڑ کر متصل ۔ کیا بہت میرے قفس سے بوستاں نزدیک ہے
دل ہے نالاں غم سے ٹپکا چاہتے ہیں اشک بھی ۔ آتی ہے بانگ جرس اب کارواں نزدیک ہے
صور محشر کو کھلا دے سرمہ اے گرد گناہ ۔ چپ رہے وقت حساب عاصیاں نزدیک ہے
ہر طرف ہیں غول خضر راہ پوشیدہ امیر ۔ اب ظہور مہدی آخر زماں نزدیک ہے

وعدۂ وصل اور وہ کچھ بات ہے — ہو نہ ہو اس میں بھی کوئی گھات ہے

خلق ناحق درپئے اثبات ہے — ہے دہن اس کا کہاں اک بات ہے

بوسۂ چاہِ زنخداں عنبریں — ڈوب مرنے کی یہ اے دل بات ہے

گھر سے نکلے ہو نہتے وقتِ قتل — یہ بھی بہرِ قتلِ عاشق گھات ہے

میں نے اتنا ہی کہا ہو اُو خط — یہ بگڑنے کی بھلا کیا بات ہے

بعد مدت بخت جاگے ہیں مرے — بیٹھئے سونے کو ساری رات ہے

کیا کروں وصفِ بتانِ خود پسند — ان سے بڑھ کر بس خدا کی ذات ہے

باتوں باتوں میں جو میں کچھ کہہ گیا — ہنس کے فرمانے لگے کیا بات ہے

حرفِ مطلب صاف کہہ سکتا نہیں — بے ادب مانع کہ پہلی رات ہے

مجھ سے ہو اظہارِ الفت واہ واہ — آپ کی فرمانے کی یہ بات ہے

رو رہے ہیں ہم ملا دے لب سے لب — میکشی ہو ساقیا برسات ہے

زچ ہے تیری چال سے رفتارِ رخ — مہر رخ سے بازیٔ مہ مات ہے

کیسی کٹتی ہے سیہ بختی میں عمر — رات سے دن، دن سے بدتر رات ہے

چھیڑتا ہے دل کو کیا اے دردِ ہجر — خود گرفتارِ ہزار آفات ہے

اے غنی دے سیم و زر وقتِ بلا — مال دینا جان کی خیرات ہے

قطعہ

گر جگہ دل میں نہیں پھر اس سے کیا — یہ تو چھٹنے کی یہ بدھ کی رات ہے

صاف کہہ دے تو یہاں آیا نہ کر — یار یہ سو بات کی اک بات ہے

لخت دل ہیں میرے کھانے کو امیر
بس انھیں ٹکڑوں پہ اب اوقات ہے

کشور دل میں ہو پریوں کے بھی شاہی تیری — قاف تا قاف حکومت ہو الٰہی تیری
نیم جاں چھوڑ چلی نیم نگاہی تیری — زندگی تا صد و سی سال الٰہی تیری
تو بھی اے ابر سیہ بوتلیں بھرے کی سیاہ — مانگی خوب سیاہی میں سیاہی تیری
گور میں ساتھ نجائیگی یہ شوکت اے شاہ — چھوٹ جائیگی یہیں مسند شاہی تیری
ناز نیرنگ پہ اے ابلق ایام نہ کر — نہ رہیگی یہ سفیدی یہ سیاہی تیری
وصل میں جوش پہ آیا جو مرا قلزم اشک — زلف اے ماہ بنے گی پہ ماہی تیری
لکھ کے خط کوچہ قاتل میں تجھے کیا بھیجوں — اے کبوتر نہیں منظور تباہی تیری
دل تڑپتا ہے تو کہتی ہیں یہ آنکھیں رو کر — اتنی دیکھی نہیں جاتی ہے تباہی تیری
چاہنا جو مجھے تو حشر میں کہنا اے دل — داور حشر نہ مانے گا گواہی تیری
ہم فقیر اپنی فقیری میں شب و روز ہیں مست — تجھ کو اے شاہ مبارک رہے شاہی تیری
کیا بلانے کو ڈراتی ہے مجھے اے شب گور — کچھ شب ہجر سے بڑھ کر ہے سیاہی تیری
مے پلا خوب رجب سے رمضاں تک ساقی — دونی کردوں گا میں تنخواہ سہ ماہی تیری
برہمن کعبہ نشیں شیخ حرم بندۂ بت — مصلحت ہو جو مشیت ہو الٰہی تیری
چھپ گیا مہر قیامت بھی تہ ابر سیاہ — بلبے اے نامۂ اعمال سیاہی تیری

کیا ہوا تجھ کو کہ غافل ہے ادا امر سے امیر
حرص سے جمع ہے مشتاق نواہی تیری

ہر گنہگار کو ہے آس الٰہی تیری — عام ہے ہر صفت نامتناہی تیری
آنکھ میں آئے تو پتلی ہو تو اے زلف سیاہ — دل میں ٹھہرے تو سویدا ہو سیاہی تیری
منزلیں ہوتی ہیں کھوٹی نکل اے قاتل خلق — راہ تکتے ہیں کھڑے دیر سے راہی تیری
رنگ تو خوب ہے پر اے شب غم عیب یہ ہے — کہ روانی نہیں رکھتی ہے سیاہی تیری
جوہر تیغ ہیں اے ابروئے پر خم تجھ میں — قدر کس طرح سے سمجھیں نہ سپاہی تیری

میں تو زنداں سے سوئے دشت بڑھاتا ہوں قدم
ہو گئی اے خانۂ زنجیر تباہی تیری

حشر میں تو نہ زباں بند کرے تیغ دو دم
دو گواہوں کے برابر ہے گواہی تیری

بو نہیں رنگ نہیں نور نہیں نار نہیں
معرفت کیوں نہ ہو دشوار الٰہی تیری

واہ کس لطف سے پڑھتا ہے تو اے طفل قضا
مدح کرتا ہے ابو نصر فراہی تیری

تیرے نظارے سے بڑھتی ہے بصارت از بس
سرمہ بنجاتی ہے آنکھوں میں سیاہی تیری

مشق فریاد دلا حشر میں کام آئے گی
گر رکے گی نہ زباں وقت گواہی تیری

دھیان دل کو نہیں تیرا فقط از کف سیاہ
شب کو بھی آکے دباتی ہے سیاہی تیری

تو سفینہ ہے زمانہ ہے سفینے میں امیر
سارے عالم کی تباہی ہے تباہی تیری

گذر کو ہے بہت اوقات تھوڑی
کہ ہے یہ طول قصہ رات تھوڑی

جو مے زاہد نے مانگی مست بولے
بہت یا قبلۂ حاجات تھوڑی

کہاں غنچہ کہاں اُس کا دہن تنگ
بڑھائی شاعروں نے بات تھوڑی

اُٹھے کیا زانوئے غم سے سر اپنا
بہت گذری رہی ہیہات تھوڑی

خیال ضبط گریہ ہے جو ہم کو
بہت امسال ہے برسات تھوڑی

پلا دے مے کے نقد ہوش ساقی
تہیدستوں کی ہے اوقات تھوڑی

وہی ہے آسماں پر گنج انجم
ملی تھی جو تری خیرات تھوڑی

ترا اے دختر رز واعظ خط
پئے حرمت ہوا اتنی بات تھوڑی

چلو منزل امیر آنکھیں تو کھولو
نہایت رہ گئی ہے رات تھوڑی

پژمردہ گل ہوئے ترے گالوں کے سامنے
سنبل پہ پیچ پڑ گئے بالوں کے سامنے

پردہ انھیں سے ہو جنھیں تاب نظر نہیں
آتے ہیں خود وہ دیکھنے والوں کے سامنے

بے جا زمیں کو فخر نہیں آسمان پر — ذرہ ہے مہر مہر جمالوں کے سامنے

کیا کیا بناؤ کرتے ہیں خار رہِ جنوں — رکھ رکھ کے آئینے مرے چھالوں کے سامنے

نیرنگِ صنع دیکھ تماشائے باغ کر — کیا سرخ گل ہیں سبز نہالوں کے سامنے

بندھتے جو شوخ دشت میں مضمونِ چشمِ یار — پڑھتا غزل میں اپنی غزالوں کے سامنے

قطعہ

کیا گلرخوں نے رنگ جمائے ہیں باغ میں — کیا گل کھلے ہیں حور جمالوں کے سامنے

کیا سرخ سرخ جام ہیں پھولوں کے روبرو — کیا سبز سبز شیشے ہیں تھالوں کے سامنے

وصلت کی رات اور موذن گجر خروش — ہوتے ہیں کیسے کیسے ملالوں کے سامنے

اے زر پرست فقر کا تجھ کو مزہ تو ہو — کوڑی کی چینیاں ہیں سفالوں کے سامنے

کیا سمجھے جو علم عشق میں بیٹھے کوئی حکیم — ہو نطق بند میرے سوالوں کے سامنے

ان ابروؤں کی یاد میں دل پر نہیں ہے داغ — روشن ہے آفتاب ہلالوں کے سامنے

کرتے ہیں عجز جنکو خدا نے دیا ہے ظرف — شیشوں کے سر جھکے ہیں پیالوں کے سامنے

رکھتے ہیں جو ہنر انھیں آفت سے کیا خطر — ساحل ہے بحر پیرنے والوں کے سامنے

تیروں کے پر کٹے ترے غمزوں کے روبرو — تیغیں نہ چل سکیں تری چالوں کے سامنے

یہ نور یہ ضیا یہ چمک یہ دمک کہاں — خورشید ہے تو اترے گا گالوں کے سامنے

سودائی ہیں جو لاتے ہیں چین و ختن سے مشک — پوچھا نہ جائیگا ترے بالوں کے سامنے

چار ابروؤں کے عشق میں پوچھو نہ حالِ دل — تنہا کماں ہے چار ہلالوں کے سامنے

گلشن ہے جوش ساغر و مینا سے میکدہ — کیا گل کھلے ہوئے ہیں نہالوں کے سامنے

تعریف سرو قامت محبوب کی امیر
مشکل نہیں بلند خیالوں کے سامنے

خورشید چھپکے کیا ترے گالوں کے سامنے — میلی خط شعاع ہے بالوں کے سامنے

دعویٰ زباں کا لکھنؤ والوں کے سامنے — اظہار بوئے مشک غزالوں کے سامنے

اے دل فغاں وہ کر کہ صدائے جرس ہو بند — شرمندہ ہوں نہ قافلے والوں کے سامنے

عاشق نے لاکھ جمع کیا دفتر حواس — شیرازہ کھل گیا ترے بالوں کے سامنے

چشم سیاہ یار جب آنکھوں میں پھر گئی — آنسو مرے بھر آئے غزالوں کے سامنے

آئے وہ باغ میں تو لگی چھوٹنے نسیم — تازہ شگوفے تازہ نہالوں کے سامنے

ہم ہیں وہ اے کلیم کہ غش کا تو ذکر کیا — جھپکی نہ آنکھ برق جمالوں کے سامنے

حال کلیم و طور سنا ہوگا آپ نے — کیسا حجاب دیکھنے والوں کے سامنے

مضموں کی کیا کمی ہو کہ عرش بریں بھی ہو — گردیاں وہ گرد خیالوں کے سامنے

پانی کی چھاگلیں جو سمجھتے ہیں بہار دشت — آتے ہیں دوڑ کر مرے چھالوں کے سامنے

ہم کیا کہ سرکشوں کے بھی پر خم ہیں گردنیں — ان کجکلاہ گیسوؤں والوں کے سامنے

طاؤس و کبک ٹھوکریں کھاتے ہیں ہر قدم — چلتی نہیں ہے کچھ تری چالوں کے سامنے

لیلیٰ کو پاس خفت مجنوں بھی کچھ نہیں — آنکھیں دکھا رہی ہے غزالوں کے سامنے

موسیٰ سے کہہ دو طور پہ جایا کرو نہ روز — اچھے نہیں ہیں برق جمالوں کے سامنے

جادوں کو شہر شہر کو بحر رواں کریں — کتنی یہ بات ہے مرے چھالوں کے سامنے

مرقد سے بھاگ جائینگے خود منکر و نکیر — ٹھہرینگے کیا وہ میرے سوالوں کے سامنے

اے دل بھرے تو بیٹھے ہی تھے سب ابل پڑے — کانٹوں نے لی جو نوک کی چھالوں کے سامنے

دنیا امیر کیا ہے جو ماتم کدہ نہیں

ہر دم یہاں ہیں تازہ ملالوں کے سامنے

قبلۂ دل کعبۂ جاں اور ہے — سجدہ گاہ اہل عرفاں اور ہے

ہو کے خوش کٹواتے ہیں اپنے گلے — عاشقوں کی عید قرباں اور ہے

روز و شب یاں ایک سی ہے روشنی — دل کے داغوں کا چراغاں اور ہے

خار دکھلاتی ہے پھولوں کی بہار — بلبلو اپنا گلستاں اور ہے

قید میں آرام آزادی وبال — ہم گرفتاروں کا زنداں اور ہے

بحر الفت میں نہیں کشتی کا کام — نوح سے کہہ دو یہ طوفاں اور ہے

کس کو اندیشہ ہے برق و سیل سے — اپنے خرمن کا نگہباں اور ہے

درد وہ دل میں وہ سینے پر ہے داغ — جس کا مرہم جس کا درماں اور ہے

کعبہ رو محراب ابرو اے امیر
اپنی طاعت اپنا ایماں اور ہے

نہیں امید جو اس بیوفا کے آنے کی — میں راہ دیکھ رہا ہوں قضا کے آنے کی

ستم سے تنگ ہوں احسان مجھ پہ کر واعظ — خبر سنا دے روز جزا کے آنے کی

عدم میں یاد کروں گا کسی مسیحا کو — نکال لونگا کوئی راہ جا کے آنے کی

چڑھاؤ پھول جو میری لحد پہ آئے ہو — یہ کون چال ہے تیوری چڑھا کے آنے کی

سگ اُس پری کا کہیں کھائے استخواں نہ مرے جلد — اُڑا دے قید الٰہی ہما کے آنے کی

یقیں ہوا جو گرا دانت کوئی پیری میں — کہ آج کھل گئی گھڑی قضا کے آنے کی

جگایا میں نے جو سوتے میں تنگ ہو کے کہا — ٹھہر ٹھہر کہ نہیں نیند جا کے آنے کی

میں تھک چکا ہوں بہت دور قافلہ پہنچا — سبیل کون ہے بانگ درا کے آنے کی

غضب ہے نزع میں کہتے ہیں سب پڑھو کلمہ — لگی ہے رٹ مجھے اس بیوفا کے آنے کی

نقاب ڈال کے آئے کہو خدا کے لیے — یہ کون شکل ہے صورت چھپا کے آنے کی

جو تن پہ زخم لگے اور جان تازہ ہوئی — کشادہ ہو گئیں راہیں ہوا کے آنے کی

غلاف ڈال قفس پر ابھی نہ اے صیاد — کہ ہے چمن سے توقع صبا کے آنے کی

امیر جا ملینگے ہم بے نظیر آج ضرور — خبر ہے میلے میں اس مہ لقا کے آنے کی

ساقیا درد سے صاف نہیں بیٹھ گئی — تہ تری ڈاک تھی یہ زیر نگیں بیٹھ گئی

موت بھی میری طرح ہو کے حزیں بیٹھ گئی — باڑھ تو خنجر قاتل کی نہیں بیٹھ گئی

بعد مردن بھی مرے ضعف کی قوت نہ گھٹی — خاک اٹھی بھی تو چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

قصد جنت جو مری روح نے دنیا سے کیا — ڈاک حوروں کی دم باز پسیں بیٹھ گئی

ان دنوں دختر رز کا نہیں ملتا ہے پتہ — کہیں قاضی کے تو گھر جا کے نہیں بیٹھ گئی

سقف گردوں کی بھی آ دیدۂ تر تجھ پہ بساط — چار سو جیں بھی تری اٹھ نہ سکیں بیٹھ گئی

دور سے بھی جو نظر آئی کبھی شکل امید — پاس آ کر مرے پہلو کے قریں بیٹھ گئی

ریشمی پہ جو تری زلف مسلسل آئی — دھاک تا تار سے تا کشور چیں بیٹھ گئی

کشتی عمر کا انجام ہمیں یاد آیا — کھا کے چکر کوئی کشتی جو کہیں بیٹھ گئی

لمعۂ حسن نے بخشا اسے افشاں کا فروغ — گرد بھی اڑ کے جو بالائے جبیں بیٹھ گئی

واہ رے شوق اشارہ مجھے قاتل نے کیا — دوڑ کر موت تہ خنجر کہیں بیٹھ گئی

شعر پر درد جو لکھنے پہ طبیعت آئی — سامنے آ کے مرے روح حزیں بیٹھ گئی

سخت جانی کے دکھانے لگے جوہر اب امیر
کہ تری باڑھ ہی تو اے خنجر کہیں بیٹھ گئی

آنسوؤں سے نہ فقط گرد زمیں بیٹھ گئی — کشتی چرخ بھی چکرا کے وہیں بیٹھ گئی

لنگر اس سے بھی گناہوں کا مرے اٹھ نہ سکا — ٹیک کر زانوؤں کو گاؤ زمیں بیٹھ گئی

تھا وہ گریاں کہ ہوئی قبر کنواں گڑ کے بعد — نم ہو ہو کے یہ اشکوں سے زمیں بیٹھ گئی

ہم کھڑے رہ گئے جب دم وہ نکل کر بیٹھے نہ — صف رقیبوں کی لیا را در پہ کہیں بیٹھ گئی

جس زمیں پر کہ مرا ابر طبیعت برسا — گرد ہنگامۂ پیشین و پسیں بیٹھ گئی

رشک رخسار نے تیرے کسے لاغر نہ کیا — کنپٹی ماہ کی اے زہرہ جبیں بیٹھ گئی

نارسا خاک کو بھی ضعف نے ایسے رکھا — یاں سے اٹھی تو سر عرش بریں بیٹھ گئی

کیوں نہ ہو چشموں میں ہو نام کی تصویر تری — حلقۂ چشم میں مانند نگیں بیٹھ گئی
ادعا آنکھ سے اُس شوخ کی ہمچشمی کا — کیوں تری آنکھ نہ اے آہوئے چیں بیٹھ گئی
چال نے تیری قیامت کو ابھرنے نہ دیا — ٹھوکریں ایسی لگائیں کہ وہیں بیٹھ گئی
دی رقیبوں کو نشانی جو انگوٹھی اُس نے — چوٹ دل پر صفت نقش نگیں بیٹھ گئی
کبھی لیلیٰ کی منگائی جو خبر مجنوں نے — ڈاک صحرا میں غزالوں کی وہیں بیٹھ گئی
مار کھا کر نہ در یار سے سرکا عاشق — کوئی ہڈی بھی جو سرکی تو وہیں بیٹھ گئی
کوہکن کو مزۂ الفت شیریں اُٹھا — ضرب تیشے کی جو بالائے جبیں بیٹھ گئی
بہر آدم جو فرشتوں نے اُٹھائی مٹی — ایسی چلائی کہ آواز زمیں بیٹھ گئی

رفعت طبع کہاں دل نہ لگا اس میں امیر
پست مضموں سے زیادہ یہ زمیں بیٹھ گئی

جان تن سے جو تڑپ کر شب فرقت نکلی — دل نے خوش ہو کے کہا ایک حسرت نکلی
بتکدے میں ہمیں اللہ حرم سے لایا — شکر صد شکر یہاں ایک تو صورت نکلی
کیوں جی غازہ مرے خوں کا کر دیکھا — اور ہی چہرہ ہوا اور ہی رنگت نکلی
ڈال کر منہ پہ نقاب اُس نے کیا مجھ کو حلال — دم آخر بھی نہ دیدار کی حسرت نکلی
بہر نظارہ جو قرآں میں بھی دیکھی فال — لن ترانی کے سوا اور نہ آیت نکلی
ہاتھ تک مفتی و قاضی کو لگانے نہ دیا — دختر رز تو بڑی صاحب عصمت نکلی
سیکڑوں ڈوب مرے چاہ ذقن میں تیری — اس بھنور سے کوئی کشتی نہ سلامت نکلی
طور پر برق تجلی سے جو موسیٰ ہوئے غش — خوب دیکھا تو وہ تیری ہی شرارت نکلی

بڑھ گئی حسن پرستی کے مجھے حرص امیر
ہائے پیری تو جوانی سے بھی آفت نکلی

شب وصل کیا مختصر ہو گئی — کہ آتے ہی آتے سحر ہو گئی

شب وصل اِدھر سے اُدھر ہو گئی — بدلتے ہی کروٹ سحر ہو گئی
نہیں تھی یہ بھی تو دو دو پہر — مری نبض اُس کی نظر ہو گئی
دیا موت نے پیاس میں جامِ آب — کہ جی ڈوبتے آنکھ تر ہو گئی
بہت آمد آمد تھی اُس گل کی گرم — پڑا مینہ تو ٹھنڈی خبر ہو گئی
کسی کروٹ آیا شب غم نہ چین — تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی
کھٹکتی ہے اب رہ گئی آنکھ میں — رگ جاں مجھے نیشتر ہو گئی
الٰہی شب غم میں اتنا تو ہو — کوئی جھوٹ کہدے سحر ہو گئی
چبھی دل میں اُس گل کی باریک بات — رگ گل مجھے نیشتر ہو گئی
کرے کون اب اُڑ کے سیر چمن — کہ بلبل تو بے بال و پر ہو گئی
میں حیران ہوں وہ زلف و رخ دیکھ کر — سر شام کیونکر سحر ہو گئی

ہمیں سر پٹکتے ہی گزری امیر
یوں ہی عمر ساری بسر ہو گئی

لذت جو ملی مرے لہو کی — خنجر نے بلائیں میرے گلو کی
آنکھیں دم بھر جھپک چکی — تیغیں ہیں بھری ہوئی لہو کی
کی دل شکنی نہ تند خو کی — سختی پہ بھی نرم گفتگو کی
موسیٰ سے کہو کہ چپ رہیں اب — باری ہے ہماری گفتگو کی
روئے مری قبر پر وہ آکر — ہم خاک ہوئے تو آبرو کی
منھ اپنا نہ آرسی میں دیکھو — سنبھلے گی نہ چوٹ روبرو کی
کی جس پہ نگاہ تجھ کو دیکھا — اب تک تو نظر کہیں نہ چوکی
جز دیر و حرم کہاں میں جاؤں — راہیں تو یہی ہیں جستجو کی
جائیگا جنوں نہ سر سے بے ذبح — ہو فصد مری رگ گلو کی

ساقی نے سنگھائی عرش میں مٹی — سوندھی سوندھی تھی بو سبو کی

تن ہے غم زلف میں یہ لاغر — ہر عضو بدن گرہ ہے مو کی

تھا چار طرف اُسی کا جلوہ — کیوں نعش ہماری قبلہ رو کی

پلکیں دم جوشش خونفشانی — دھاریں نظر آتی ہیں لہو کی

اُس رخ کو میں آئینہ کہوں کیا — ہے یہ تو مثال روبرو کی

وہ مست ازل ہوں ساقیا میں — مٹی ہے خمیر میں سبو کی

دل ہی نہ رہا امید کیسی — جڑ کٹ گئی نخل آرزو کی

اب کیوں ہیں کلیم عرش میں خاموش — پہلے نہ سنبھل کے گفتگو کی

لا کہہ کے دہن کو بند ہوئے نیست — دو حرف میں ختم گفتگو کی

ق

کیسی ارنی کہاں کے موسیٰ — خود دید کی اپنی آرزو کی

تھا پردۂ ظاہری جو منظور — آواز بدل کے گفتگو کی

کلفت نہ مٹی امیر دل سے
اشکوں نے ہزار شست و شو کی

بیعت پیر مغاں طرفہ مزا دیتی ہے — سلسلہ ساقی کوثر سے ملا دیتی ہے

یہ دم رقص وہ پازیب صدا دیتی ہے — بخت خفتہ مرے جھنکار جگا دیتی ہے

حیرت عشق رخ اور بھی دکھا دیتی ہے — چھت سے آنکھیں یہ مریضوں کی لگا دیتی ہے

چشم نمناک بھی ہے واقف اعجاز مسیح — ابر مردہ اگر آتا ہے جلا دیتی ہے

بڑھ کے جب بولتی ہے موسم گل میں بلبل — جل کے پھولوں میں صبا آگ لگا دیتی ہے

کیا عجب گر ترے بیمار کو صحت ہو جائے — یاد عارض اُسی قرآں کی ہوا دیتی ہے

غم یہ ہے ہجر میں مرنے کی ہوس ہے دل کو — مرگ اُلٹے مجھے جینے کی دعا دیتی ہے

کنج عزلت میں مجھے سوجھتی ہے موت ہی موت — بیکسی گور غریباں کا پتا دیتی ہے
مانگنے پر نہیں لاتی ہے صبا نکہت گل — سن کے اس کان سے اُس کان اڑا دیتی ہے
پوچھتے ہیں جو شب ہجر میں ہم شمع سے حال — منھ سے کہتی نہیں کچھ اشک بہا دیتی ہے
کم نہیں قند مکرر سے تمہاری تکرار — کیا کہوں کیا مرے کانوں کو مزا دیتی ہے
صدمۂ ہجر سے کیونکہ نہو نالاں مرا دل — ٹھیس لگتی ہے تو چینی بھی صدا دیتی ہے
جان پر صدمہ شب ہجر ہے سونا کیسا — آنکھ لگتی ہے تڑپ دل کی جگا دیتی ہے
یا کے غافل تجھے اک روز فنا کر دیگی — جان دھوکا ہے حیات جو قضا دیتی ہے
لاغری نے یہ مٹایا کہ کوئی گھر میں نہیں — دستک آ آ کے عبث در پہ قضا دیتی ہے
ہے بجا کہیئے اگر دولت دنیا کو پری — ہوشیاروں کو یہ دیوانہ بنا دیتی ہے
سامنے جا کے جو کرتا ہوں کبھی وقت سلام — پھیر لو منھ انھیں پڑ جاب یہ حیا دیتی ہے
پھرتی ہیں گردن عشاق پہ دوہری تیغیں — ساتھ کیا اُن کی اداؤں کی قضا دیتی ہے
ہم یہ ہنر فقط اس دور میں ہیں ورنہ بہار — ٹوپیاں غنچوں کو پھولوں کو قبا دیتی ہے

کیجئے غور تو دولت بھی پیمبر ہے امیر
کہ کریموں کو خدا سے یہ ملا دیتی ہے

سوچ میں ہے بہ عہد وقت انکار کے — دونوں لب ہیں دو گواہ اقرار کے
بندے ہیں حسن ملیح یار کے — ہیں نمک پروردہ اس سرکار کے
مر گئے عشاق چشم یار کے — صدقے تھے اترے مردم بیمار کے
تیرے ابرو کے اشارے غیر سے — مجھ کو گہرے زخم ہیں تلوار کے
عرش پہ رکھا قدم تھا زار نے — گر کے نیچے یار کی دیوار کے
باہر اُس یوسف نے جب رکھا قدم — بھر گئے دونوں سرے بازار کے
کتنہ یاری میں مقرر ہے عجز کا — جیت لے بازی کو بہت ہار کے

نعمت کونین سے دل سیر ہے — ایک بھوکے ہیں ترے دیدار کے

زیور اس گل نے اتارا میرے بعد — پھول تربت پر چڑھائے ہار کے

میری حالت پر گرے ہیں بارہا — اشک چشم روزن دیوار کے

آرزو یہ ہے کہ پشتی کی طرح — ڈھیر ہوں نیچے تری دیوار کے

خونبہا موسیٰ سے لیں گے روز حشر — کشتے چشم سرمگیں یار کے

عشق ابرو میں کہاں صبر و قرار — چلدیئے سب کھنچتے ہی تلوار کے

میکدے میں آئے تو پھنس جائے شیخ — پیچ الجھیں پانوں میں دستار کے

مر کے جب پہنا کفن سمجھے یہ ہم — زیب تن کپڑے کیے دربار کے

ذلت و خواری و رسوائی امیرؔ
سب ہیں دھبے دامن پندار کے

آئے بالیں پر جو مجھ بیمار کے — خوب روئے موت ڈاڑھیں مار کے

ہوئے مژگاں گرد چشم یار کے — ہیں مگس رال مردم بیمار کے

دیکھ کر زخموں کو جسم زار کے — روئے چھالے پھوٹ کر تلوار کے

تیرے منھ سے ہاں نہیں دونوں ہیں خوب — صدقے اس انکار اس اقرار کے

باغباں مجھ پر ہوا تب مہرباں — پھول جب کانٹے ہوئے گلزار کے

ضبط گریہ کیا کروں اے ہم صفیر — پھول کمھلا جائیں گے گلزار کے

ہیں وہ لاغر باغ میں پھیلا کے پانوں — سوتے ہیں سایے میں نوک خار کے

عشق ابرو میں سر اترا دوش سے — چڑھ گئے ہم دم پہ اس تلوار کے

کھیلتا ہے یار گھر بیٹھے شکار — ہنس کو دکھلا کے موتی ہار کے

شیخ کعبے میں برہمن دیر میں — سب ہیں بجرائی ترے دربار کے

داغ ہائے عشق کمھلاتے نہیں — پھول ہیں کس بے خزاں گلزار کے

نالۂ عاشق پہ ترچھی کی نگاہ　　　وار برچھی پر لیئے تلوار کے
حادثوں سے بے خطر ہیں خاکسار　　　کب دبا سایہ تلے دیوار کے
شمع بالیں سے یہ کہدے اے صبا　　　سر پہ روتا ہو کوئی بیمار کے
پھول کملاتے نہیں ہیں گلفروش　　　ناز پروردہ ہیں یہ گلزار کے
حور کی آنکھیں ارم میں دیکھ کر　　　رخنے یاد آئے تری دیوار کے
داغ سمجھا ہو تو دوزخ جسے　　　کچھ شرر ہیں آہ آتشبار کے

روز محشر کشتگان قد امیر
ہوں گے سایے میں علمبردار کے

جو بحر عشق میں ہو وہ آفت رسیدہ ہو　　　گرداب شکل موج گریباں دریدہ ہو
مضمون ضعف ہو قلم آہ سے رقم　　　سینہ رگوں سے صفحۂ مسطر کشیدہ ہو
مرتا ہوں شوق قتل میں ملتی نہیں گلے　　　قاتل کی طرح تیغ بھی مجھ سے کشیدہ ہو
روشن ہو راز عشق ہمارے سکوت سے　　　اس انجمن میں شمع زباں بریدہ ہو
بیہوش کر دیا مجھے وحشت نے اسقدر　　　آہو بھی میرے دشت میں از خود رمیدہ ہو
تعریف کرتے ہیں تہِ دنداں سے اہل ذوق　　　جو شعر تازہ ہے ثمر نو رسیدہ ہو
روتا ہوں یاد چشم میں کس خوش نگاہ کی　　　ہر تار اشک دام غزال رمیدہ ہو
چن چن کے رکھ لیے صفت آستیں میں شعر　　　دیوان میں ہمارے جو مضمون چیدہ ہو
پایا کسی نے سر محبت نہ آجتک　　　افسانہ عشق کا خبر نارسیدہ ہو
سرتا قدم وہ شوخ ہو مست شراب حسن　　　رنگ حنا سے ہاتھ رخ سے کشیدہ ہو
غافل یہ موت کہتی ہو پیری میں صبح و شام　　　عمر اخیر عہد بپایاں رسیدہ ہو

گلزار تن سے طائر دل اُڑ گیا امیر
سبزہ اب آشیانۂ مرغ پریدہ ہو

ہر اک عضو بدن پر داغ عشق یار جانی ہے
مرے دختر کے ہر ہر فرد پر اُسکی نشانی ہے

جو چہرہ ارغوانی تھا وہی اب زعفرانی ہے
شکن چہرے پہ نقش پائے طاؤس جوانی ہے

خدا انکو اپنی داستانیں سب سنائینگے
قیامت جسکو کہتے ہیں وہ بزم قصہ خوانی ہے

سبیلیں وحشیو کیا وادی وحشت میں دیکھوگے
تمہارے آبلے کا ہیکوں میں کوزوں میں پانی ہے

عبث برباد کرتی ہے اُڑا کے کوئے جاناں سے
صبا کیا میرے مشت خاک پر نامہربانی ہے

برنگ شمع جنکو خضر رہ ہے گرم رفتاری
فقط طے ایک شب میں اُنکی راہ زندگانی ہے

وہ میرے ہر خط کو دیدۂ بیگانہ سمجھے ہیں
نئے انداز کی اے نامہ بر یہ بدگمانی ہے

وہ شمع حسن وہ آنسو بہا جاتا ہے ہر شب کو
ہماری قبر میں روشن چراغ مہربانی ہے

وہ پیاسا ہوں کہ مر جاؤں نہ مانگوں خضر سے پانی
گئی جب آبرو پھر خاک آب زندگانی ہے

بلائیں پھنس کے ایدل کام آئنگی سیہ بختی
زمیں کوچۂ گیسو میں یہ کملی بچھانی ہے

خدا نے نیک صورت دی تو سیکھو نیک باتیں بھی
بُرے ہوتے ہو اچھے ہو کے یہ کیا بدزبانی ہے

پسا جاتا ہوں بار ضعف سے اُٹھا نہیں جاتا
وہ لاغر ہوں گراں مجھ پر لباس ناتوانی ہے

ہوا ہوں زندہ در گور انتہائے ضعف سے یارب
مری چھاتی پہ سل ابتک یہ سنگ سخت جانی ہے

امیر اس عاشقی کا لطف ہے فصل جوانی میں
اندھیری رات میں کہنے کے قابل یہ کہانی ہے

خدا نے شان یوسف سے تمہاری شان افضل کی
کھلی سب نقش ثانی سے حقیقت نقش اول کی

کھلا مضمون جو ہم کو دیکھ کر تحریر کاجل کی
کہ حاجت ہے بیاض چشم میں بھی خط جدول کی

چمن کو کون جائے سیر کو ساون کے بادل کی
کہ زنجیریں پڑی ہیں پاؤں میں اشک مسلسل کی

شب وصلت میں مجھ سے جبر اُن پہ جو نہیں کھلتا
تڑپ جاتا ہے دل فریاد سن کر اُنکی چھاگل کی

جو عشاق کمر نالے نہیں کرتے تو زیبا ہے
عدم کے جانیوالوں کو کہاں حاجت ہے مشعل کی

ہزاراں مضموں کو ہوش میں لاؤ نہیں سکتے
یہ سچ ہے ایک تو ڑے میں ہے مستی ایک بوتل کی

کبھی گیسو کبھی موئے کمر میں قید کر رکھا ... بچھائی یار نے بیڑی کبھی بھاری کبھی ہلکی
تماشا بوستاں کا دیکھئے تو چشم نرگس سے ... ہرن کی آنکھ سے وحشت میں کیجے سیر جنگل کی
تبیلہ ان مردان منکر توحید کی کھینچوں ... سیاہی ہاتھ آجائے جو مجھ کو چشم احول کی
نجات اندیشۂ امروز و فردا سے نہیں ممکن ... اگر کل فکر ہمکو آج کی تھی آج ہے کل کی
فراقِ یار میں جاؤں اگر سیر گلستاں کو ... جگر کے پار ہو جائے سناں ہر ایک کونپل کی
تغافل پیشگی بیداری طالع کا باعث ہے ... کہی یہ سوچ کر تعبیر ہم نے خواب مخمل کی
چھپیگی کیمیا کیونکر ترے صحرا نشینوں سے ... پتا پوچھیں گے جب وہ بوٹیاں بولینگی جنگل کی
جو سونگھے اس گل خوبی کی خوشبو درد سر جائے ... مگر طینت میں مٹی ہے زمین عطر صندل کی
جہاں کی سرد مہری سے نہیں غم ہم فقیروں کو ... دوشالوں سے کہیں بڑھکر ہے گرمی اپنے کمل کی
صفائے سینۂ جاناں پہ لہراتا ہے یوں گیسو ... کہ جیسے سانپ کو بو مست کر دیتی ہے صندل کی
خدا سمجھے جو مجھ کو اور تم کو غیر کیا پردا ... ہمیشہ ایک کو دو دیکھتی ہے آنکھ احول کی

امیر اک روز یہ گل سوکھ کر ہو جائینگے کانٹے
چمن کی جو روش ہے آجکل جھاڑی ہے جنگل کی

ہم اس کے عشق میں صبر و قرار کھو بیٹھے ... قدیم دوست ہمیشہ کے یار کھو بیٹھے
بتوں کے عشق میں ہم جان زار کھو بیٹھے ... عجب امانت پروردگار کھو بیٹھے
سوال وصل کا کرنے سے یہ ہوا حاصل ... کہ آسرا ترے امیدوار کھو بیٹھے
کھلا نہ اشک بہانے سے کوئی عقدۂ دل ... گرہ میں تھے جو در شاہوار کھو بیٹھے
وفا کا عہد کیا دے کے دل تو یہ پایا ... کہ پھیر لینے کا بھی اختیار کھو بیٹھے
خطا ہوئی جو کیا تم سے غیر کا شکوہ ... تمہارے آگے ہم اپنا وقار کھو بیٹھے
سر خدنگ نگہ آچکا تھا طائر دل ... تم آنکھ پھیر کے اپنا شکار کھو بیٹھے
کریں گے منزل عقبیٰ کو اب یہ کیونکر طے ... کہ زاد راہ غریب الدیار کھو بیٹھے

ہزار حیف نہ آئی اجل نہ وہ بد عہد — ہم آنکھیں مفت شب انتظار کھو بیٹھے
لیا جو خواب میں بوسہ تو یار جاگ اُٹھا — تمام عمر کا ہم اعتبار کھو بیٹھے
قرار اب کسی پہلو ہمیں نہیں آتا — کہ دل سے صبر ہم اے جان زار کھو بیٹھے
ہلال ابروے ساقی کی یاد بھول گئی — کلید میکدہ ہم بادہ خوار کھو بیٹھے
بلائیں لیتے ہی وہ اور ہو گیا وحشی — ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا شکار کھو بیٹھے
مرے گلے پہ پڑا خط نہ سخت جانی سے — رگڑ کے مفت وہ خنجر کی دھار کھو بیٹھے
نہ ہوش ہے نہ خرد ہے نہ صبر اب مجھکو — یہ ہمنشیں تھے جو تین چار کھو بیٹھے
گلوں نے خندۂ بیجا سے یہ ثمر پایا — کہ چار دن بھی نہ گذرے بہار کھو بیٹھے

ادا وہ کون تھی جس پر ہوئے فقیر امیر
خفا سی بات پہ صبر و قرار کھو بیٹھے

مرا احوال کر سکتا نہیں اُنسے بیاں کوئی — دہن میں میرے قاصد کے مری لکھ دے زباں کوئی
کرے کیا باغباں سے راز دل غنچہ بیاں کوئی — دہن جب بند ہو کیونکر کھول سکتا ہے زباں کوئی
خط عارض کو اُسکے دیکھکر یہ دھیان آتا ہے — دیار حسن میں اُترا ہوا ہے کارواں کوئی
ہزاروں خار لاکھوں پھول اس گلشن میں ہیں لیکن — نہ تم سا نازنیں کوئی نہ ہم سا ناتواں کوئی
دیا ہے خط مگر اب رشک سے پچھتا کے کہتا ہوں — کہیں بتلا نہ دے قاصد کو اُن کے گھر کا نشاں کوئی
سوائے کعبہ بتخانوں میں کیا اپنے قدم جاتے — ملا سجدے کے قابل اور کب ایسا آستاں کوئی
نظر میں میرے پھر جاتی ہے صحبت ناوک دل کی — نظر آتا ہے جب گھر میں کسی کے میہماں کوئی
مدد پیروں سے چاہیں نوجواں مقصود کو پہنچیں — نشانے تک نہیں جاتا ہے ناوک بے کماں کوئی
میاں دیکھو وہ نرگس زار میں گھبرا کے کہتے ہیں — ادھر آنکھیں اُدھر آنکھیں نقاب اُلٹے کہاں کوئی
نگاہ پرورش پھیرے اگر لطف و کرم اُسکا — نہ ہو پھر طفل طفل اشک کی صورت جواں کوئی
اُٹھانا کوہ کا آساں اُٹھانا بات کا مشکل — قوی مجھ سا ہے عالم میں نہ مجھ سا ناتواں کوئی

تعجب ہے، ایسا سگ جاناں ہو آتا ہے خبر لینے
سرک جاتا ہے جب تن کی جگہ سے استخواں کوئی

قفس کی تیلیاں ہیں جتنی شاخیں ہیں ہستی کی
کہاں باندھے الٰہی اس چمن میں آشیاں کوئی

جو چلاتا ہوں فرقت میں محلے والے کہتے ہیں
کرو منہ بند کیا سر پر اٹھا لو گے مکاں کوئی

مزہ تب ہے کہ وہ بھی ہو کسی معشوق پر عاشق
کرے میری طرح اسکا بھی ہر دم امتحاں کوئی

مجھے یوں ڈھونڈھتا پھرتا ہے ناوک اُس ستمگر کا
پھرے بیتاب جیسے طائر بے آشیاں کوئی

ہمارے عشق کی کیوں مثنوی شاعر نہیں کہتے
کہاں پائینگے گرما گرم ایسی داستاں کوئی

کمال جذب سے تا لامکاں پہنچے امیر احمد
رہا معشوق و عاشق میں نہ پردہ درمیاں کوئی

آج کیا کرتے ہو غمزے وصل میں ہر دم نئے
یہ تو سمجھو تم نئے ہو مہمان من یا ہم نئے

بیخودی دکھلاتی ہے جلوے مجھے ہر دم نئے
ہے عجب عالم کہ ہر عالم میں ہیں عالم نئے

ہر گھڑی دل میں نظر آتی ہیں کیا کیا صورتیں
راتدن عالم دکھاتا ہے یہ جام جم نئے

دیکھے بھالے ہیں یہ کوچے جانے بوجھے ہیں یہ ننگ
تم سمجھتے ہو کہ ہم دیتے ہیں اسکو دم نئے

حسن روز افزوں بھلا دیتا ہے پہلے قاعدے
روز ہو جاتے ہیں اس محفل میں جا کر ہم نئے

کسطرح تشبیہ دیں سنبل سے اسکو موشگاف
پیچ اس گیسوئے پیچاں میں نئے ہیں خم نئے

پاتے ہیں ہر روز آنکھیں تری میں تخت دل
گل کھلایا کرتی ہے ہر روز یہ شبنم نئے

میز باقی کر چکا جود و سخاوت کی بساط
ل رہیں گے روز مہماں تجھکو اے حاتم نئے

ہے عجب وسعت تصور میں کہ اُس کے حد نہیں
ید کی آنکھیں تو دیکھے سیکڑوں عالم نئے

ہے پھبکیتی میں نکیتی میں وہ غمزہ ناسور
چوٹیں آتی ہیں نرالی پیچ ہیں ہر دم نئے

سامنا ہے روئے جاناں سے سیہ ہے ہو سفید
عید ہے کپڑے بدل اے دیدۂ پرنم نئے

ہر غزل میں تازگی مشکل ہے اے طبع رسا
کہنہ مشقوں کو بھی ہاتھ آتے ہیں مضموں کم نئے

کہنہ رنجوں سے جو دل گھبرا گیا ہے اے امیر
ڈھونڈھتا پھرتا ہوں میں سامان غم نئے

مدت ہوئی کہ جی مرا جینے سے سیر ہے
اے جان تیرے منہ سے نکلنے کی دیر ہے

کیا جانے کس لیئے نگہ دیر دیر ہے
طغیانِ آبِ چشم بھی دریا کا پھیر ہے

آتے ہیں روز دل کی زیارت کو رنج و غم
سینہ مرا نہیں کسی مرشد کا ڈھیر ہے

غیروں کو پھاڑ کھائے سگِ یار تو کہوں
اے شیر داہ تو ہی تو شیروں کا شیر ہے

آئے جو نزع میں تو یہ کہہ کر وہ اٹھ گئے
ہم جاتے ہیں یہاں ابھی رخصت میں دیر ہے

بتخانے ہوتے جائیں گے ہم تو سوئے حرم
ہونے دو دو قدم کا جو رستے میں پھیر ہے

گر اک نگاہ سینۂ پُر داغ کی طرف
پھولوں کی تیری نذر کو حاضر چنگیر ہے

کیا پہلوانِ مرگ کو بازو ملا قوی
افراسیاب سا بھی زبردست زیر ہے

الفت بھی کی تو آگ میں جلنے کا خوف کیا
پروانے سے زیادہ مرا دل دلیر ہے

رکھتے نہیں زمیں پہ قدم صاحبانِ کبر
بادِ بروت بامِ فلک کی منڈیر ہے

جینے سے کیوں نہ سیر مرا دل ہو اے امیر
ہم نیم جاں اُدھر نگہ دیر دیر ہے

کبھی سمجھا نہ آ کے کیا ہم اُس خود سر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

ادھر کم نزع میں مہلت اُدھر بیتابیِ درِ وقت
نہ رو دو چپ رہو کیونکر یہ سارے گھر کو سمجھاتے

نصیحت کرنیوالوں کو اگر کچھ بھی سمجھ ہوتی
جو سمجھاتے ہیں مجھکو وہ مرے دلبر کو سمجھاتے

خدا ایسا بھی ہوتا ہے بنائیں جسکو خود بندے
سمجھتا تو خلیل اللہ یہ آذر کو سمجھاتے

بتاتے راہ اُسی کوچے کی سب گم کردہ راہوں کو
کہیں ملتے تو ہم یہ خضر پیغمبر کو سمجھاتے

کوئی کہتا نہ آتے باز میرے قتل سے ہرگز
جو دنیا ان کو سمجھاتی وہ دنیا بھر کو سمجھاتے

انگوٹھی کیا نہ دیتا ہم کو وہ چھلّا نشانی کا
اگر آکر سلیماں اس پری پیکر کو سمجھاتے

یہ ضد ہے دیکھئے گر شمع روشن میرے تربت پر
اُسی دم جاکے گل کردے وہ یہ صرصر کو سمجھاتے

وہ شاہِ حسن ہے تو عہدِ اکبر میں اگر ہوتا
نگیں کر پیشکش یہ نورتن اکبر کو سمجھاتے

خدا ہمت اگر دیتا تو اپنے قتل کی چالیں　　کبھی قاتل کو سمجھاتے کبھی خنجر کو سمجھاتے

نہ سے جانا ہمیں نخوت بڑھا اینکو حسینوں کا　　زباں ہوتی تو آئینے یہ روشن گر کو سمجھاتے

تڑپ کر رو کے اُس محفل میں یادو نے کیا رسوا　　دل ناداں کو سمجھاتے کہ چشم تر کو سمجھاتے

امیر اب کی ہو سودا جوش پر ہم کو اگر ملتا
بنانا بیڑیاں بھاری یہ آہنگر کو سمجھاتے

عشق میں جینے کے بھی لالے پڑے　　ہائے کس بیدرد کے پالے پڑے

وادیِ وحشت میں جب رکھا قدم　　آ کے میرے پاؤں میں چھالے پڑے

دل چلا جب کوچۂ گیسو کی سمت　　کوس کیا کیا راہ میں کالے پڑے

دور تھا زنداں سے کیا دشت جنوں　　چلتے چلتے پانوں میں چھالے پڑے

کس نگہ نے کر دیا عالم کو مست　　ہر جگہ لاکھوں ہیں متوالے پڑے

ہجر میں جب منہ لگایا جام کو　　سیکڑوں ہونٹوں پہ پھپھولے پڑے

طوق وحشت اپنی گردن میں پڑا　　یار کے کانوں میں جب بالے پڑے

تجھ کو اک آنسو کی حسرت ہے امیر
کتنے مینھ برسا گئے جھالے پڑے

آنکھ اُس کے حضور رو رہی ہے　　ساتھ اپنے مجھے ڈبو رہی ہے

دیدار کہاں کہ دور ہے حشر　　قسمت ابھی اپنی سو رہی ہے

کیا باغ میں دیکھتی ہے شبنم　　جو گل کی ہنسی پہ رو رہی ہے

اللہ رے حسن دختر رز　　زاہد کے حواس کھو رہی ہے

کیا کشتی و ناخدا کا شکوہ　　تقدیر ہمیں ڈبو رہی ہے

مقراض کترکتر کے وہ خط　　کانٹے مرے حق میں بو رہی ہے

نرگس کو صبا نہ چھیڑ اتنا　　سونے دے غریب سو رہی ہے

گلشن میں جو ابر ہے دھواں دھار — میخوار دل میں دھوم ہو رہی ہے
اُس تیغ کے منھ چڑھے نہ بجلی — کیوں جان سے ہاتھ دھو رہی ہے
کیا شوخ ہے اُس کی یاد مژگاں — دل میں نشتر چبھو رہی ہے
ہم جاگ رہے ہیں ہجر کی شب — تقدیر ہماری سو رہی ہے

احسان ہے امیر چشم تر کا
نالے کی سیاہی دھو رہی ہے

طرفہ پیغام یہ الفت کی نظر کہتی ہے — کہ مرے دل کی ترے دل سے خبر کہتی ہے
آج آتا ہے وہ گل باد سحر کہتی ہے — سچ ہو یارب جو یہ اُڑتی سی خبر کہتی ہے
بلبل و گل میں ہے غماز نسیم سحری — کچھ اِدھر کہتی ہے کچھ جا کے اُدھر کہتی ہے
جوہری کیا ترے دانتوں سے ملاتے ہیں اُسے — پانی پانی ہوں یہ خود آب گہر کہتی ہے
غنچۂ گل مجھے کہتے ہیں یہ کہتا ہے دہن — رگ گل میں ہوں یہ باریک کمر کہتی ہے
یاد پچھلوں کی دلاتے ہیں مجھے موئے سپید — گرد رہ قافلے والوں کی خبر کہتی ہے
ماہ نو میں ہوں یہ اُس تیغ کا ہے دوش پہ قول — بدر میں ہوں یہ پس پشت سپر کہتی ہے
نوجواں عشق پیری کا مزہ کیا جانیں — عضو تن وجد میں ہیں جنبش سر کہتی ہے
شام غم کا ہے یہ اشارہ کہ پہن رخت سیاہ — چاک کر ڈال گریباں یہ سحر کہتی ہے
بحر عالم میں سفینہ کوئی بچنے کا نہیں — ہمہ تن ہو کے زباں موج خطر کہتی ہے
متحمل ہے اگر غم کا تو دل ہے میرا — تیغ رکھتی ہے مجھی سے یہ سپر کہتی ہے

کیوں زباں تیغ کی خاموش ہے محفل میں امیر
حال قاتل سے مرا کہدے اگر کہتی ہے

باندھی جو روز حشر ہوا ہم نے آہ کی — اُڑتی پھرے گی فرد ہمارے گناہ کی
شرکت نہ کی ملال میں کس دادخواہ کی — دل پر کسی کے چوٹ پڑی ہم نے آہ کی

اب دشمنی ہے اُس کو تو کچھ راہ راہ کی — سیدھی طرح سے یار نے ترچھی نگاہ کی

عاشق کے دل میں عشقِ بتاں کا کہاں گزر — یہ چھاؤنی ہے فوجِ غم و درد و آہ کی

عاشق ہوں فوجِ اشک کو آنکھوں میں دو جگہ — سردار کو ضرور ہے خاطر سپاہ کی

گہنا نہیں کے چھپیں گے جو اُس تند خو کے سخن — کہہ دو کہ شامت آئی ہے خورشید و ماہ کی

اُس گل کو کیوں نہ پہنچے میں وحشی جو خط لکھوں — صحرا میں ڈاک بیٹھی ہے مردم گیاہ کی

بھاری بہت ہے لاؤ نگار روزِ جزا میں رند — رکھوا کے سر پہ شیخ کے گٹھری گناہ کی

دامن سے کیوں چھپاتے ہو بالوں کو راہ میں — آندھی نہیں ہے گرد ہماری نگاہ کی

دل سے پتا ملے گا زنخدانِ یار کا — یوسف سے راہ پوچھئے کنعاں کے چاہ کی

سب ہے رہ نوردی سے کام خبرہ روؤں کو کیا — تربت گدا کی ہو کہ لحد بادشاہ کی

میں رند خوابِ مرگ سے اٹھا تو دیکھنا — پرسش ہی روزِ حشر اٹھا دے گناہ کی

کندن سا چہرہ دیکھو کبھی آئینے میں تم — سونا ملاؤ مہر کا چاندی ہیں ماہ کی

خرمن ہزار صبر کے اک دم میں جل گئے — بجلی چمک گئی جدھر اُس نے نگاہ کی

ہوں وہ خلیل دیر میں توڑوں اگر صنم — آواز آئے اشہد ان لا الہ کی

پائے قلم نے لکھ کے ترے گیسوؤں کا وصف — خلخال پہنی حلقۂ مارِ سیاہ کی

کہہ دوں گا سب گناہ مرے مجھ کو یاد ہیں — کیوں فرد کاتبانِ عمل نے سیاہ کی

سہرِ قتل گہ میں دے کے عدم کو گیا امیرؔ

لی گھر کی راہ پھینک کے گٹھری گناہ کی

آنکھ مجھ سے دل لے اغیار سے — یار در گذرا میں ایسے پیار سے

ہے حسینوں کو خلش مجھ زار سے — پھول کچھ کھٹکے ہوئے ہیں خار سے

ذوق کا ہے عشق ابرو میں یہ حکم — عمر بھر گردن گلا تلوار سے

لے چلی غربت جو صحرا کی طرف — مل کے ہم روئے در و دیوار سے

نور وہ شمس و قمر میں بٹ گیا — بچ رہا تھا کچھ جو کوئے یار سے
دور سے آخر ہوا آئی خزاں — میکشو اٹھو چلیں گلزار سے
تجھے وہ موسیٰ غش پہ غش آیا جنہیں — یاں تو آنکھیں کھل گئیں دیدار سے
گرمیاں کرنے گئی تھی رات کو — رو کے اٹھی شمع بزم یار سے
بلبلوں کو دیکھ کر شیدائے گل — وہ بہت الجھے گلے کے ہار سے
پھول سب ہنستے ہیں شبنم کے لیے — تو بھی روتی ہوئی گلزار سے
پھیلی جو بچے ہوا کے بوئے مشک — مشک تاجر جس طرح تاتار سے
رنج و غم درد و الم ہیں غمگسار — جی بہلتا ہے انھیں دوچار سے
کیوں برستی ہے اداسی اے صبا — کون گل رخصت ہوا گلزار سے
چشم و دل دونوں غضب میں پڑ گئے — ذوق وصل و حسرت دیدار سے
بے طرح نرگس کی پڑتی ہے نگاہ — آپ اب باہر چلیں گلزار سے
ابرو و مژگاں پہ ہوتا ہوں نثار — ہے وصیت میرے ہر غمخوار سے
غسل دینا آب خنجر سے مجھے — قبر کھدوانا مری تلوار سے

وادی غربت میں پھرتا ہو امیر
کوئی کہدے اس غریب آزار سے

کیجئے قتل ابروئے خمدار سے — کاٹیے جو رنگ اس تلوار سے
مر کے چھوٹا کوہکن آزار سے — پائی چھٹی روز کی بیگار سے
کر چکے قتل اب کہیں رسوا نہ ہو — جاؤ دھو ڈالو لہو تلوار سے
اس کی مژگاں پر گرا پڑتا ہے دل — عشق ہے اس آبلے کو خار سے
دیکھنا پھرے سیہ خانے کا ڈر — دھوپ اترتی ہی نہیں دیوار سے
ہے مثل دیا اس اخذی الراحتین — موت اچھی عشق کے آزار سے

بے سبب چہچہا گل نہیں کرتی ہے شور — یہ بھی نالاں ہے تری رفتار سے

طور پر موسیٰ سے کہہ دو ہوشیار — برق چمکی جلوہ گاہ یار سے

چشمِ جاناں کو ہے دنبالہ گراں — اٹھ نہیں سکتا عصا بیمار سے

شعلۂ جوالہ ہے خلخال پا — اس پری کی گرمیِ رفتار سے

غیر حالت سن کے میری اف رے ضد — آنکھ اس نے پھیر لی اغیار سے

ہو جو ناواقف ہم آغوشی کا ڈھنگ — سیکھ لو اپنے گلے کے ہار سے

ہر قدم پر سو طرح کی مستیاں — ٹپکی پڑتی ہیں تری رفتار سے

حکم ہے شوقِ شہادت کا یہی — دو قدم آگے چلوں تلوار سے

لاش ہی اٹھے یہاں سے تو اٹھے — اٹھ چکے ہم آستانِ یار سے

میں اسے پیرِ مغاں سمجھا امیر
مست جو نکلا درِ خمار سے

صلح کل میں ہے ابھی شرکت کہیں تھوڑی سی — اور اے پیرِ خرابات نشیں تھوڑی سی

مدد اے شوقِ سجود المدد اے شوقِ سجود — سر نہ اٹھے ابھی باقی ہے جبیں تھوڑی سی

کچھ تو پیدا ہو کبابِ دلِ بریاں میں مزہ — چاہیے الفتِ خالِ نمکیں تھوڑی سی

دیکھ مشاطہ جگہ ڈھونڈھ رہے ہیں تارے — خالی افشاں سے نہ رہ جائے جبیں تھوڑی سی

جان آ جائے ابھی جامے سے باہر ہوں نہیں — دے جگہ دل کو جو وہ پردہ نشیں تھوڑی سی

نقدِ جاں دل کی طرح دیجے ابھی لیتا ہوں — لذتِ درد جو ہاتھ آئے کہیں تھوڑی سی

خالِ ابرو کو جو دیکھا تو یہ معلوم ہوا — ملکِ ہند میں ہے کعبے کی زمیں تھوڑی سی

دانۂ خال ہی دکھلا نہ سہی جنسِ جمال — بانگی چاہیے اے پردہ نشیں تھوڑی سی

روزہ داروں کو نہیں خواہشِ لذت اے شیخ — وقتِ افطار ملے نانِ جویں تھوڑی سی

نزع کا وقت ہے اب دیر نہ کر آنے میں — رہ گئی ہے نگہِ باز پسیں تھوڑی سی

کوچۂ وہم ہے تار یاں کھٹکنے کا ہے ڈر — بچا ہئے رو شنی شمع یقیں تھوڑی سی
خلق اغیار سے بچا ہے نہیں گر عادت — اپنے دامن ہی سے لے لیجئے چیں تھوڑی سی
عشق گیسو میں مرے دل کا ہے سودا کچھ اور — بڑھ گئی بات تھی اے طفل حسیں تھوڑی سی
ایک قطرہ بھی نہ بینا گرا اے جان جہاں — اسی انداز سے کہہ کے کہ نہیں تھوڑی سی
کوچۂ یار میں ہوں لاکھ تپش کے ساماں — پھر جو تسکین ہے دل کو تو وہیں تھوڑی سی

شور محشر کا سناؤ کر جو واعظ سے امیر
مل گئی لذت خال نمکیں تھوڑی سی

پائی راحت جو تہ خنجر کیں تھوڑی سی — آ گئی نیند دم باز پسیں تھوڑی سی
اڑ گیا توسن دلدار جھجک کر کو سوں — گرد پہنچی جو مری تا سر زیں تھوڑی سی
بدر ماتی رہی اوروں سے یہاں تاب کہاں — لاکھ تیغیں ہیں مجھے چیں بہ جبیں تھوڑی سی
ہوں وہ کافر کہ جھکا سجدۂ بت میں سر دست — ایسی خالق نے بنائی تھی جبیں تھوڑی سی
میرے اشکوں سے یہ ترہے نکل آئے پانی — کھودے روزن کو اگر مور زمیں تھوڑی سی
دوستو قبر پہ شاید وہ قدم رنجہ کرے — داکفن سے رہے سجدہ کو جبیں تھوڑی سی
سلطنت پہلے ہی کرتا نہ قبول ابراہیم — گر نہ ہوتی ہوس تاج نگیں تھوڑی سی
تیری آنکھوں کے لیے خلق ہوئی تھی شوخی — بچ گئی اس میں سے یہ آہوئے چیں تھوڑی سی
ہدیۂ دوست سمجھ کر میں ہوا شکر گذار — رد کبھی سو کبھی جو ملی نان جویں تھوڑی سی
شوق سجدے کا ہے اُس بہر لقا کے در پر — دم بدم سلیہ کی بڑھتی ہے جبیں تھوڑی سی
تنگ آئے ہیں بہت بیٹھ رہیں جاں جا کر — اس جہاں سے جو الگ پائیں کہیں تھوڑی سی
عذر تقصیر سے تقصیر ہی اچھی تھی مجھے — بڑھ گئی اور تری چین جبیں تھوڑی سی
نوک شمشیر سے کھینچی تری مژگاں کی شبیہ — رکھ گیا نوک کی صورت کہ جبیں تھوڑی سی
بدر ماتی کا نشاں بھی نہ رہے کچھ اے نقاش — اُسکے نقشے میں بنا چیں بہ جبیں تھوڑی سی

کیا بنیں ہم سے خرابات نشیں تھوڑی سی
خم کے خم چڑھا جائیں تو سمجھے کہ کوئی گھونٹ اترا

بیتیں ہو سکتی ہیں اسمیں بھی بہت نظم امیر
گھر بنانیکو بہت ہے یہ زمیں تھوڑی سی

جو بعد مرگ مرے دل میں کچھ غبار آئے
عجب نہیں ہو کہ آندھی تہ مزار آئے

وہ لیکے تیر و کماں جب پئے شکار آئے
سلام کرنے ہرن باندھ کر قطار آئے

عجیب خواب گراں میں ہیں خفتگان زمیں
کسی نے بھی نہ سنا ہم بہت پکار آئے

گڑھے میں گور کے پہنچا آئے اقربا مجھ کو
سلوک خاک کیا سر کا بوجھ اتار آئے

فلک نے ساتھ مصیبت کے مجلسیں بھی دیں
جو فاقہ گھر میں ہوا میہماں ہزار آئے

ہم ایک بار بلانے پہ لاکھ بار گئے
وہ لاکھ بار بلانے پہ ایک بار آئے

ہمیں تو جان بھی دیتے ہیں اسے جو نہیں عذر
خدا کرے کہ کہیں تم کو اعتبار آئے

بندھا تصور مژگاں جو نزع میں مجھے
پئے طلب در دولت سے چوبدار آئے

جنوں زدوں سے عداوت کو کونپلیں پھوٹیں
شکار فیل کو ترکان نیزہ دار آئے

خلیل سا تھا میں نہ قائل ہوا ستاروں کا
بدل کے رنگ یہ بہروپئے ہزار آئے

غضب ہے جو دل میں کیا گھر تمہاری آنکھوں نے
خراب کرنے کو مسجد میں بادہ خوار آئے

ہوا ہے چھوڑ کے خالق کو بندۂ مخلوق
بتوں کو خاک برہمن کا اعتبار آئے

شراب میکدہ کب ہے نصیب زاہد میں
حصول کیا ہے جو مسجد میں روزہ دار آئے

جو ترک غیر کو میں نے کہا تو وہ بولے
کہاں کے آپ بڑے ایسے دوستدار آئے

گناہگاروں کا چورنگ کھیل ہے اُن کو
اِدھر اُدھر گئے دو چار ہاتھ مار آئے

جلا ہوں یہ فلک سرد مہر کے ہاتھوں
لگاؤ ہاتھ تو کافور کو بخار آئے

کہاں فلاح کہ اب چاہتا ہے چرخ دنی
در بخیل پہ حاتم امیدوار آئے

یقیں ہے ذکر کرے میری جوش وحشت کا
جو آبلے کے دہن میں زبان خار آئے

جلا رہے ہیں شب غم میں اور بھی جگنو
کہاں سے اڑ کے جہنم کے یہ شرار آئے

ہو پھوڑ کے عبر دوں وہ نہ چشمک ہوں
نظر جو شیشہ خالی دم خمار آئے

جنوں کی فکر احبا نے کی، بہار تو کیا
یقیں ہے آج ہی کل موسم بہار آئے

کون بیماری میں آتا ہے عیادت کرنے
غش بھی آیا تو مری روح کو رخصت کرنے

جان دو بھیر تم فرقت میں بدم کو لیکن
کون جائے ملک الموت کی منت کرنے

اس کو سمجھاتے نہیں جا کے کسی دن ناصح
روز آتے ہیں مجھی کو یہ نصیحت کرنے

تیرے ساتھ چلا دل تو کہا میں نے کہاں
حشر میں بولے کہ جہان کو رخصت کرنے

آگے میخانے میں تھے پیر خرابات امیر
اب چلے مسجد جامع کو امامت کرنے

بوقت بحر غم سے کشتی جان حزیں نکلی
کبھی بیٹھی کبھی اچھلی کبھی ڈوبی کہیں نکلی

عجب انداز سے مقتل میں اسکی تیغ کیں نکلی
کہ دل سے مرحبا نکلا جگر سے آفریں نکلی

زمانہ ہو گیا موجود جس دم ہاں کہا تو نے
ہوا نابود عالم جب ترے منہ سے نہیں نکلی

تعلی میں کمی کی کب ہماری طبع عالی نے
بنایا آسماں جب شعر کی کوئی زمیں نکلی

خدا کا شکر وہ بت نزع کے دم دیکھنے آیا
نظارے کی جو حسرت تھی وہ وقت واپسیں نکلی

دکھایا لطف زلف مشکبو میں طرہ افشاں نے
شب دیجور میں کیا چاندنی اے مہ جبیں نکلی

وہ کشتہ تھا حسینوں کا کہ میری خاک تربت پر
کسی نے کوئی بویا تخم شاخ یاسمیں نکلی

وہ کیا پردے سے نکلے جسکے پیراہن کو غیرت ہو
ہوا چیں بر جبیں دامن جو دیکھی آستیں نکلی

جو بجلی ابر میں چمکی کبھی قیس حزیں سمجھا
سیہ خیمہ سے باہر لیلی محمل نشیں نکلی

وہ تھا غم دوست سنگ جور گردوں جب پڑا مجھ پر
شکست شیشۂ دل سے صدائے آفریں نکلی

ہوئی تھی راہ جو رنگیں تری رنگیں خرامی سے
وہی قوس قزح بنکر سر چرخ بریں نکلی

سوال وصل اُس بت سے کیا لیکن میں ڈرتا ہوں
بنیگی ایک تحیر کی اگر منھ سے نہیں نکلی

تصور ایسا تھا دل میں امیر اُس روئے زیبا کا
پری بنکر ہمارے منھ سے آہ آتشیں نکلی

رند خراب تیرا وہ مے پئے ہوئے ہے
مدت سے جان جس پہ زاہد دیئے ہوئے ہے

کس شان سے وہ میکش آتا ہے میکدے میں
قاضی سبو صراحی مفتی لیئے ہوئے ہے

آتا نہیں نظر کچھ گو سامنا ہے اُس کا
کیا بیچ میں تحیر پردہ کئے ہوئے ہے

ہو کون بخیہ گر سے زخمی کا تیرے ساعی
رشتہ کھنچا ہے سوزن منھ کو سیئے ہوئے ہے

پیر مغاں وہ کامل مرشد ہے بادہ خوار و
جمشید بھی پیالہ اس کا پیئے ہوئے ہے

حرمت میں دختر رز کی اصرار ہے جو اتنا
یہ بات کیا ہے رند و واعظ پئے ہوئے ہے

رحم اب امیر پر بھی لازم ہے یار تجھ کو
کب سے ڈھٹی وہ تیرے در پر دیئے ہوئے ہے

دل عاشق میں کیونکر عکس روئے دلربا ٹھہرے
جہاں آفتاب آئینہ شبنم میں کیا ٹھہرے

سفر ٹھہرے تو قسمت پیچ در پیچ کار کی صورت
قدم ہو ایک اگر اپنا رواں تو دوسرا ٹھہرے

جو چشم غور سے آئینہ توحید کو دیکھا
تو سب کچھ تو ہی ٹھہرا ہم نہ کچھ اے خود نما ٹھہرے

گیا مرقد تلک گھر سے جنازہ ڈاک پر اپنا
عزیز احباب پہلے راستہ میں جابجا ٹھہرے

صفیں آراستہ ہونے لگیں جب اہل محشر کی
جتا کر ایک ٹکڑی حسرتوں کی ہم جدا ٹھہرے

زہے حسرت نکالے ہم گئے جب کوئے جاناں سے
بہت مڑ مڑ کے دیکھا دیر تک در پر قضا ٹھہرے

قضا سیلاب طوفان نوح اک کشتی ہے بے لنگر
رکے رونے سے وہ کیونکر یہ ٹھہرائے سے کیا ٹھہرے

زمین کوئے جاناں بھی عجب عجیب تختہ تھا
جہاں ٹھہرے ہمارے پاؤں شکل نقش پا ٹھہرے

امام سبحہ کے مانند ہم اُس بزم کثرت میں
جو ٹھہرے سب میں مل کر بھی تو پھر سب سے جدا ٹھہرے

کمال عجز ہم کو لے اڑا اوج رسا لے ہو
ہوئے بے بال و پر تو ہم نگر دست دعا ٹھہرے

رہے سائے کی صورت ساتھ ہم ہر شخص کے لیکن / جدا اُٹھے جدا بیٹھے جدا آئے جدا ٹھہرے

غبار رنگ آرائش سے روشندل مبرا ہیں / کہ آئینہ پر ممکن نہیں زنگ خطا ٹھہرے

نکالے جاتے ہیں ہر روز اُسکی پاس خاطر سے / ترے عاشق نہ ٹھہرے ہم عدو کا مدعا ٹھہرے

تپ غم سے امیر اخگر کی صورت جلتے ہیں اعضا

جو ٹھہرے تن پہ تو خاکستری شاید قبا ٹھہرے

فنا کیسی بقا کیسی جب اُسکے آشنا ٹھہرے / کبھی اس گھر میں آ نکلے کبھی اُس گھر میں جا ٹھہرے

نہ ٹھہرا وصل کاش اب قتل ہی پر فیصلا ٹھہرے / کہاں تک دل مرا تڑپے کہاں تک دم مرا ٹھہرے

جفا دیکھو جنازے پر مرے آئے تو فرمایا / کہو تم بیوفا ٹھہرے کہ اب ہم بیوفا ٹھہرے

نہ خنجر بھی منہ موڑا نہ قاتل کی اطاعت سے / تڑپنے کو کہا تڑپے ٹھہرنے کو کہا ٹھہرے

زہے قسمت حسینوں کی بُرائی بھی بھلائی ہے / کریں یہ چشم پوشی بھی تو نظروں میں حیا ٹھہرے

یہ عالم بیقراری کا ہے جب آغاز الفت میں / دھڑکتا ہے دل اپنا دیکھئے انجام کیا ٹھہرے

حقیقت کھولدی آئینہ وحدت نے دوئی کی / نہ تم ہمسے جدا ٹھہرے نہ ہم تمسے جدا ٹھہرے

دل مضطر سے کہدو تھوڑے تھوڑے سب مزے چکھے / ذرا بہکے ذرا سنبھلے ذرا تڑپے ذرا ٹھہرے

شب وصلت قریب آنے نہ پائے کوئی خلوت میں / ادب ہمسے جدا ٹھہرے حیا تمسے جدا ٹھہرے

اُٹھو جاؤ سدھارو کیوں مرے مرقد پہ روتے ہو / ٹھہرنے کا گیا وقت اب اگر ٹھہرے تو کیا ٹھہرے

نہ تڑپا چارہ گر کے سامنے آ درد یوں مجھکو / کہیں ایسا نہو یہ بھی تقاضائے دوا ٹھہرے

ابھی جی بھر کے وصل یار کی لذت نہیں اٹھی / کوئی دم اور آغوش اجابت میں دعا ٹھہرے

خیال یار آ نکلا مرے دل میں تو یوں بولا / یہ دیوانوں کی بستی ہے یہاں میری بلا ٹھہرے

امیر آیا جو وقت بد تو سب نے راہ لی اپنی

ہزاروں سیکڑوں میں درد و غم دو آشنا ٹھہرے

سوز جگر سے شمع شبستاں بغل میں ہے / داغوں کی روشنی سے چراغاں بغل میں ہے

کیا خوف ہے جو دفتر عصیاں بغل میں ہے ۔ آنکھیں سلامت اشک کا طوفاں بغل میں ہے

ہر دم کھٹک جو ہوتی ہے سینے میں بار بار ۔ شاید بچائے دل کو کوئی پیکاں بغل میں ہے

کیا خوف زخم الفت مژگاں میں دل ہو شیر ۔ یہ تیر کھائے بیٹھا کہ نیستاں بغل میں ہے

تیرے قدم کے فیض سے ہر ذرہ راہ کا ۔ روشن یہ ہے کہ مہر درخشاں بغل میں ہے

آئی بہار پھر بھی کسی جا نہیں خوشی ۔ ہر غنچہ یاس باغ کا بیاباں بغل میں ہے

واقف نہیں ذرا بھی اسرار حق سے خود آہ ۔ کہتے ہوں کا پڑھتے ہیں قرآں بغل میں ہے

واعظ کتاب دیتے ہیں مجھ کو دکھا دکھا ۔ بوتل شراب کی بھی تو ہاں بغل میں ہے

کس منہ سے جاؤں اور عشق کے سامنے ۔ شرم آتی ہے کہ دفتر عصیاں بغل میں ہے

کافی ہیں سو تسلی کو مجھے داغ ہائے دل ۔ طاؤس کی طرح سے چراغاں بغل میں ہے

شاعر ہیں اس زمانے کے دریوزہ گر امیر
نکلے ہیں بھیک مانگنے دیواں بغل میں ہے

گرد باد اٹھ کے سراپردہ در کس کا ہے ۔ اے جنوں خانہ بدوشی میں یہ گھر کس کا ہے

جلوۂ خورشید میں یہ پیش نظر کس کا ہے ۔ چاک داماں سحر رخنۂ در کس کا ہے

توڑتا ہے جو کوئی پھول تو کہتی ہے صبا ۔ کیا خبر تجھ کو کہ یہ دل یہ جگر کس کا ہے

اس طرف منہ نہیں کرتا ہے جو خورشید کبھی ۔ گرم کیا جانیے بازار ادھر کس کا ہے

تو بھی یاں رہنے کو آیا ہے یہ ہیں اہل قبل ۔ جو ہے دنیا میں مسافر ہے یہ گھر کس کا ہے

برچھیاں تن پہ لگیں تیغ پڑے تیر آئیں ۔ آرزو مند اجل ہوں مجھے ڈر کس کا ہے

طالب غیر نہیں جلوۂ معشوق پسند ۔ غیر شیریں دل فرہاد میں گھر کس کا ہے

دل کے سو ٹکڑے ہوں آجائے کلیجا منہ کو ۔ ضبط سے آہ نہ نکلے یہ جگر کس کا ہے

اس کے دامن پہ گرا اشک جو میرا تو کہا ۔ واہ کیا شوخ ہے یہ نور نظر کس کا ہے

دل کبھی منزل حق ہے کبھی بت کا مسکن ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے یہ گھر کس کا ہے

تیرے گریاں کے اگر لاک ہیں اے حور نہیں — باغ فردوس میں یہ قصر گہر کس کا ہے

عکس آئینہ صفت ربط ہے منھ دیکھے کا — خوب واقف ہوں میں دلبر ترے گھر کس کا ہے

لاکھ لاکھ اُس شہِ خوباں کے ہیں احسان امیر
عشق منزل تلک اس طرح گذر کس کا ہے

در پہ بیٹھا کون ہے کعبے میں گذر کس کا ہے — ایک کا گھر ہے اگر ہے تو وہ گھر کس کا ہے

تیر پر تیر لگاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے — سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

رہبری کو جو گیا دیدۂ یعقوب سے نور — کشورِ مصر کو کنعان سے سفر کس کا ہے

تندرستوں نے قضا کی ہوئے بیمار صحیح — پہلے کیا جانئے دنیا سے سفر کس کا ہے

خوفِ میزانِ قیامت نہیں مجھ کو اے دوست — تو اگر ہے مرے پلے میں تو ڈر کس کا ہے

جھانک کر میرے سیہ خانے کو کہتا ہے یہ ماہ — تیرہ العظمۃ للہ یہ گھر کس کا ہے

دانے کی خاک نشینی سے ہوئی نشو و نما — خاکساری کا نہیں تو یہ ثمر کس کا ہے

کوئی آتا ہے عدم سے تو کوئی جاتا ہے — سخت دونوں میں خدا جانے سفر کس کا ہے

چھپ رہا ہے قفسِ تن میں جو سہما طائرِ دل — آنکھ کھولے ہوئے شاہین نظر کس کا ہے

کھل گیا منھ کو مری گور میں مانند عروس — بولی عبرت کہ ذرا دیکھ یہ گھر کس کا ہے

خلد بے شبہ خدا دے گا بنی آدم کو — باغِ مملوکِ پدر غیرِ پسر کس کا ہے

نام شاعر نہ سہی شعر کا مضموں ہو خوب — پھل سے مطلب ہے تجھے کیا کہ شجر کس کا ہے

لاش زیرِ شجر کوچۂ محبوب گڑے — نخل شاید نہ بچے تو یہ ثمر کس کا ہے

صید کرنے سے جو ہے طائرِ دل کے منکر — اے کماندار ترے تیر میں پر کس کا ہے

شوق ہوتا ہے عمارت کا تو مجھ سے عبرت — کہتی ہے گور جھنکا کر کہ یہ گھر کس کا ہے

میری حیرت کا شبِ وصل یہ باعث ہے امیر
سر بہ زانو ہوں کہ زانو پہ یہ سر کس کا ہے

جہاں میں ہم کوئی دم صورت حباب رہے / خودی کی شرم سے اسپر بھی آب آب رہے

فراق نرگس میگوں میں ہم خراب رہے / تمام عمر یہ مست بے شراب رہے

نہ مجھ کو آئے نہ اُن کو حساب بوسوں کا / یہ لین دین الٰہی علی الحساب رہے

نصیب ہو کہ نہ ہو صبح دیکھنا غافل / خیال موت کا لازم ہے وقت خواب رہے

پھنسے حساب میں روز حساب اہل حساب / حساب جن کو نہ آیا وہ بے حساب رہے

وصال میں بھی نہ دیکھا پڑا ہو غفلت کا / ہمیں کو ہوش نہ آیا وہ بے نقاب رہے

نہ زر سے کام نہ اسباب سے نہ دولت سے / یہ سب رہیں نہ رہیں عالم شباب رہے

وہ اور ہیں جو حسینوں کی بزم میں ہیں جلیل / کہیں حضور رہے ہم کہیں حجاب رہے

جلائے دل کو تو اچھی طرح سے آتش غم / مزا کچھ اس میں نہیں خام جو کباب رہے

خدا کا نور چھپائے سے چھپ نہیں سکتا / جہاں رہے وہ عیاں مثل آفتاب رہے

بھر آئیگا دل مے نوش دیکھ کر خالی / نظر سے دور ہی مینائے بے شراب رہے

قطعہ

خدا نے مجھ کو سلیقہ عطا کیا ہے بہت / ہر ایک بات کا حاضر صنم جواب رہے

عجب نہیں کوئی مسلم کرے جو دعوی عشق / قسم کے واسطے اللہ کی کتاب رہے

امیر کیجئے توبہ کی فکر پیری میں
مزے شراب کے تا عالم شباب رہے

جہاں میں یوں ہیں جو دور انقلاب رہے / یقین ہے شیرہ کے گھر میں آفتاب رہے

فراق یار میں ساقی شراب کا کیا ذکر / پیا جو آب تو خجلت سے آب آب رہے

وزیر کو سند شاہ کا ہے فرض اعزاز / نبی کے ہاتھ میں اللہ کی کتاب رہے

کرم کرے وہ تو انا جو ناتوانوں پر / تو نخل موم کے سایے میں آفتاب رہے

شراب خانے کو ہے قصد تیرے وحشی کا / سبو کے ہاتھ میں خشت خم شراب رہے

خدا نے مرتبہ عالی دیا ہے محسن کو — بلند ماہ سے کیونکہ نہ آفتاب رہے
رہ خطا میں بھی چلئے تو راستبازی سے — مدام زیر قدم جادۂ صواب رہے
غش آئیگا مجھے دیکھا جو دختر رز کا جمال — قریب ساغر مے شیشۂ گلاب رہے
یقیں ہو تاب نہ لائے حرارت دل کی — جو دو گھڑی مری بالیں پر آفتاب رہے
قصور نفس لعیں سے خدا رہا ناراض — گناہ غیر پہ ہم مورد عتاب رہے
ملا نہ محفل جاناں میں ہم کو اذن نشست — برنگ شمع خجالت سے آب آب رہے
مبارک ابلق ایام ترک گردوں کو — اسی کی ران کے نیچے یہ بدر کاب رہے
خیال رخ یہ بندھا ہم کو عشق گیسو میں — کہ شب کو دن کی طرح روبہ آفتاب رہے

خطاب ہے لب ساغر کا محتسب سے امیر
پھرے جو پیر خرابات سے خراب رہے

بڑھے کیا ربط یار دلستاں سے — نیا روز ایک دل لائیں کہاں سے
بگولے خاک سے اٹھتے ہیں اب تک — نہ مر کر بھی دبے ہم آسماں سے
حسیں سب ہو خواہیں حضرت دل — وفادار آپ لائیں گے کہاں سے
ادھر دیکھو حیا کیسی شب وصل — اٹھاؤ بھی یہ پردہ درمیاں سے
خزاں کے آتے ہی گلچین وصیاد — لپٹ کر خوب روئے باغباں سے
جواب یہ بوسۂ لب سے ہوا انکار — کہا تھا وصل کو پھر کس زباں سے
نکلتا ہو مرا دم ڈر نہ جاؤ — خدا حافظ سدھارو تم یہاں سے
خیال قامت محبوب آیا — میں جی اٹھا قیامت کے بیاں سے
کہاں دیر و حرم میں عشق مشرب — یہ لوگ آزاد ہیں قید مکاں سے
خط قسمت مٹے جبتک نہ ایدل — جبیں اٹھے نہ اس کے آستاں سے
امیر اس کو نہ درد دل سنایا — نہ نکلا کام کچھ دل کا زباں سے

ایک دن یاد کرے گا غم دلدار مجھے — روئیگا بیٹھ کے تربت پہ یہ غمخوار مجھے

عیش بے رنج کہاں غم کدۂ عالم میں — نظر آتی ہے خوشی خندۂ بیمار مجھے

تیرے جاتے ہی اجل آ کے کیا دفن اے روح — تو جو ہوتی تو نہ کرتے یہ گرفتار مجھے

سیل ساں جوش میں اٹھکر جو میں پہنچا در تک — خوف سے تھم گئی دیکھ کے دیوار مجھے

گر پڑا دیکھ کے چاہ ذقن اس یوسف کا — مل گیا گوشۂ خلوت سر بازار مجھے

روز محشر در جنت سے جو دھکا کھاتا — آ گیا یاد سگ کوچۂ دلدار مجھے

نالہ کر دونگا کوئی دم میں بہت کھینچتی ہے — منھ پہ چڑھنے تو ذرا دے تری تلوار مجھے

آنکھ کہتی ہے یہ دل سے کہ کرینگی برباد — خواہش وصل تجھے حسرت دیدار مجھے

کیا قیامت سے ڈروں عاشق قامت ہوں میں — ایسے فتنے نظر آئے ہیں کئی بار مجھے

پیچ ہے مر جانے سے بڑھ جاتی ہے انساں کی قدر — دوش پر لیکے چلے ہیں مرے غمخوار مجھے

جوہر تیغ مرے دام میں ہو وہ طائر ہوں — مشتری ذبح کریگا سر بازار مجھے

گھر سے نکلا تو وہ تھا ساتھ جنازے کے امیر
رک رہا جان کے وارفتۂ رفتار مجھے

خلعت روز ازل بے سر و سامانی ہے — خاص ملبوس مرا جامۂ عریانی ہے

دل کہتا ہے اسے برق چمکتی ہے جو برق — کسی معشوق کی ہنستی ہوئی پیشانی ہے

زلف بڑھ کر نہیں آتی ہے قدم تک تیرے — قد آدم مری تصویر پریشانی ہے

محو نظارۂ قاتل ہوں میں ایسا دم ذبح — کہ ہر اک داغ بدن دیدۂ قربانی ہے

ہاتھ میں نامۂ اعمال کی جا روز جزا — اپنی بخشش کی سند داغ پشیمانی ہے

صورت آئینہ کیا نیک و بد دہر سے کام — خط تقدیر سے خالی مری پیشانی ہے

مرگ کے بعد بھی ہرگز نہ بدن سے اترا — کسقدر چست مرا جامۂ عریانی ہے

لطف ساقی سے حکومت ہے زمانے کی نصیب — کشتی مے مجھے اورنگ سلیمانی ہے

ذبح کے بعد تجھے دیکھ رہا ہے قاتل — دیکھ کیا حوصلۂ دیدۂ قربانی ہے
معنی مطلع ابرو تو بتا دیں مجھ کو — تیری آنکھوں کو جو دعوائے سخن دانی ہے
مجمع عام میں نکلے عبث اے پردہ نشیں — کب گوارا تری تلوار کی عریانی ہے
دیکھ کر نقش قدم کو ترے کہتا ہے فلک — یہ چمکتی ہوئی کس چاند کی پیشانی ہے
بار ہا پر آئے تو بے موت مریں حضرت خضر — گھاٹ میں یار کی تلوار کے وہ پانی ہے
کم نہیں آئینہ خانے سے یہ بزم جہاں — جس طرف دیکھئے اک عالم حیرانی ہے

جلوۂ شاہد رحمت ہے گناہوں سے اسیر
درۃ التاج کرم اشک پشیمانی ہے

صحت ہوئی مرض سے مگر ناتواں رہے — پرہیز کون توڑے ہم اتنے کہاں رہے
پامال سرکشوں کے رہے ہم جہاں رہے — دب کر زمین کی طرح تہ آسماں رہے
خنجر کو رکھ کے زخم میں اس ترک نے کہا — ایسے دہن میں چاہیے ایسی زباں رہے
ممکن نہیں کہ دل میں چھپے عشق زلف یار — آئینے میں جو بال پڑے کیا نہاں رہے
کعبہ بھی چند روز رہا ہے صنم کدہ — چندے خدا کے گھر میں بھی بت میہماں رہے
تا حشر ان کو ناز مبارک مجھے نیاز — مانند عشق حسن بھی یارب جواں رہے
یارب چھٹیں نہ زلف سے ہم عاشقوں کے دل — آباد مومنوں سے یہ ہندوستاں رہے
دونوں جہاں کی فکر سے فارغ ہیں مے پرست — ہو خم کی خیر مغ کی سلامت دکاں رہے
دو روز بتکدے کی بھی کر آئیں چل کے سیر — زاہد خدا کے گھر میں بہت میہماں رہے
دل میں سوا خدا کے نہیں جائے غیر خوف — خلوت کے واسطے بھی تو کوئی مکاں رہے
چشم کحیل یار نے دم بند کر دیا — سرمے کی گرد میں مرے نالے نہاں رہے
مانند مردمک اسے آنکھوں میں دیں جگہ — انساں جو آپ اپنی نظر سے نہاں رہے
میں ہوں حباب مجھ کو تعلی سے کام کیا — گھر کی زمین گھر کا مرے آسماں رہے

اخفا طبیب سے ہے تپ عشق کا ضرور — نبض استخواں میں شمع کی صورت نہاں ہے

لازم ہے فکر دوست مناسب ہے ذکر دوست — جبتک بدن میں جان دہن میں زباں ہے

ہستی مری مٹا نہ سکی نیستی امیر
وہ ذکر غیر ہوں کہ جو ورد زباں رہے

پوشیدہ خط سے جوہر حسن تباں رہے — اپنے دھوئیں میں آپ یہ شعلہ نہاں رہے

مجھ میں رہے وہ پر میں نہ سمجھا کہاں رہے — قالب میں یار کے روح کی صورت نہاں رہے

ہم غافلان دہر کو آیا ہوا نہ ہوش — تھا کون میزباں کہاں میہماں رہے

ہے گوشت میں بھی معنی روشن کا خاصہ — دلمیں عیاں رہے وہ نظر سے نہاں رہے

دیر و حرم میں سجدہ در دوست پر کیا — تھے آستان یار پہ حاضر جہاں رہے

انساں کو چاہیے کہ دلوں میں جگہ کرے — بو ہو کے اس چمن کے گلوں میں نہاں رہے

غربت میں موت آئی ہے تربت بھی خام ہو — کچھ بے کسی کا لطف فنا بھی نشاں رہے

کہتا ہے وہ صنم کہ رہیں ہم تمہارے گھر — لیکن یہ شرط ہے کہ خدا درمیاں نہ رہے

آئی ندائے غیب گرا جب میں بیقرار — مشکل ہے اب زمیں نہ آسماں رہے

تکلیف دے خضاب کی ہم کو نہ اے ہوس — کچھ روز دن پیر بھی ہم بن جواں رہے

کیسی تڑپ ادب سے نہ کی آنکھ سامنے — گئے ورسد ہوش دم امتحاں رہے

شبنم ہمیں خدا نے بنایا ہے تجھ کو مہر — تیرا ہوا ظہور تو پھر ہم کہاں رہے

راضی ہیں ہم کو پھیر کے منہ ذبح کیجیے — باقی نہ کوئی حوصلۂ امتحاں رہے

لاؤں بھلا کہاں سے دل بے ملال میں — اے دوست غمکدہ تو یہ ہے غم کہاں رہے

اے آہ کر مدد یہ کہاں تک مخالفت — یا ہم رہیں زمیں پہ یا آسماں رہے

ہوتا وصال ذرہ و خورشید کیا امیر
چار آسمان آٹھ پہر درمیاں رہے

یارب حیا سے شہرۂ حسن بتاں رہے — نیچی نظر سے حسن کی اونچی دکاں رہے

لازم ہو اُسکے رخ پہ نمود خط سیاہ — ممکن نہیں کہ آگ کے پیچھے دھواں نہ ہے

حاتم کا داستاں تو نہیں اب تک ہے تذکرہ — وہ کام کر کہ ناموروں میں نشاں رہے

نیرنگ اُن کی شان تجلی کی دیکھئے — اتنے ہوئے عیاں کہ نظر سے نہاں رہے

زیر زمیں بھی آہ کی عادت ضرور ہو — قابو میں تا کلید در آسماں رہے

گلشن میں مجھسے ہو یہ تقاضائے اضطراب — کھٹکا ہو جس شجر میں وہیں آشیاں رہے

مجھسا نشانہ ڈھونڈھتی ہو بہر تیر یار — کیوں رات دن نہ پشت خمیدہ کماں رہے

یوں بیٹھے بیٹھے زیست کے دن ہو گئے تمام — کشتی میں جیسے ساکن کشتی رواں رہے

آیا کبھی ہما نہ سگ یار اس طرف — برسوں لحد میں ڈھیر مرے استخواں رہے

اب دیکھیں کیا دکھائے نشیب و فراز دہر — اب تک تو جس زمیں پہ رہے آسماں رہے

بیکاری زمانہ سے بیکار کب ہوئے — ہم نبض دشت شل کی طرح سے رواں رہے

بیڑا ہو پار عشق مژہ میں کٹے جو عمر — خنجر کی دھار پر مری کشتی رواں رہے

صیاد اِدھر خلاف اُدھر باغباں امیر
ہم بار خاطر قفس و آشیاں رہے

لطف تب ہو کہ اِدھر ہاتھ میں بوتل آئے — اُس طرف جھوم کے گلزار میں بادل آئے

طالب مرگ بھی ہیں منتظر یار بھی ہیں — دیکھیے کون شب ہجر میں اوّل آئے

سخت جانوں پہ لگا ضرب سمجھ کر قاتل — تیغ میں بال کمر میں نہ تری بل آئے

آنکھ جسکی کہ تری تیغ دو دم پر پڑ جائے — ایک دو اُسکو نظر صورت احول آئے

ہجر جاناں میں کہاں صورت آرام نصیب — چونک اٹھوں جو نظر خواب میں مخمل آئے

ہو محبت میں نہ تلخی کے سوا کچھ حاصل — ثمر اس نخل میں آئے بھی تو حنظل آئے

جوش وحشت میں کروں کیوں نہ میں صحرا کو گریز — آدمی کا جو نظر شہر میں جنگل آئے

ہر قدم پر ہوں دل اہل تماشا پامال
کیا کوئی طاؤس کو تیری سی چلبل چال آئے

وقت گریہ کسی گیسوئے مسلسل کی جو یاد
موج اشک آنکھ سے کیونکر نہ مسلسل آئے

بھولے وہ بیمار کہ نفرت ہو دوا سے مجھ کو
درد سر ہو جو مرے سامنے صندل آئے

ہیں وہ ناداں جنھیں دیر و حرم کے جینے پہ ہو ناز
دیر کتنی ہے اجل آج نہیں کل آئے

وہ جو آئے دل پہ مضطر جو ہم نذر کریں
چشم جاناں کو لئے اور نہ کاجل آئے

دشت میں شوق ہے گردن وحشت کو بھی شیشہ کو
ہر قدم غول دکھاتے مجھے مشعل آئے

ہے یقیں خشک نہ ہوں ہیں نہ رہیں کانٹوں کی
پانوں پھیلائے کئے ہاتھ میں چھاگل آئے

لوٹ [illegible] دل نے دکھائے اثر نالہ و آہ
ہے عجب شاخ شکستہ میں نئے پھل آئے

عشق زلف سیہ یار سے مارا ہے امیر
سایہ کرنے کو نہ کیوں گور پہ بادل آئے

ورد عارض ہو وہ دل کو تو مجھے کل آئے
پانوں گھس جائیں جو سر تک مرے صندل آئے

دو قدم تم جو چلو خلق میں ہلچل آئے
سیر ہو حشر کا دن وقت سے اول آئے

بولے حضرت آج اگر منھ سے نکالوں آواز
جلد آئے جو مرے کان تلک کل آئے

واہ رے شوق شہادت جو قیامت آئے
لوگ محشر کو گئے ہم سوئے مقتل آئے

کفر کیجے میں نہ پھیلاؤ لڑا کر آنکھیں
دیکھیے عارض پہ کہیں بہ کے نہ کاجل آئے

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ نالہ کیسا
سر کے سو کوس سے ہوں تیوری پہ اگر بل آئے

وہ بہ مستی ہوں ساقی کہ اگر پہلو میں
دل کو ڈھونڈھوں تو مرے ہاتھ میں بوتل آئے

توبہ کرتی تھی کہ بوچھار ملامت کی ہوئی
خوب ہی مجھ پہ برستے ہوئے بادل آئے

سر سے اوڑھو نہ دوپٹہ مجھے کھٹکا یہ ہے
کیجے گھونگھٹ کہیں چہرے پہ نہ آنچل آئے

پھول دکھلائی دیئے مجھ کو جنوں میں کانٹے
باغ بن بن کے مرے سامنے جنگل آئے

پھینکئے کاٹ کے جڑ نخل تمنا کی امیر
پھول قسمت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

مخمس بر غزل جناب فردوس مکان نواب یوسف علی خاں بہادر متخلص بہ ناظم والی مصطفےٰ آباد عرف رامپور

کیا کہیے وہ کہتے ہیں ہر بات پہ غلط　　اظہار غم کیا تو کہا سحر [illegible]

یہ درد دل درد دروغ یہ زخم جگر غلط　　ہم نے کہا کہ دعویٰ [illegible]

کہنے لگے کہ [illegible] اور [illegible] غلط

طوفان جوش گریہ ہے [illegible]　　آتش فشانی جگر داغ [illegible]

[illegible] جذب دل بیقرار [illegible]　　تاثیر آہ و زاری شبہائے [illegible]

آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

ہر روز ایک تازہ دکھاتے ہیں ماجرا　　ہر وقت چھوڑتے ہیں شگوفہ کوئی نیا

جب آزمایئے تو نہ یہ سچ نہ وہ بجا　　سوز جگر سے ہو تجھ پہ تھا لہ افترا

شور فغاں سے جنبش دیوار و در غلط

ہاں داستان شکوۂ بخت زبوں دروغ　　ہاں دل کے پیچ و تاب سے سوز جنوں دروغ

ہاں فرط غم سے جوشش سیلاب خوں دروغ　　ہاں سینے سے نمائش داغ درون دروغ

ہاں آنکھ سے تراوش خون جگر غلط

ہیں سب بناوٹیں یہیں فقرے نہ دیجئے　　ساقی صبح ہو تو صبوحی نہ کیجئے

دوڑائیے نہ ہاتھ کو بوسے نہ لیجئے　　آ جائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے

عشق مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

تسخیر یار کے لیے یہ سب فریب ہیں　　صاحب [illegible] کے لیے یہ سب فریب ہیں

سمجھائیو، پیار کے لیے یہ سب فریب ہیں　　بوس و کنار کے لیے یہ سب فریب ہیں

اظہار پاک بازی و ذوق نظر غلط

بھولا سمجھ کے ہمکو جتاتے ہیں گرمیاں
کرتے ہیں پھر جب کبھی ہوتے ہیں مہرباں

ہم یہ سر زمین ہیں وہ بالائے آسماں
لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں

احمق نہیں ہم اسکو نہ سمجھیں اگر غلط

صاحب کہو وہ بات کہ ہو کچھ تو دل نشیں
جسکا نہ سر نہ پانوں ہو اُسکا ہو کیا یقیں

اس جھوٹ کی ہے بندہ نواز انتہا کہیں
سینے میں اپنے جانتے ہو تم کہ دل نہیں

ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے انکی کمر غلط

شیطان بھی تمہارے فریبوں سے مات ہے
تم دنکو دن کہو تو میں سمجھوں کہ رات ہے

اظہار ذوق قتل کی ساری یہ گھات ہے
کہنا ادا کو تیغ خوشامد کی بات ہے

سینے کو اپنے اسکے سمجھنا سپر غلط

تم لاکھ قسمیں کھاؤ نہ مانوں گا میں کبھی
کیا جان اپنے ہاتھ سے کھوتا ہے دل لگی

ناداں بنا رہے ہیں ہمیں آپ واہ جی
مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی

جان عزیز پیشکش نامہ بر غلط

عیاریوں سے یہی کوئی ہوتا ہے نیکنام
صاحب یہی ہو مکر تو بندے کا ہے سلام

یہ کون بک رہا ہے اگر ہم ہوئے تمام
پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام

کہتے ہو جان دی ہے سر رہگذر غلط

مطلب یہ ہے کہ لوگ کہیں لو وہ مر گیا
بیڑے میں عاشقوں کے عجب کام کر گیا

سر پیٹیں آشنا کہ وہ جی سے گذر گیا
ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا

مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط

اس شاعری پہ آپ کو استاد ناتنے
قدروں میں ہم نہ آئینگے گو خاک چھانئے

کیا فرض ہے کہ جھوٹ کو بھی سچ ہی جانئے
آیت نہیں حدیث نہیں جسکو مانئے

ہو نظم و نثر اہل سخن سر بسر غلط

اس بیوفا کو عشق جتانے سے کیا ملا　　الزام اٹھائے بیٹھے بٹھائے ہزار ہا
کہتا نہ تھا امیر کہ اظہار ہے بڑا　　یہ کچھ سنا جواب میں ناظم ستم کیا
کیوں یہ کہا کہ دعوے الفت مگر غلط

رباعی

گھر کھٹنے کی یو چھو نہ مصیبت جیسے　　روتی ہے پیٹ پیٹ کے حسرت جیسے
یا ہم جاتے تھے گھر سے رخصت ہو کر　　یا گھر ہوتا ہے آج رخصت ہم سے

رباعی

ہر گھر میں شرابی ہے الٰہی توبہ　　ہر در پہ کباب ہی ہے الٰہی توبہ
مسجد سا مقام اور دور ساغر　　کیا خانہ خرابی ہے الٰہی توبہ

رباعی

زاہد ہو کر جو شغل مے چھوڑ دیا　　اللہ رے فساد خوں بدن پھوڑ دیا
فریاد ہے مجھ شکستہ دل کی یارب　　توبہ کی درستی نے مجھے توڑ دیا

رباعی

اوروں کو تو دنیا میں قضا نے مارا　　دی زیست خدا نے پھر خدا نے مارا
پر صورت مرگ و زیست اپنی ہے جدا　　اس لب نے جلایا تھا ادا نے مارا

رباعی

کمرے میں تو شب وہ ماہ سیما آیا　　اس پر بھی مجھے ہاتھ نہ تنہا آیا
چلمن جو اٹھی ہوئی تھی آتی تھی ہوا　　چھٹوا دیے پردے تو پسینا آیا

رباعی

زیبا ہے جو دم بھرتے ہیں مردم اسکا　　قتال زمانہ ہے تکلم اس کا

کیا تیغ دو دم ہے اسکی تحریک وہ لب　　کیا ہیچ ہے نیم تبسم اُس کا

رباعی

مشکل سے تجھے اوگل رعنا پایا　　گو نین میں پھر کر ترا کوچا پایا
دنیا عقبےٰ سے عاشقی حاصل کی　　صغرا کبرا سے یہ نتیجا پایا

رباعی

آنکھوں سے ہے رنگ مے پرستی پیدا　　پلکوں سے ہے شان پیش دستی پیدا
کچھ حاجت مے نہیں کہ ہو آپ سے آپ　　ان پتلیوں سے سیاہ مستی پیدا

رباعی

سنتا ہوں ہوا جلوہ نما عید کا چاند　　ہے اسکی جدائی تو کجا عید کا چاند
وہ ابروے پر خم نظر آئے جو مجھے　　البتہ یہ سمجھوں کہ ہوا عید کا چاند

رباعی

عاشق کو کہاں شکیب شیدا ہوکر　　دل زندہ جاوید ہے مُردہ ہوکر
پیوند زمیں کرے جو مجھ کو گردوں　　گردش سے پھرے خاک بگولا ہوکر

رباعی

ایسا ہوں میں یادِ فنا کہ او کشتۂ ناز　　ہڈی سے بنے شانہ پس سوز و گداز
وہ شانہ یقیں ہے ہمہ تن ہو کے زباں　　دے روز دعا کہ عمر گیسو ہو دراز

رباعی

آرام کہاں دشت میں ہم لیتے ہیں　　تھمتے ہیں ٹھہرتے ہیں نہ دم لیتے ہیں
وحشت ایسی رمیدگی ہو ایسی　　آنکھوں سے ہرن آکے قدم لیتے ہیں

رباعی

دنیا سے عدم کی سمت جاتے جاتے　　بگڑے ہوئے کیا کام بناتے جاتے

آنا جانا تھا اپنا مانند نفس — تاخیر ذرا ہوئی نہ آتے جاتے

رباعی

کیا لطف اگر سارا زمانہ دیکھے — دیکھے تو نگاہ چشم دانا دیکھے
سر گلشن الفت میں گذر مثل نسیم — آتا دیکھے نہ کوئی جاتا دیکھے

رباعی

کچھ تو ہمیں گلشن سے اجی ہاتھ لگے — کھل جائے کنول دل کا کلی ہاتھ لگے
عارض نہ دکھاؤ اک نظر دیکھ تو لو — گر پھول نہیں تو پنکھڑی ہاتھ لگے

رباعی

خط یار نے کیا نام خدا لکھا ہے — القاب جدا شوق جدا لکھا ہے
ملجائے یقیں ہو مرض غم سے نجات — نامہ نہیں تعویذ شفا لکھا ہے

رباعی

مٹ جاؤنگا غم میں جان کھوتے کھوتے — اس بزم سے ہوگا کوچ ہوتے ہوتے
ہو شمع صفت اگر یہی سوزش دل — گھل جائیگا تن تمام روتے روتے

رباعی

پہنچے جو ترے در پہ وہ ممتاز ہوئے — رکھا جو قدم سر پہ سرافراز ہوئے
یہ کعبہ کہاں اور کہاں ہم مجرم — سامان یہ قسمت سے خدا ساز ہوئے

رباعی

ہم کو تو پسند ہے طبیعت ایسی — نکلے الفت کرے عداوت ایسی
کمبخت نے کیا کہا ہو منصف یہ کہیں — شاعر کو کہاں نصیب قسمت ایسی

رباعی

گھر سے وہ برآمد کبھی در تک نہ ہوئے — تحفے کئے منظور نظر تک نہ ہوئے

نامہ نہ پڑھا جواب نامہ کیسا قاصد کی خبر سُنی خبر تک نہ ہوئے

رباعی

آئی ہے شب ہجر رُلانے کے لئے میں ایک نہیں سب کے مٹانے کے لئے
اشکوں میں مرے ڈوب رہا ہے عالم آنکھیں مری روتی ہیں زمانے کے لئے

رباعی

کیا تیری جدائی میں ستم دیکھتے ہیں دیکھے نہ وہ دشمن بھی جو ہم دیکھتے ہیں
اس ظلم پہ اس جور پہ خاموش رہے ایسا تو جہاں میں کوئی کم دیکھتے ہیں

رباعی

خواہاں طرب ہے جسے ادراک نہیں آرام تہ گنبد افلاک نہیں
پیمانہ گردوں میں کہاں بادۂ عیش جز دُرد تہ جام یہاں خاک نہیں

رباعی

غائب بہت اے جان جہاں رہتے ہو مانند نظر ہم سے نہاں رہتے ہو
ہر چند کہ آنکھوں میں ہو تم دل میں ہو تم معلوم نہیں پر کہ کہاں رہتے ہو

رباعی

ٹھنڈے یاروں سے گرم جوشی کیسی گندم دکھلا کے جو فروشی کیسی
پھر جائینگی آنکھیں جو پھری ہم سے نظر صدقہ آنکھوں کا چشم پوشی کیسی

رباعی

اے جان جہاں یہ بیوفائی ہم سے اغیار سے اخلاص رُکھائی ہم سے
بیگانہ روش بیٹھے ہو اسطرح الگ گویا نہ کبھی تھی آشنائی ہم سے

رباعی

ظاہر میں جو آزردہ تمہیں پاتا ہوں کچھ دل میں نہیں دلکو یہ سمجھاتا ہوں

مرآۃ الغیب

ہوتا ہے کبھی اگلی محبت کا اثر — سچ کہدو کبھی میں تمہیں یاد آتا ہوں

رباعی

کہتے ہو کہ دل کوئی اٹھا لے ہم سے — تم نے تو نئے رنگ نکالے ہم سے
پچھتاؤ گے آخر کو کہے دیتے ہیں ہم — دنیا میں کہاں چاہنے والے ہم سے

رباعی

بالفرض حیات جاودانی تم ہو — بالفرض کہ آب زندگانی تم ہو
ہم سے نہ ملو تو خاک سمجھیں تم کو — لیں نام نہ پیاس کا جو پانی تم ہو

قطعہ تہنیت عقد دختر و پسر نواب شرف الدولہ بہادر مع تاریخ

نواب با ہمم شرف الدولہ ذی حشم — جنکی بہادری پہ ہے شمشیر تک گواہ
تشبیہ نقش پائے مبارک سے دوں اگر — جھکنے فلک پہ مہر فلک فخر سے کلاہ
فیض قدم سے راہ میں گوہر بنے خذف — ذرے ہوں آفتاب پڑے جس طرف نگاہ
رونق تھی بادشاہی اختر نگر کی اور — جبتک کہ آسمان وزارت کے تھے وہ ماہ
اچھوں کے اچھے ہوتے ہیں سچ ہے جہانمیں — یہ آسمان جاہ تو اولاد مہر و ماہ
ہیں رنگ و بوئے باغ شرف دختر و پسیر — دونوں دُر یگانۂ دریائے عزّ و جاہ
دونوں کی شادیاں ہوئیں ایوان پائی زیب — گلشن کا رنگ جشن سے محفل پر اشتباہ
عالم تمام خوان عنایت سے بہرہ یاب — محروم ایک فیض حضوری سے خیر خواہ
لیکن رہا سرور سے ہمدوش رات بھر — مشہور ہے جہانمیں کہ دلسے ہے دل کو راہ
دل سے تمام شب رہیں باتیں سرور کی — اشعار کچھ زبان پر آئے دم پگاہ
داں دھوم عقد کی ہوئی یاں فکر سلک نظم — دی عیش نے صدا کہ مبارک کرے اللہ
پایا ہے اس چراغ سے اس شمع نے فروغ — اس شمع سے چراغ کی روشن ہوئی نگاہ

مرآۃ الغیب

گُل کو قریب نرگس شہلا کے لے گئے — نرگس کو لائی گُل کے قریب باد صبح گاہ

تاریخ خامۂ دو زباں نے لکھی امیر
یہ تہ قریب زہرہ وہ زہرہ قرین ماہ
۱۴۰۰ھ

ایضاً

اے خوشا نواب والا مرتبت — جن کے رخ سے مقتبس ہر بار چاند
ان کے دو تُست دطفل دونوں انجب — ایک سورج ایک بے تکرار چاند

عقد دونوں کے ہوئے دل نے کہا
آئے ہیں گھر میں شرف کے چار چاند

قطعہ تاریخ طبع صحیفۂ اخبار

مخزن الاخبار کو پایا جو مالا مال حسن — لوٹنے کو دُرِّ غلطاں کو بہانہ مل گیا
لوح پیشانی سے صفحہ ہو گیا عرش آستاں — مشتری کو بہر سجدہ آستانہ مل گیا
دانت شہر بار نکل آئے صدف کے سیح میں — موتی کو زلف پریشانی کا شانہ مل گیا
کیا صفائی جتنے نقطے تھے وہ موتی بن گئے — ہنس کو مقسوم کا ایک ایک دانہ مل گیا
محو مدحت اڑ کے جا بیٹھا ہمال فکر پہ — مرغ زرین قلم کو آشیانہ مل گیا
بندش صاف آئینہ ہے خودنمائی کے لئے — شاہد مضمون کو شوخی کا بہانہ مل گیا

سال سے ہو اوج نجم مشتری روشن امیر
جس کو پرچہ مل گیا سمجھا خزانہ مل گیا
۱۲۷۳ھ

ایضاً

مولوی ہادی علی والا گہر عالی نژاد — ہے سرشت پاک آپ کوثر و تسنیم سے ۱۳۰۴ھ

مرآۃ الغیب

موجد انداز تحریر طلسم لکھنؤ — اور وصف انکے ہیں باہر حیطۂ رقیم سے
نظم اک غنچہ ہے اُن کی بوستان طبع کا — نثر اک گل ہے بہار روضۂ تعلیم سے
اب ہوئے ہیں یہ مخزن الاخبار کے تو مشتہر — ہو گئے مفلس مالا مال اس پرچہ کی تقسیم سے

تجھ سے ہو تاریخ کا سائل اگر کوئی امیر
کہہ بھرا ہے ایک پرچہ گنج ہفت اقلیم سے

ایضاً

فکر تاریخ بنمودم چو برائے مخزن — گفت در گوش دلم ہاتف از غیب سخن
چار برگیر ز تعداد حروف از مخزن — نصف یکبار بگیر و دو بارش کم کن

سنہ [illegible]ھ

قطعہ تاریخ وفات والد جناب منشی اکرم احمد صاحب خیرآبادی

چو آمد منشی دیوان اکرم — اکرم احمد کہ مقبول خدا باد
سفر آمد ز صفر در موز این دہر — بچشم حور خاکش توتیا باد
جہان از رحلتش ویران شد و خلد — بہ یمن مقدم او گشت آباد

امیر این مصرع تاریخ بنوشت
بزیر دامن خیر النسا باد

سنہ ۱۲۷۳ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان جناب معلی القاب نواب محمد یوسف علیخان بہادر
والی مصطفیٰ آباد عرف رامپور

مبارک ہو اے شاعران سخنداں — چھپا خسرو ملک معنی کا دیوان
فصاحت بلاغت نزاکت لطافت — معانی پہ صدقے مضامیں پہ قرباں
امیر اسکی تاریخ کہنے کے خاطر — ہوا فکر میں جب کہ سر در گریباں

[illegible]ھ

ندا غیب سے اُس کے کانوں میں آئی
کہ افکارِ نواب یوسف علی خاں

قطعہ تاریخ مثنوی مرزا حاتم علی بیگ صاحب مہر حسب فرمائش جناب میر محسن علی صاحب لکھنوی

لکھی جناب مہر نے کیا خوب مثنوی — ایسی نہ ہو ہمیشہ اگر خاک چھاپیے
تاریخ میں امیر تکلف ہے کیا ضرور — راز و نیاز عاشق و معشوق چھاپیے

قطعہ تاریخ وفات جناب شیخ وحید الزماں صاحب

اتوار کی شب رجب کی ستر ھویں ہے — کی شیخ وحید عصر نے آج قضا
تاریخ کی فکر کی جو میں نے تو امیر — رضواں نے کہا کہ داخل خلد ہوا
۱۲۸۱ھ

قطعہ تاریخ تہنیت سواری حضور پُرنور جناب نواب محمد یوسف علیخان بہادر دام اقبالہٗ

شکر ہے نواب کو صحت ہوئی — پھر مرے خالق نے دکھلائی بہار
دیکھ کر اس کی سواری کا تزک — چشم نرگس بن کے شرمائی بہار
آمد آمد جب سواری کی ہوئی — دھوم اُڑی آئی بہار آئی بہار
رنگ یہ اُس کی سواری کا جما — ابر رحمت کی طرح چھائی بہار
کرتی ہے باد بہاری کے حضور — ہر قدم پہ جبہہ فرسائی بہار
اشرفی کے پھول اپنی جیب میں — بھر کے نیلے کے لیے لائی بہار
یہ بدیہہ ہوگئی تاریخ امیر — شہر کیوں گلشن نہ ہو آئی بہار
۱۲۸۳

تہنیت جشن صحت بندگان والا مقام جناب محمد یوسف علیخان بہادر

بادائے تہنیت عید صیام

مژدہ اے طالبان شاہد عیش — کہ ہوئی صبح عید شام امید

عید کا چاند چرخ پر نکلا ہو — مل گئی قفل آرزو کی کلید

دور دور قرآن سعد آیا — ہیں ہم آغوش مشتری ناہید

یوسف عہد کو ہوئی جو شفا — مرتبے میں ہوئی دو بالا عید

دو لن ہمرنگ کی اُسے کہیے — جشن صحت اِدھر اُدھر ہے عید

عید سی عید ہے خوشی سی خوشی — ہے عجب ساعت سعید و حمید

اصل مقصود جشن صحت ہے — عید ماہ صیام ہے تمہید

دھوم ہے ہر طرف مبارک ہو — وصل میں وصل اور دید میں دید

ہمہ تن چشم و گوش ہے عالم — کہ یہ عالم نہ دید ہے نہ شنید

دیکھ کر بخشش و نوال حضور — چرخ پر کاسہ بن گیا خورشید

جوڑے زہرہ وشوں نے وہ پائے — اطلس چرخ جن کے آگے مرید

فکر تاریخ کی جو میں نے امیر — کیا ہی روح القدس نے کی تائید

ہوئی تاریخ جشن و عید بہم
جشن میں جشن اور عید میں عید

قطعہ تاریخ جشن صحت

شرف داں دہر کو ہے یا عروج مہر دولت ہے — عجب صحبت عجب جلسہ عجب شادی کی ساعت ہے
۱۳۰۴

کیسے سال ہمایوں ہاتھ آتا ہے امیر ایسا — مہینا عید کا نوروز کا دن روز صحت ہے

قطعہ تاریخ وفات فردوس مکان جناب نواب محمد یوسف علیخاں بہادر انار اللہ برہانہ

در فراق ناظم مہر بیان یوسف لقا — جوش زد سیلاب خوں از دیدۂ گریان من
تاب از دل رفت و دل از دست دو از کار رفت — رفتن او جملہ برہم زد سر و سامان من
تیرہ شد چوں شام ماتم در نظر این خاکداں — چاک شد تا شد دامان سحر دامان من
شکر منت ہائی او ایمان خود دانستہ ام — ذکر او تا بودہ ام بودست حرز جان من
بسکہ از شور فغانم محشری برپا شدہ است — میشود دشیر قیامت ہر نفس قربان من
گریہ ام در ماتمش رنگ فراوانی گرفت — می چکد طوفان نوح از گوشۂ دامان من

بہر سال آن عزیز مصر دلہا گفت امیر
مسند آرائے جہاں شد یوسف دوران من
۱۲۸۱ھ

قطعہ تاریخ تہنیت جلوس میمنت مانوس جناب معلی القاب نواب محمد کلب علیخاں بہادر والی ملک مصطفی آباد عرف رامپور

آفتاب سپہر حشمت نے — تخت پر جب جلوس فرمایا
فرط بالیدگی سے وقت جلوس — پایۂ عرش تخت نے پایا
عرشیوں نے کہا مبارک ہو — فرشیوں کے سروں پہ یہ سایا
سایۂ اُس سایۂ الٰہی کا — ابر رحمت کی طرح سے چھایا
تخت دولت پہ ماہ دولت نے — مہر ہو کر جلوس فرمایا
مہر کا رنگ ہو گیا پھیکا — ماہ کامل فلک پہ شرمایا

نذر کو آسمان دُر انجم | طبق ماہتاب میں لایا
نور سے طور ہو گئی کوٹھی | پرتو حسن نے یہ چمکایا
کیوں نہ خوش ہوں محمدی مشرب | عہد خلق محمدی آیا
اس سلیمان نے خلق سے اپنے | خاتم دل پہ نقش بٹھلایا
جی اٹھا جس سے چار باتیں کیں | رنگ اعجاز تازہ دکھلایا
چھک گئے مے کشان بزم سوال | جام جو دو کرم جو چھلکایا
نئے سر سے جوان ہوا اقبال | نخل دولت مُراد پہ آیا
ہے یہ سرتاج تاجداروں کا | اس پہ اللہ کا رہے سایا

واقعی ہے امیر سال جلوس
دور دور فلاح خلق آیا
۱۲۸۱ھ

ایضاً

خلق کی تقدیر چمکی وہ ہوئے مسند نشیں | نور فیض کبریائی سے جو مالا مال ہیں
ڈھل گئی ہے نور کے سانچے میں تاریخ امیر | آفتاب آسمان دولت و اقبال ہیں
۱۲۸۱ھ

قطعہ تاریخ وفات جناب شیخ محمد وحید الزماں صاحب سفیر دالریاست ملک رام پور

آں گرامی گوہر قدسی نفس | رحلت از دنیائے فانی چوں نمود
گفت امیر سخت جاں سال رحیل | صاحب ایماں سراپا خیر بود
۱۲۸۹ھ

ایضاً

اللہ نے جو وصف عطا ان کو کئے تھے | وہ آنہیں سکتے ہیں قیاس بشری میں

رحلت کی امیرؔ انکی کہی میں نے یہ تاریخ — یا للہ ملک تھے وہ لباس بشری میں

١٢٨٩ھ

ترجیع بند

قاصد خوش خبر رحمت غفار آمد — بخت بیدار شد و دولت بیدار آمد
قطرہ زن آمد و یا دست گہربار آمد — ہمچو سیلاب بہاراں سوئے گلزار آمد
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ہر روش اور ہی سامان نظر آتے ہیں — جان تازہ گل و نسرین و سمن پاتے ہیں
جھومتے ہیں جو شجر سرد ہوا کھاتے ہیں — رقص کرتے ہیں تو طاؤس یہ چلاتے ہیں
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

گلستاں میں نئی ترکیب جو مجلس کی ہوئی — پھر ہوا سرد چلی وجہ یہی اس کی ہوئی
تازہ امید گل و لالہ و نرگس کی ہوئی — نہیں معلوم یہ مقبول دعا کس کی ہوئی
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

لو تماشائے گل و سنبل و سوسن کو چلو — دیکھنے شاہد مقصود کے جوبن کو چلو
سیر کا وقت ہے گردان کے دامن کو چلو — بیٹھنا گھر میں مناسب نہیں گلشن کو چلو
تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کرتے ہیں مرغ چمن شور گھٹا چھائی ہے — ہر روش ناچتے ہیں مور گھٹا چھائی ہے
لطف برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے — صحن گلزار میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

زینتیں مے کی دکانوں کی خداداد ہوئیں | اُڑ چلیں تو تمیں ایسی کہ پریزاد ہوئیں
خاطریں قید غم دہر سے آزاد ہوئیں | بھٹیاں بادہ فروشوں کی پھر آباد ہوئیں

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

تہنیت رعد نے چلا کے سنائی کیسی | ہاں میں ہاں کوندنے بجلی نے ملائی کیسی
شکل امید مقدر نے دکھائی کیسی | تھی تمنا جو تمہیں آج بر آئی کیسی

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

تند اس طرح کا جیسے کسی محبوب کی خو | شور ایسا کہ نہیں صور سے کمتر سر مو
وہ سیاہی کہ پریشاں ہوں جس سے گیسو | کثرت ایسی کہ فلک کا بھی دبا ہے پہلو

تند و پر شور سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

چاہیئے دور سے تاب ہو پیمانہ چلے | خانقہ میں ہو جو زاہد سوئے میخانہ چلے
مقدرت ہو کہ نہ ہو کام چلے یا نہ چلے | زور جبتک کہ چلے بادۂ مستانہ چلے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

طرفہ اس ابر کی ہے زیر فلک جلوہ گری | ہم سمجھتے ہیں کہ پر کھول کے آئی ہے پری
زاہد خشک بھی دیکھیں گے تماشا تری | کشت امید ہوئی بادہ پرستوں کی ہری

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد

میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

خشک سالی کے سبب قحط پڑا تھا گھر گھر — صورت عیش نہ آتی تھی زمانہ کو نظر
فضل خالق نے کیا کھل گئے امید کے در — کہہ دو سرکار سے میخواروں کو دیں یہ خبر

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

رخ جو ہیں زرد وہ گلزار نظر آئینگے — جتنے زہاد ہیں میخوار نظر آئیں گے
لالہ رو صاحب آزار نظر آئینگے — زعفران زار چمن زار نظر آئیں گے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

یہ نہ پوچھو کہ احوال بیاں کا کیا ہے — ترک شکر یہ مقدور زباں کا کیا ہے
آج کیا رنگ تھا اب آج جہاں کا کیا ہے — یہ تصرف جو نہیں پیر مغاں کا کیا ہے

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

حق سے میکش ہیں امیر انکو سنا دے پیغام — دیں دعا کلب علی خان بہادر کو تمام
کہ انہیں کیلئے یہ عیش کے ساماں ہیں تمام — فیض سے انکے سنا تا ہے یہ تکلیف جام

تند و پر شور و سیہ مست ز کہسار آمد
میکشاں مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

ترکیب بند در تہنیت عید الفطر

جبتک کہ روز عید مسرت فزا رہے — جبتک کہ کعبہ قبلہ اہل صفا رہے

مرآۃ الغیب

جب تک کہ قبلہ مرجع خلق خدا رہے — مسجود جب تلک حرم کبریا رہے

قرباں ہو تجھ پہ عید سعادت فدا رہے

بالائے فرق سایۂ بال ہما رہے

جبتک کہ جرم شمس و قمر میں ضیا رہے — جبتک فروغ زہرہ و نور سہا رہے

جبتک جہاں میں چار عناصر کی جا رہے — جبتک کہ خاک آتش و آب ہوا رہے

مثل زمیں سپہر ترے زیر پا رہے

سر پر مدام سایۂ دست خدا رہے

مسجود اہل شرع ہو جبتک خدا کا گھر — جبتک نمازیوں کے جھکیں سجدوں میں سر

جبتک کہ معتکف رہیں محراب میں بشر — جبتک وظیفہ خواں رہیں زہاد ہر سحر

یارب صف انام کا تو پیشوا رہے

آفاق مقتدی رہے تو مقتدا رہے

جبتک کہ باغ دہر میں پھولیں پھلیں شجر — جبتک دماغ و چشم کو دیں رنگ و بو ثمر

غنچے کھلیں نسیم سے جبتک کہ ہر سحر — شبنم ہو گوش گل کیلئے جب تلک گہر

خنداں گل مراد ہو فضل خدا رہے

نخل مراد میں ثمر مدعا رہے

جبتک کہ ابر تر سے چمن فیض یاب ہو — جب تک کہ ماہ آئینہ آفتاب ہو

جبتک صدف میں گوہر با آب و تاب ہو — جبتک کہ سنگ معدن لعل خوشاب ہو

ہر وقت در فشاں کف جود و سخا رہے

اس ابر سے جہان چمن دل کشا رہے

آباد جب تلک ہو جہاں میں جہان علم — جبتک کوئی زمیں ہو کوئی آسمان علم

جبتک کہ مدرسوں میں ہو جوش بیان علم — جبتک کہ بحث علم کریں طالبان علم

جاں بخش سامعین سخن جانفزا رہے
طرز کلام عیسیٰ معجز نگار ہے

جبتک کہ فوج نجم پہ ہو تیغ مہر تیز — جبتک کرے بہار سے فصل خزاں گریز
اضداد اربعہ میں رہے جبتک ستیز — جب تک دلوں کو آب کرے خوف رستخیز

فرق حسود زیر سم بادپا رہے
شمشیر تیرے عدل کی کشورکشا رہے

جبتک جہاں میں گردش لیل و نہار ہو — شب جب تلک کبھی کبھی دن آشکار ہو
جبتک کہ گرم معرکۂ گیر و دار ہے — کچھ جبر جب تلک کہ ہو کچھ اختیار ہو

دولت تری زیادہ ہو حشمت سوار ہو
اقبال حاضر در دولت سرا رہو

جبتک کہ عشق گل سے ہو بلبل کے دل پہ داغ — جبتک ہو فاختہ کو تمنائے سرو باغ
پرواز جب تلک کہ رہے عاشق چراغ — آشفتہ عشق مہ رہے تا کبک کا دماغ

عارض پہ جان جن دلبر کی فدا رہے
دل دو جہاں کا بستۂ زلف دوتا رہے

جبتک دہن کو میم عدم نکتہ داں کہیں — جبتک کہ چاند چہرے کو روشن بیاں کہیں
جبتک نگاہ یار کو شاعر سناں کہیں — ابرو کو اور مژہ کو خدنگ و کماں کہیں

مثل کماں نہ جو ترے آگے جھکا رہے
اس کا جگر نشانۂ تیر قضا رہے

جبتک صدف میں قطرۂ نیساں گہر بنے — تا آہن آبیاری پارس سے زر بنے
جبتک ہرن کی ناف میں خوں مشک تر بنے — جبتک کہ شیشہ سنگ سے گل سے ثمر بنے

بوئے گل طرب سے دماغ آشنا رہے

شیشہ شراب عیش سے دل کا بھرا رہے

جبتک کہ صحن باغ میں جاری ہو آب جو — جبتک کہ بوستاں میں ہو گل میں رنگ و بو

جبتک کہ گل ہو جام ہر اک غنچہ ہو سبو — جبتک صبا جہاں میں پھرتی ہو چارسو

صحت نصیب باغ جوانی ہرا رہے

اس بوستاں کی معتدل آب و ہوا رہے

نوشیرواں کا عدل دوبارہ دکھا دیا — ایسا جہاں میں حکم کا سکہ بٹھا دیا

نام جم و سکندر و دارا مٹا دیا — اس درجہ گنج گوہر و سیم و طلا دیا

خورشید گو وہ سب ترے آگے سہا رہے

نام اوروں کے نام رہے بھی تو کیا رہے

فرحت رہے مدام مسرت زیادہ ہو — یا رب ہمیشہ دولت و حشمت زیادہ ہو

عالم ہو زیر حکم حکومت زیادہ ہو — ہر روز زور بازوئے قدرت زیادہ ہو

حاصل ہر اک مراد ہو حامی خدا رہے

ظل رسول سایۂ مشکلکشا رہے

جبتک دل و دماغ کو طاقت نصیب ہو — جبتک کہ ہاتھ پانوں کو قوت نصیب ہو

آنکھوں کو جب تلک کہ بصارت نصیب ہو — کانوں کو جب تلک کہ سماعت نصیب ہو

جان و دل امیر تجھی پر فدا رہے

اسکو کسی سے کام نہ تیرے سوا رہے

تاریخ طبع سابق از سید فضل رسول خان مرحوم تعلقدار سندیلہ تلمیذ حضرت امیر مغفور لکھنوی

کہاں ہیں مومن و غالب کہاں ہیں ذوق و نصیر — کہاں ہیں ناسخ و آتش کہاں ہیں یار شیفتہ

چھپا ہے مطبع میں دیوان امیر احمد کا — کہیں زمانے میں جسکا نہیں شبیہ و نظیر

مرآۃ الغیب

کریں مطالعہ اس کا بدیدۂ انصاف
کھنچے کسی سے مضامین کی ایسی کب تصویر

جو واسطی کو ہوئی فکر از پے تاریخ
کہا زبانِ قلم نے طفیل فیض اسیر

۱۲۹۰ھ

تاریخ طبع حال از سخنور باکمال منشی بھگوان دیال صاحب عاقل اسسٹنٹ مطبع سلمہ المتعال

کنوں گردید بار ثالث
عجب دیوان اعلیٰ مرآۃ الغیب

پے تاریخ عاقل کرد تحریر
بوقت طبع زیبا مرآۃ الغیب

۱۳۰۹ھ

۱۸۹۲ء

ختم شد